

ندوة المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب
سعد احمد کسرا بادی

ندوة المصنفین دہلی کی پہلی تاریخی مطبوعہ

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی، سائنسی و تاریخی کتبوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن

جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی

کئے گئے ہیں قیمت ۳۰، جلد للہ

سلسلہ تین جلدیں مختصر وقت میں تاریخ اسلام

کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہر اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر

بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان بکھر اہل وافرقت

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں

یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت ۳۰ جلد پیر

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان قیمت ۳۰ جلد پیر

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ

قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ جلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ

قیمت دو روپے۔ جلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ قیمت ۳۰ جلد للہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ قیمت للہ جلد صفر

تاریخ مصر و مغرب القصر تاریخ ملت کا ساتواں

مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰

قیمت تین روپے چار آنے۔ جلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ زیر طبع

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے آ

اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ۳۰ جلد پیر

غلامان اسلام انتہی سے زیادہ غلامانِ اس

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت ۳۰ جلد پیر

اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاخلاق پر

ایک بسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور صفحہ ۱۰۰

ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت ۳۰ جلد پیر

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات

واقعات تک۔ قیمت ۳۰ جلد صفر

قصص القرآن جلد دوم حضرت موسیٰ سے

حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت ۳۰ جلد

قصص القرآن جلد سوم نبیاء علیہم السلام کے حالات

کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت ۳۰ جلد

بُرْهَان

جلد سبست و ہفتم شماره نمبر ۱

جولائی ۱۹۵۱ء مطابق شوال المکرم ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

- ۱۔ نظرات سید احمد ۲
- ۲۔ تدوین حدیث حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۵
- ۳۔ مختار بن ابی عبید الشقی ڈاکٹر خورشید احمد فاروق ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی ۱۷
- ۴۔ تاریخی حقائق مولانا ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم معینہ سائتھ ۲۹
- ۵۔ علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث جناب خواجہ حافظ محمد علی شاہ صاحب ۴۱
- ۶۔ کتاب خانہ ڈیبا نواں (پٹنہ) مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ ۷۷
- ۷۔ ادبیات ایران غزل جناب روشن صدیقی آتم مظفرنگوی ۶۰
- ۸۔ تبصرے (ع) ۶۳

نَظَرْتُ

خبر ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایجنٹ میں چند تبدیلیاں پارٹمنٹ کے زیرِ غور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یونیورسٹی میں داخلہ ہر فرقہ کے طلباء کا ہو گا دوسرے یہ کہ یونیورسٹی کورٹ کی ممبر شپ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہ رہے گی تیسرے یہ کہ دینیات کا مقصود جبری نہیں ہو گا اور اگر ان سب تبدیلیوں کو مان لیا جائے تو پھر یہ ظاہر ہے کہ یونیورسٹی کو مسلم یونیورسٹی کہنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، اخبارات میں ایجنٹ کی ان مجوزہ تبدیلیوں کے متعلق موافق اور مخالف دونوں قسم کی رائیں ظاہر کی جا رہی ہیں اور اس طرح گویا ایک اچھا خاصہ معرکہ بحث و تحقیق قائم ہو گیا ہے حالانکہ صورتِ معاطل اس قدر صاف واضح اور غیر مبہم ہے کہ اس کے متعلق دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔

سب سے پہلے غور اس پر کرنا چاہئے کہ یونیورسٹی کے بانیوں نے یونیورسٹی کا نام جو مسلم یونیورسٹی رکھا تھا تو کیا اس کا مقصد فرقہ پرستی تھا؟ کیا یہ اس لئے تھا کہ اس میں صرف مسلمان طلباء تعلیم پاسکیں گے اور غیر مسلم طلباء کا اس میں داخلہ نہ ہو سکے گا؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی ایک سوال کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہو سکتا کون نہیں جانتا کہ یونیورسٹی کا دروازہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے طلباء پر کھلا رہا ہے اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ جیسا کہ نواب محسن الملک مرحوم نے اپنے خط میں جو اب تک متعدد اخبارات میں نقل ہو چکا ہے لکھا ہے غیر مسلم طلباء کو ان کے اپنے کلچر اور تہذیب قومی کے مطابق قیام و طعام کی سہولتیں اور عبادت کی آسائیاں بھی مہیا کی جانی رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب صورت حال یہ ہے تو یونیورسٹی کو مسلم کہنے کی وجہ کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دو وجہیں تھیں دا، ایک یہ کہ مسلمان تعلیم میں اور اقتصادِ خوشحالی میں اپنے برادرانِ وطن سے بہت پیچھے تھے اس بنا پر ضرورت تھی کہ ایسی درسگاہ قائم کی جائے جس میں غریب سے غریب گھر کے مسلمان بچے بھی اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں تعلیم پاسکیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مقصد ان مشترک تعلیم گاہوں سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا جو سب کچھ یا بہت بڑی حد تک برادرانِ وطن کے روپیہ سے چل رہی تھیں اور یا جو گورنمنٹ

کی اپنی درسگاہیں تھیں کیونکہ ان دونوں قسم کی درسگاہوں میں مسلمان طلبہ کا داخلہ زیادہ سے زیادہ متناسب آبادی کے مطابق مل سکتا تھا اور اس بنا پر مسلمانوں میں تعلیم عام نہیں ہو سکتی تھی۔

(۲) اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو کم از کم ایک ایسی درس گاہ کی ضرورت تھی جس میں علوم جدیدہ کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و کلچر کی بنیاد پر طلبہ کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کی جائے اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ دینیات کو جبری مضمون کی حیثیت دی جائے اور ساتھ ہی عربی، فارسی اور دو اور اسلامی تاریخ کی تعلیم کا اہتمام و انتظام نسبتاً وسیع اور مہذب پائے پر کیا جائے علاوہ بریں طلبہ کی خاص خاص انجمنیں اور سوسائٹیاں ہوں جن کے ذریعہ طلبہ میں ایک مخصوص کردار اور ایک خاص طرز زندگی پیدا کیا جائے۔

مذکورہ بالا دو وجہوں میں سے جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے اس کی واقعیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور اگر آج ایک سیکور گورنمنٹ بھی ملک کے بعض بسپت ماندہ طبقوں کے لئے بعض خاص خاص مراعات کر سکتی ہے اور اس سے گورنمنٹ کے سیکور ازم پر کوئی حرج نہیں آتا تو پھر ایک بسپت ماندہ طبقہ کو خود یہ حق کیوں حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے ہی طبقہ کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانے کا ذمہ لے اور اس کے لئے ایک الگ درسگاہ قائم کرے یہی دوسری وجہ تو اگر اسلامی تہذیب و کلچر دنیا کا کوئی واقعی عظیم اثران کلچر ہے تو جس طرح کیمبرج اور آکسفورڈ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مغربی تہذیب و کلچر کے ساتھ اور ہندو بنارس یونیورسٹی اور شانتی کیتن وغیرہ ہندو تہذیب و کلچر کے ماحول و فضلہ کے ساتھ علیم و فنون کی تعلیم کا انتظام و اہتمام کریں تو پھر کم از کم ایک یونیورسٹی کو یہ حق کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے ہاں اسلامی تہذیب و کلچر کے ماحول و فضلہ کے ساتھ تعلیم کا بند و بسپت کرے اس میں کلام نہیں کہ کسی قوم کے کلچر کی تعمیر و تشکیل میں اس کے مذہبی معتقدات درجانات کو بھی دخل ہوتا ہے لیکن کلچر کو مذہب کے ہم معنی سمجھنا پرلے درجہ کی ناواقفیت اور بے خبری ہے آج ہمارے ملک میں ہی کتنے ہیں جو مذہب ہندو میں یا مسلمان لیکن مغربی تہذیب و کلچر کے دلدادہ و ذرفیت میں اس بنا پر کوئی درسگاہ ایسی جس میں اسلامی تہذیب و کلچر کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو اس کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ کسی ایک خاص مذہب کے لوگوں کی ہی درسگاہ ہے سخت ترین غلطی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے بانیوں نے اس درسگاہ کا دو واٹھ غیر مسلم طلبہ

میں ہندوؤں کی الٹیہ عزت ہے کہ جو طالب علم بھی یہاں داخل ہو گا وہ اسلامی تہذیب و کلچر کے اثرات سے متاثر ہو کر اپنا جیورس کو اس کی جگہ پر رکھ کر باہر لے سکے گا۔

ابن کثیر نے یہ کہہ کر وہ دہلیس جن کے باعث علی گڑھ یونیورسٹی کا نام مسلم یونیورسٹی رکھا گیا تھا اور جو اس کی اعلیٰ عرصہ کیا گیا نہایت معقول اندر صحیح دہلیس نہیں اب بھی موجود ہیں یا نہیں؟ تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ اب موجود نہیں ہیں بلکہ جس وقت یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کی بنیاد اب کہیں زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہیں اس بنا پر کوئی دہلیس کہ یونیورسٹی کے نام سے مسلم کے لفظ کو اڑایا جاتے۔

دہلی بات کہ حکومت چونکہ سیکولر ہے اس بنا پر یونیورسٹی کے نام کے ساتھ اگر لفظ مسلم لگا رہا تو وہ حکومت کی گرانٹ کی سختی نہیں ہوگی تو سوال یہ ہے کہ سیکولرزم کے معنی کیا ہیں؟ کیا اس کے معنی ایٹنی تہذیب اور ایٹنی کلچر کے ہیں ظاہر ہے کہ سیکولرزم کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی حکومت جس کا بنیاد کوئی مذہب نہیں ہے اور اس بنا پر اس کا بنا نہ مذہب اور ہر فرقہ اور ہر کلچر کے لوگوں کے ساتھ یکساں ہو گا اور وہ ہر ایک کی سرپرستی، مساوات و برابری کے جذبہ سے کرے گی اس صورت میں حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ اپنے ملک کے مختلف کلچروں کی نگہداشت اور حفاظت کرے اور اس میں اس کے لڑنے والے اور احمق کو گوارا کرے ہر حال ان درجہ مذکورہ بالا کی بنا پر جاری قطعی رائے ہے کہ بنا پر یونیورسٹی کے ساتھ لفظ ہندو اور علی گڑھ یونیورسٹی کے ساتھ لفظ مسلم ضرور لگا رہنا چاہئے لیکن ان دونوں یونیورسٹیوں کی حیثیت فرقہ دارانہ ہونے کے بجائے کلچرل یونیورسٹیوں کی ہونی چاہئے یعنی بنا پر اس میں مسلمانوں اور علی گڑھ میں ہندو طلبہ کے داخلہ کی اجازت ہونی چاہئے ایک جگہ ہندو دنیا تہذیب جبری ہو اور دوسری جگہ اسلامی دنیا تہذیب کو ہندو تہذیب اور کلچر کے ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہو رہا ہو بنا پر اس میں اس کو اسلامی تہذیب و کلچر کی صفائی دینی ہو وہ علی گڑھ آئیں۔

جو لوگ بات بات میں گاندھی جی کا نام لیتے ہیں ان کی عبرت کے لئے ہم ذیل میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اگرچہ ہم ایک مدت پہلے بھی اس کو برہان میں نقل کر چکے ہیں جناب شفیق الرحمن صاحب قدوائی جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ارکان و اہمیان میں سے ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جامعہ کی مالی حالت حد درجہ سقیم ہو گئی تھی اس پر غور کرنے کے لئے ڈاکٹر انصاری مرحوم کے مکان پر ایک اجتماع ہوا جس میں حکیم اچل خاں اور گاندھی جی بھی تھے بحث و گفتگو کے دوران میں سیمٹھ جنرل بیجا جی اس وقت جامعہ کے خزانچی تھے بولے کہ اگر جامعہ کے نام سے "اسلامیہ" کا لفظ اڑا دیا جائے تو میں وعدہ کرنا ہوں کہ ہندوؤں سے یہ لائسنس لینا اور یہ چیزہ کے میں لے سکتا ہوں گاندھی جی جو گاؤں بھجی سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے یہ سنتے ہی سیدھے چوکے بیٹھے گئے اور فرمایا: "ہمیں بھلاج میں کوئی کہتے ہیں تو یہ جامعہ قائم ہی اس مقصد کے لئے کی گئی کہ یہاں اسلامی تہذیب و کلچر کے ساتھ انگریزی علوم و فنون کی تعلیم دی جائے تاکہ اگر کل میں اپنے (لکے دیوی) واس کو اسلامی تہذیب و کلچر سے

تدوین حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ جدید آباد دکن)

(۱۸)

صحابیت کی قوت کا اسلام اور پیغمبر اسلام علی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق تھا کیا وہ کسی بحث و تحقیق کا محتاج تھا؟ جن لوگوں میں اس بدیہی حقیقت کے متعلق شک و اشتباہ وہ پیدا کرنا چاہتے تھے، گو خود صحابی نہ تھے لیکن ان کی بڑی تعداد صحابہ کی دیکھنے والی تھی یا کم از کم صحابہ کے دیکھنے والوں سے ان کے حالات تو اتنی شکل میں ہر ایک کے کانوں تک پہنچے ہوئے تھے ساری نفا اس وقت کی صحابیت کی اس قوت کی گونج سے معمور تھی، یقیناً جس نصب العین کو دھلے کر اٹھے تھے، کامیاب ہو جانے کے بعد اسلام کی فاش شکست پر ان کی یہ کوشش منجھ ہوتی خدا خواستہ اگر یہ ہو جاتا تو پہلی صدی ہجری میں جیسا کہ ان بداندیشیوں نے سوچا تھا اسلام کا سارا اہوان سر پہ سجود ہو کر رہ جانا گویا شروع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی تاریخ ہمیشہ کے لئے اسی وقت ختم ہو جاتی، اس لئے اس کی توداد دینی پڑتی ہے کہ تاکنے والوں نے ٹھیک اسی بنیادی اساس کو ضرب لگانے کے لئے مارا تھا جس پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد وہ بازی جیت لیتے۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا دن کی کھلی روشنی میں خواہ دیکھنے والے جیسے کچھ بھی ہوں ان کی آنکھوں میں خاک چھوٹ کر یہ باور کر دینا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے اور بجائے دن کے رات آگئی ہے کوئی آسان بات نہ تھی، آخر مغالطی مقدمات کی افزائشی بھی ایک خاص حد تک

محدد ہوتی ہے آپ لاکھ نفسیاتی کرتبوں سے کام لیتے ہوئے چلے آئے، لیکن آنکھیں کھولے جو چمکتے ہوئے آفتاب کو دیکھ رہا ہے اس کو یہ باور کرانے میں کیا آپ کامیاب ہو سکتے ہیں آدمی بہر حال آدمی ہے جو پایہ اور جانور نہیں ہے خصوصاً شکار کھیلنے والے جن میں شکار کھیلنا چاہتے تھے مسلمان تھے اور غیر منافق مخلص مسلمان تھے۔

کوئی تدبیر اس کے سوا کارگر نہیں ہو سکتی تھی کہ جھوٹ کا دھواں اٹھایا جائے اور اسی سے ایسی ناریکی پھیلا دی جائے کہ بنیادی رکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کو دن رات کی شکل میں نظر آنے لگے، یہی واحد تدبیر مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے بانی رہ گئی تھی جسے بالآخر اختیار کرنے والوں نے اختیار ہی کیا مفصل اس اجمال کی یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کا انساب قطع نظر اس کے کہ مالاوہ افتراء علی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ باندھنے کے جرم کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور قرآن میں اس جرم کے مجرم کو ہر قسم کے ظلم زیادتی کرنے والوں کی صف میں سب سے بڑا ظالم اور مجرم مہیسوں جگہ قرار دیا گیا تھا اسی کے ساتھ ساتھ جیسا کہ گذر چکا فلنبوء مقعدہ من الناس والی روایت کا صحابہ کرام نے اتنا چرچا کیا تھا اور اس کو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اتنی کثرت سے ہر مجلس و محفل میں وہ دہرانے رہتے تھے کہ روایت میں قریب قریب توازی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی اس ذریعہ سے قلوب میں اس جرم کی اہمیت کو دل نشین کرنے میں وہ اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ شاید قتل و زنا و سرقت وغیرہ جرائم کی بھی اس جرم کے مقابل میں اہمیت باقی نہیں رہی تھی اس عہد کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس جرم کی اہمیت سے اتنے زیادہ متاثر تھے کہ دعویٰ کرنے والا اگر یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ گویا ان میں اس جرم کے ارتکاب کی صلاحیت ہی جاتی رہی تھی تو شاید واقعات کی روشنی میں اس دعویٰ کا مسترد کرنا آسان نہ ہوگا آخر اس کے بھی کوئی معنی ہیں کہ ”صحابہ کرام کی یہی جماعت جس میں ہر قسم کے لوگ تھے یعنی اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ مدارج میں ان کو بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے، جیسے ہر جماعت کے افراد میں یہ تقسیم جاری ہوتی ہے تاہم ہم مسلم تھا کہ پیغمبر کے سوا کوئی بشر جو ان کے معصوم پیدا نہیں کیا جانا

اس لئے نہ اس زمانے میں اور نہ اس کے بعد اس وقت تک کسی طبقہ کے صحابیوں کو معصوم قرار دینے کا عقیدہ مسلمانوں میں کبھی پیدا ہوا۔ اور غیر معصوم ہونے کی وجہ سے جس قسم کی بھی کمزوری یا اس جماعت کے بعض افراد سے سرزد ہوئی ہیں بغیر کسی جھجک کے مسلمان ہمیشہ ان کا مذکور ہونا بھی اور کتابوں میں بھی کرتے چلے آئے ہیں آخر خود سوچئے حضرت ماعز اسلمی، یانعمان بن عمرو الانصاری یا مغیرہ بن شعبہ یا وحشی یا عمرو بن عاص یا خود امیر معاویہ وغیرہم حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی طرف حدیث و سیر و تاریخ وغیرہ کتابوں میں کون کون سی باتیں نہیں منسوب کی گئی ہیں اور یہ تسلیم کر کے منقولہ کتابوں میں کہ واقعی ان نفرتوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے جرائم جنہیں ہم کہا کر کہہ سکتے ہیں واقعہ ہے ان کی شاید یہی کوئی قسم

یہ سیر معاویہ و تاریخ کی کتابوں میں ان صحابیوں کے حالات آپ کو ملیں گے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ماعز کی طرف زنا کا جرم منسوب کیا گیا ہے اسی طرح مغیرہ بن شعبہ کی طرف بھی بعضوں نے اس جرم کو منسوب کیا ہے نعمان بن عمرو انصاری نو دہی مشہور شگفتہ مزاج صحابی ہیں جن کی بعض ادا میں عجیب نفس لکھا ہے کہ مدینہ میں موسیٰ بن جہش و فہرہ جہشی چیزیں بیچنے کے لئے کوئی آتا تو دھار اس سے خرید لیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیہ پیش کر دیتے یہ خیال کر کے نعمان کی طرف سے یہ ہدیہ ہے رسول اللہ خود بھی نوش جان فرماتے اور دوسروں میں تقسیم کر دیتے جب قیمت مانگئے والا نعمان کے پاس آتا تو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ رسول اللہ کے سامنے لا کر اس سے کہتے کہ قیمت آپ سے مانگ لو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم نے تو ہدیہ پیش کیا تھا، کہتے کہ ہاں پیش تو ہدیہ ہی کیا تھا لیکن میرے پاس دام کہاں ہیں جو ادا کروں؟ ایک دفعہ ایک غریب بدو کے ادب کو جب وہ رسول اللہ کے پاس بیٹھا تھا انھوں نے بعضوں کے اشارے سے ذبح کر دیا۔ بدو نے باہر نکل کر یہ تاں شاہد دیکھا چھینے لگا رسول اللہ سے فریاد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی حرکت ہے، نعمان کا نام لیا گیا۔ وہ صباگ کر ایک شخص کے گھر میں چھپے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہوئے اس گھر میں گھس کر ان کو گرفتار کیا، دریافت کیا کہ یہ کیا حرکت تھی کہنے لگے کہ جن لوگوں نے میرا آپ کو بتایا ہے ان ہی کے اشارے سے میں نے کیا تھا آخر رسول اللہ نے اپنی طرف سے ادب کی قیمت بدو کو ادا کی اور کہا بائرا ادب کو لوگ کھا گئے ان ہی نعمان پر متعدد دفعہ شراب خواری کا الزام لگا، ثابت ہوا، حد لگی وحشی بھی صحابیوں ہی میں مشہور ہوتے ہی، محض میں رہتے تھے شراب خواری کے الزام میں ان پر بھی حد لگی رہے عمرو بن عاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سوان کے متعلق مجھے کہنے کی بھی ضرورت نہیں، جن ناکردنیوں کو تاریخ میں ان کی طرف منسوب کیا ہے ان سے کون ناواقف ہے اور نعمان ہی لوگوں کی حد تک محدود نہیں ہے چاہا جائے تو ابھی خاصی فہرست ان اسماء کی مرتب ہو سکتی ہے۔

ہوگی جو اس فہرست میں نظر نہ آتی ہو، مگر حیرت ہوتی ہے کہ ان ہی صحابیوں کی طرف جہاں تک میرے معلومات ہیں اس جرم کے انتساب کی جرأت کسی زمانہ میں نہیں کی گئی ہے کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس سے جو فعل بھی سرزد ہو جاتا تھا محض صحابی ہونے کی وجہ سے لوگ اس فعل کے انتساب سے نہیں جھجکتے تھے تو خدا نخواستہ کذب علی النبی کے جرم کا تجربہ ان ہی صحابیوں میں سے کسی صحابی سے اگر ہوتا، تو اس کے ذکر سے لوگوں کو کون سی چیز مانع آسکتی تھی اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان کہ

كنا را نهم بعضا لبعضا طبقات ابن سعد ہم لوگ (یعنی صحابہ) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے (یعنی قصداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج، مثلاً قسم دوم)

کی طرف غلط بات منسوب کر رہا ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ماتے پر آپس کے باہمی تجربات نے ان کو قطعی طور پر محو کر دیا تھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی حدیثوں کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس اعتراض کے سوا عموماً دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان ہی صحابیوں میں عام رواج تھا۔ لیکن احادیث و آثار کے اس عظیم ذخیرے کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی

نہ حدیث کے معمولی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ صدیقِ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صحابیوں کی بیان کی ہوئی کتنی حدیثوں پر تنقید فرمائی ان المیت یعذب بیکاد اھلہ علیہ (مرد سپرد روتے والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے) یہ حدیث جو یاسماع مونی والی روایت جو با قطع مملوۃ کے سلسلہ میں یہ روایت کہ عورت کے سامنے آجلنے سے بھی نماز مستطیع ہو جاتی ہے یا خوست نہیں ہے لیکن مکان گھوڑے عورت میں وغیرہ۔ روایتوں پر حدیث کی کتابوں میں صدیقِ عالم کی تنقیدیں اس وقت نقل کی جاتی ہیں، الوضوء مما مسمت الناس (یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھلنے سے وضوء کرنا چاہئے)، ابوہریرہ کی اس حدیث پر ابن عباس ان کے شاگرد کی تنقید کہ کیا گرم پانی سے قبل بھی وضوء کروں اور تو یہ چند سرسری مثالیں ہیں، چاہا جائے تو صحابہ کرام کی تنقیدوں کا ایک کافی ذخیرہ جمع کیا جاسکتا ہے جو دوسرے صحابیوں کی روایتوں پر ان کی طرف سے کی گئی ہیں ۱۲

جس کی بنیاد پر یہ سمجھا جائے کہ صحابی نے دوسرے صحابی پر کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام کبھی لگایا تھا؟ وہی حدیث یعنی گھردالوں کے روئے کی وجہ سے موتی پر عذاب ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حضرت عمرؓ اور حضرت کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس روایت کو بیان کیا کرتے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب سنا تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، لیکن کن الفاظ میں، مسند احمد میں ہے صدیقہ نے فرمایا

رحم اللہ عمر بن عمرؓ فواللہ ما رحم کرے اللہ عمر اور ابن عمرؓ پس قسم ہے خدا کی نہ تو ہما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزینین یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے اور نہ بڑھاکر بات بنانے والے۔
مسند احمد ج ۲

اور عمر و ابن عمرؓ تو خیر بڑے لوگ ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بے چارے فاطمہ بنت قیسؓ کی طلاق والی روایت کا شاید کہیں پہلے بھی ذکر آیا ہے، مسلمانوں کا خلیفہ اور وہ بھی کون خلیفہ؟ عمر فاروق! فاطمہ بنت قیسؓ کی اس روایت کو سمجھتے ہیں کہ قرآن کے بھی خلاف ہے اور سنت سے بھی اس کی تڑپ ہوتی ہے، لیکن بایں ہمہ زیادہ سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہ اور ان کی اس روایت کے متعلق کچھ کہہ سکے تو یہی کہہ سکے کہ

لا تترك كتاب الله وسنة نبيه اللہ کی کتاب در اللہ کے نبی کی سنت کو کسی ایسی عورت صلی اللہ علیہ وسلم بقول امرؤۃ کے بیان سے ہم نہیں چھوڑیں گے جس کے متعلق لاندہری حفظت اور نسیت (معا) ہم نہیں جانتے کہ اسے یاد رہا یا بھول گئی

جس کا حاصل یہی ہوا کہ بھول چوک، اور نسیان سے زیادہ اور کسی چیز کے انتساب کی یعنی عدا غلط بیانی کے انتساب کی بہت حضرت عمرؓ میں بھی فاطمہ صبی عورت کے متعلق پیدا نہ ہو سکی۔ خلاصہ یہ ہے کہ بحث و تنقید کی آزادی کا حال تو یہ تھا کہ صحابہ صحابہ ہی پر نہیں یا ان کے چھوٹے بڑوں ہی پر نہیں بے جھجک جہاں موقوف ہوتا، اعتراض کرنے سے نہیں جو کہتے تھے، بلکہ صحابیت کے شرف سے جو محروم تھے، دیکھا جا رہا تھا کہ بے محابہ وہ بھی صحابہ کو لوگ رہے ہیں، جہاں

مزدورت ہوتی ہے روک رہے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی کو اس کا دوسو سہی نہیں ہوتا تھا کہ انصاف اللہ پیغمبر کو خدا کا سچا پیغمبر مانتے ہوئے ان کی طرف کسی غلط بات کے منسوب کرنے کی کوئی جرات کر سکتا ہے، یہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اپنے ایک پرانے قدیم شاگرد ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف جو صحابی نہ تھے ان کے سامنے وہ حدیث آپ نے روایت کی کہ جزام کا مرض جسے ہو گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس سے اس طرح بھاگنا چاہیے جیسے آدمی شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ سننے کے ساتھ میں نے ابوہریرہ سے کہا کہ آپ ہی نے تو یہ روایت بیان کی تھی کہ عدویٰ کو کوئی چیز نہیں ہے یعنی بیماریوں کے متعلق جھوٹ اور تعدی کا خیال صحیح نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ اس کے خلاف ایسی روایت بیان کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریوں میں تعدی اور جھوٹ کے قانون کو دخل ہے اعتراض سخت تھا دونوں دونوں میں کھلا ہوا تضاد محسوس ہو رہا تھا، اس تضاد کو ابو سلمہ ظاہر بھی کرتے ہیں ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں حضرت ابوہریرہ نے جو کچھ کہا وہ بھی ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں نہ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میرے اعتراض کے جواب میں فرطن بالمجلسیۃ یعنی ابوہریرہ ہمیشہ زبان میں کچھ بولنے لگے، ابھی دم ہوئی جو ان کی مجلس میں حضرت ابوہریرہ کا جواب نہ آیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عدویٰ جس کی نفی کی گئی ہے اس سے ملو تعدی یا جھوٹ کا طبعی قانون نہیں ہے جو تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہے بلکہ دینی اقوام جیسے ہندوستان وغیرہ میں بعض امراض کو خبیث روحوں کی طرف منسوب کرنے کا یہم پایا جاتا ہے مثلاً سیٹلا دیوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ جب کسی سے خفا ہوتی ہے تو اسے چمک میں مبتلا کر دیتی ہے، ہندوستان کے مختلف مقامات میں سیٹلا دیوی کے ضد پائے جاتے ہیں کچھ اسی قسم کا خیال ایام جاہلیت میں عربوں کا بعض امراض کے متعلق تھا عدویٰ سے ان ہی بعض امراض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو عدویٰ کو بھی اسی ذیل کی چیز خیال کرنا مستبعد نہیں ہے بعض حدیث کتابوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جذام کے جراثیم کی شکل بالکل شیر جیسی ہوتی ہے منہ کے کسی ڈاکٹر نے پیغمبر کی اس حدیث کو سن کر تعجب کیا کہ یہ حدیث میں مضمون ہوا کہ جذامی جراثیم کی اس شکل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے باقی ابوہریرہ نے جواب میں ہمیشہ زبان کو بند استعمال کی بنا پر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے مزاج میں کچھ ظرافت تھی اسی موقع پر نہیں بلکہ دوسرے مواقع پر بھی ابوہریرہ کو یہ باتیں کہ فارسی میں جواب دے رہے ہیں فارسی اور ہمیشہ زبانیں منوم ہوتا ہے کہ وہ جلتے تھے جب جی چاہتا استعمال فرماتے انشاء اللہ ان کی سوانح عمری میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی ان سیرۃ اللہ فی

کے حضرت ابوہریرہ کے متعلق ابوسلمہ اپنے اند جس تجرباتی تاثر کو پاتے تھے، اس کا انہماک ان الفاظ میں انہوں نے کیا تھا آج بھی حدیث کی عام کتابوں میں ان کا یہ فقرہ موجود ہے، یعنی ابوسلمہ کہتے تھے کہ

فما لم آتہ لسی حدیثاً غیرہ

پس میں نے نہیں پایا کہ اس حدیث کے سوا کسی اور

در جمع الفتاویٰ بحوالہ ابوداؤد وغیرہ) حدیث کو وہ بھولے ہوں۔

ابوسلمہ جو حضرت ابوہریرہ کے حلقہ کے پرانے شاگرد ہیں ہزار ہا حدیثیں ان سے ابوسلمہ نے اس عرصہ میں سنی ہوں گی لیکن اس طویل محبت اور تجربہ کے بعد یہ کہنا کہ سب سے زیادہ اس روایت کے ان کو میں نے بھولے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، حضرت ابوہریرہ کے متعلق ایک دوزنی شہادت ہے ”بہر حال اس ایک موقع پر بھی خیال ابوسلمہ میں کسی چیز کا اگر پیدا ہوا بھی تو وہ صرف نسیان کا تھا حالات ہی ایسے تھے کہ اس کے سوا کسی دوسرے خیال کے پیدا ہونے کا امکان ہی کیا تھا اختلیب نے یہ لکھنے کے بعد یعنی

علیٰ اند لو لم یرد من اللہ عز وجل	صحابہ کے متعلق اللہ (قرآن) میں اور رسول اللہ صلی اللہ
در سولہ فہم شئی مما ذکرنا الا حجت	علیہ وسلم کے بیان میں وہ تو تعریفی الفاظ اگر بھی پاتے
الحال الشئی کانوا علیہا من الفحیج	جاتے جن کام میں نے ذکر کیا جب بھی جو حال تھا اس کا
والجہاد والنصر و بدل المجہ والاموال	بھی یہی اقتضا ہے کہ رسول اللہ کی طرف غلط بات
وقتل الایاء والاولاد والمناصحہ	نہیں منسوب کر سکتے تھے، یعنی ہجرت، جہاد اور پیغمبر
فی الدین وقوة الاصلان والیقین	کی نصرت، اپنی جانوں کی اور مالوں کی قربانی اپنے
۴۹	میں باپ بچے اولاد کو اس راہ میں شاکر کرنا اور دین

کی یہی خواہشیں، ان کا ایمان ان کا یقین ان ساری باتوں کو سوچ کر یہی کہا جاسکتا ہے،

اس نتیجہ پر جو پہنچے ہیں کہ دین کے ان ہی سربراہوں اور جاں فروش معارفوں کے متعلق یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ جو باتیں دین نہ تھیں یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمائی ہوئی نہ تھیں، قصداً اور لواطاً ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کر کے اس دین کو خدا اپنے ہاتھوں انہوں نے ملایا

کہ کے رکھ دیا، جس کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا اپنے اور اپنے بال بچوں کے خون سے جس دیوار کی انھوں نے تعمیر کی تھی سمجھیں اسے کی بات ہے کہ خواہ مخواہ بلا جبراسی دیوار کو منہدم کر کے رکھ دینے کی آخر درجہ ہی کیا ہو سکتی تھی لیکن جب صحابیت ہی کی قوت کو چاہا گیا کہ اسلامی تاریخ میں اس کے وجود کو صفر کر دیا جائے۔ صفر ہی نہیں بلکہ برباد کرنے کی کوشش ہونے لگی کہ اسلام کی صف میں اول سے آخر تک یہی قوت مسلسل کام کرتی رہی یہ دعویٰ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا اتنا غیر معقول اور عجیب و غریب کہ دنوں میں اس کا عام حالات میں اتارنا آسان نہ تھا آخر فوجی نوآبادیوں کے وہ عرب سپاہی جن میں کام کرنے والے کام کر رہے تھے، جیسے کچھ بھی تھے اور جو کچھ بھی تھے لیکن جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے وہ مسلمان تھے، عام انسانی احساسات اور حق و باطل کی تمیز کی عام فطری قوت سے وہ محروم نہ تھے۔ چارہ کہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ راہ کی ہر وہ منزل جس میں دسب کاریوں کی ہر دوسری تدبیر بے اثر ہو کر رہ جاتی تھی اسی منزل کو ان جھوٹی حدیثوں سے وہ بھر دیتے تھے جن میں عین وقت پر گھڑ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگوں کی طرف وہ منسوب کر دیا کرتے تھے جن کو مہم کی عام جماعت سے مستثنیٰ کر کے کہتے تھے کہ ان ہی گئے چنے چند صحابیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلصانہ تعلق تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے یہ دونوں انقلابی حوادث یعنی صحابیت کے خلاف جو طوفان اٹھایا گیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثوں کا جو دھواں اسلامی دنیا میں پھیلایا گیا، اگرچہ یہ ظاہر دیکھنے میں یہ دونوں حادثے الگ الگ حادثے نظر آتے ہیں، مطالعہ کرنے والے بھی ان دونوں حوادث کا مطالعہ اس طریقے سے کرتے چلے آئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے گویا کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اور کچھ نہیں صرف یہی بات کہ ان دونوں انقلابی حوادث کی ابتداء کی تاریخ درج کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے اسان المیزان میں لکھا تھا کہ دونوں کی ابتداء ایک ہی سرچشمہ سے ہوئی تھی میرے نزدیک دونوں حوادث کے باہمی تعلق کے سمجھنے کے لئے یہی داغہ کافی تھا۔

لسان المیزان اٹھا کر دیکھئے، عبداللہ بن سبا کا ذکر کرتے ہوئے حافظ نے جہاں یہ لکھا ہے کہ صحابیت کے خلاف وہ طوفانِ عام جس میں ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شریک کر لیا گیا تھا بلکہ بنیاد ہی اس پر رکھی گئی تھی کہ ان ہی دونوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے منشاء کے خلاف کامد بارشروع کیا اور صحابہ کی عمومیت نے ان کا ساتھ دیا تو یا بنیادی الزام ان ہی دونوں پر لگایا گیا تھا اس واقعہ کے ذکر کے بعد تصریح کی ہے کہ

کان عبد اللہ بن سبا اول من عبد اللہ بن سبا ہی پہلا آدمی ہے جس نے اس خیال کو ظاہر ذلک میں کیا۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ صحابیت کے خلاف جس نے سب سے پہلے مخالفانہ باتیں شروع کیں وہ بھی یہی عبداللہ بن سبا تھا اور اسی کے ساتھ حافظ ہی نے عام شہابی کے حوالہ سے ان کا دعویٰ نقل کیا ہے کہ

اول من کذب عبد اللہ بن سبا اور سب سے پہلے جو جھوٹ بولا (یعنی جھوٹی حدیث بنائی) وہ عبداللہ بن سبا ہی تھا۔

دونوں انقلابی حادثوں کی اولیت کا اسی ایک شخص میں جمع ہونا یقیناً کوئی اتفاقی واقعہ نہ بلکہ ایک کی تکمیل کے لئے دوسرے کا وجود ناگزیر تھا۔

اس میں شک نہیں کہ خلافتِ عثمانی سے پہلے ہی مخالفانہ قوتیں جو عرب کے مختلف گوشوں میں پوشیدہ تھیں موقع پا کر سر نکالتی رہتی تھیں عہدِ صدیقی کا واقعہ ردہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان مخالفانہ مخفی قوتوں سے بے تعلق تھا اور گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی دست کی وجہ سے بادیہ عرب کے ان سپاہیوں کو کسی ایک جگہ سمٹ کر بیٹھنے کا موقع نہ ملتا تھا ان کو دنیا کے اس طول و عرض میں پھیلا دیا گیا جس کا دامن ایک طرف مغربی افریقہ کے حدود سے اور دوسری طرف مشرق میں چینی ترکستان سے ملا ہوا تھا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ کسی دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ کرنے کی گنجائش ہی کب پیدا ہوتی تھی ان کی حالت جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے یہ تھی کہ

لا یكون هم احد هم الا نفسه ما ان کے سامنے اپنی جان اور جس ما فور پر سوار ہوئے
 ہونید من دبرۃ ایتہ او قتل تھے اس کے کپڑے اور پوسٹین کے جوں کے سوا اور
 فرجہ ۲۵۹ ہری کسی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ تھا۔

لیکن باایں ہمہ صبیغ ہی کے جس واقعہ کا آپ ذکر سن چکے ہیں جو اخبار المسلمین و مسلمانوں کی فوجی
 چھانڈنیوں میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات قرآنی آیتوں کے متعلق پھیلنا پھرتا تھا اور یہ ظاہر اس
 کی تحریک گرم بالکلیہ ایک ذہنی اور فکری تحریک معلوم ہوتی تھی لیکن العسکری کے حوالہ سے نظاہر بحر
 نے نقل کیا ہے کہ

اھتمہ عمر برای الخوارج ۱ حضرت عمر کا خیال تھا کہ وہ اپنی صبیغ خوارج کی علت
 سے غفلت رکھتا ہے۔

۲۵۹ ص ۳۱۰
 ”الخوارج“ کے لفظ سے جہاں مراد یقیناً اس کے وہ اصطلاحی معنی نہیں ہیں جو خاص قسم کے
 عقاید و اعمال رکھنے والے ایک مستقل اسلامی فرقہ کی تفسیر ہے کیونکہ خارجیوں کا یہ فرقہ تو حضرت علیؓ
 وجہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوا، بلکہ ”الخوارج“ سے مقصود اس کے عام معنی میں، یعنی حکومت
 قائمہ کے خلاف باغیانہ خیال و عمل رکھنے والے لوگ، جس کا مطلب یہی ہوا کہ صبیغ کی تحریک میں
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کی کوششوں کی جھلک نظر آتی تھی جو اسلام اور دولت اسلامی
 کے خلاف اٹھانا چاہتے تھے، مگر جیسا کہ آپ نے دیکھا عہد فاروقی کے حکام اتنے بیدار تھے کہ
 صبیغ کو فوراً پایہ تخت خلافت روانہ کر دیا گیا، حالات کا اندازہ کر کے جس حد تک خود حضرت عمر اس کی
 اصلاح کر سکتے تھے حالات کو دیکھتے، وہ مناسب بھی ہو چکا تھا، لیکن باوجود اس کے زمانہ تک صبیغ
 جہاں صبیغ نے قیام اختیار کیا تھا وہاں کے والی مادہ حاکم حضرت ابو موسیٰ اشعری پر شدید تاکید حضرت
 عمر کی طرف سے تھی کہ صبیغ پر کوئی نگرانی رکھی جائے حکم تھا کہ اس کے ارد گرد لوگ جمع ہونے نہ
 پائیں حکم کی نسیں جس طریقہ سے اس زمانے میں کی جاتی تھی، اس کا اندازہ ابو عثمان الہندی کے اس
 بیان سے ہوتا ہے جو اسی صبیغ کے متعلق ان کی طرف منسوب ہے، یعنی کہتے تھے۔

کتب الدینا عدنان لا تحبالسوء قال عمرے لکھو بھیا تھا کہ صبح کے ساتھ کوئی نشست
فلو حیا عن نحن مائة لتقر قنا ۲۵۰ بر فاست نہ کرے اس حکم کا نتیجہ ہوا کہ جب صبح
ہم لوگوں کی طرف آئے اور ستر آدمیوں کی ٹولی بھی سمیٹی
ہوئی تو ہم بکھر جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان معاملات میں کتنے محتاط بیدار اور چوکے رہتے تھے، ذرا ان
کے اس طرز عمل کو ملاحظہ کیجئے جس کا ذکر ابن سعد نے احف بن قیس کے تذکرہ میں کیا ہے یعنی مسلمان
ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس جب احف آئے تو ان کی تقریری اور ذکری صلاحیتوں کو دیکھ کر لکھا ہے
کہ حضرت عمرؓ نے ان کو کامل ایک سال تک اپنے پاس روکے رکھا، جب سال پورا ہو گیا، تب پھر ہونسی
اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بصرہ اس زمان کے ساتھ روانہ کر دیا کہ ”اس شخص کو اپنے پاس
رکھنا اور ہمت میں اس سے مشورہ لیتے رہنا جو مشورہ دے اس پر عمل کرنا“ کہنے کی بات یہ ہے
کہ جب احف روانہ ہونے لگے تب حضرت عمرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا

”تم جانتے ہو، کامل سال بزرگ اپنے پاس تم کو میں نے کیوں روک رکھا تھا میں تم کو جاننا چاہتا
تھا، اور خوب جانتا۔ پر کھاب میں اپنے اس احساس کا اعلان کرتا ہوں کہ بجز بھلائی کے تم میں اور کوئی
پہلو مجھے نظر نہ آیا ظاہر تھا راجا ہاں تک تجربہ ہوا مجھے بہت اچھا معلوم ہوا، اور میں امید کرتا ہوں کہ تمہارا
باطن بھی ناہر ہی کی طرح بہتر ہو گا۔ ابن سعد ۲۶۰ قسم دوم

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخر زمانہ میں پہلی بات تو یہی نظر آتی ہے کہ

نہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک روایت بھی بیان کی کہ آپ ان لوگوں سے
ڈرایا کرتے تھے جو صاحبِ علم و فکر ہوں لیکن دین سے ان کا قلب بے تعلق ہو رہے تھے کہ تھا کہ ہم لوگ آپس میں گفتگو
کیا کرتے تھے کہ اس امت کی ہلاکت اسی قسم کے لوگوں سے ہوگی جو عظیم دماغی ہوں گے مگر تعلیم یافتہ بے دینوں
کے ہاتھ سے مسلمانوں کی بربادی مقدر ہے اصل الفاظ حضرت عمرؓ کے یہ ہیں کہ کنا تخلص ائمانا بھلاک هذا
الامة کل منافق علیہم ۲۶۰ قسم دا

اچانک جہادی مہموں کی سرگرمیوں پر ایک قسم کا جمود طاری ہو گیا۔ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۳۷ھ تک یعنی جس سال حضرت دلا کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس سے دو سال پہلے کی روئے کار پڑھئے ان میں آپ کو کافی جی ہمہ پادشمنوں سے مسلمانوں کی آدیش کا کوئی تذکرہ نہ ملے گا خود اس سے بھی یہی سمجھیں آتا ہے علاوہ اس کے جب ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے فتنوں کی خبریں آنے لگیں اور حضرت عثمان غنیؓ کے عسکریوں کے دلیوں کو جمع کر کے مشورہ فرمایا تو مشورہ دینے والوں سے بعضوں نے عرض کی کہ تشخص کرتے ہوئے اپنی طرف سے علاج کی تدبیر یہی پیش کی گئی۔

اسی لک یا امیر المؤمنین امیر المومنین میرا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کو جہاد میں تشغیلہم بالجمہاد غلظ کامل میہ مستعمل کر کے اپنی طرف سے ہٹا دیجئے، اور حضرت عثمان نے ان کی اس تجویز کے مطابق حکم بھی دیا کہ کیا کر لکھا ہے کہ ۲۰ ہر ہم تیجہیز الناس فی المعبوث حکم دیا کہ لوگ نبی مہموں میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔ (")

لیکن ثابت ہوا کہ یہ علاج بعد از وقت ہے بنائے والے نوجویوں کے بے کار اور خالی دماغوں میں فتنوں کے جن گھوسلوں کو بننا چاہئے تھے بنا چکے تھے اس پر بھی جس قسم کی کامیابی ان کو ہوئی نہ تھی۔ نہ ہوتی اگر عہد فاروقی کے بیدار منتر حکام کی جگہ اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ بندی جاتی جس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہوتا ہے کہ یہی عبداللہ بن سبا جب شروع شروع اسلامی جھوٹوں میں داخل ہوا، اور بصرہ میں پہلی دفعہ اس نے سر نکالا، حالانکہ جس قسم کے لوگوں میں وہ ٹھہرا تھا حکومت کی نگاہوں میں وہ خود مشتبہ تھے اس وقت بصرہ کے حاکم ایک قریشی نوجوان عبداللہ بن عامر تھے۔ مولا نے ابن سبا کے مشکوک طرز عمل کی خبریں ان تک پہنچائیں بھی لیکن انھوں نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اس کو بلوایا پوچھا کہ بھائی تم کہاں سے آئے ہو کوئی جواب میں ابن سبا نے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں پہلے یہودی تھا انصاف مذہب اسلام کو میں نے قبول کر لیا ہے اور آپ کی پناہ میں یہاں آیا ہوں، ابن عامر نے یہ سن کر کہا کہ

”جس قسم کی خبریں تمہارے متعلق مجھے مل رہی ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ“ (باقی آئندہ)

مختار بن ابی عبید الشقی

(ڈاکٹر خورشید احمد فاروق ایم۔ اے۔ پی، ایچ، ڈی)

(ب) تنظیم حکومت: کو ذبح قبضہ کرنے کے بعد مختار نے استثنائی رواداری اور حسن سلوک سے حکومت شروع کی کموائی اور غلاموں کا وہ بڑا محسن تھا، شہر کے معزز لوگوں، قبائلی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں و قرار و مفتی کے ساتھ جن میں سے اکثر اس کے خلاف حکومت کی وفاداری میں آئے تھے اس نے نہایت اچھا برتاؤ کیا اور ان کی تالیفِ قلب کی برابر کوشش کرتا رہا اگرچہ عربوں اور خاص طور پر کوذ کے شوریدہ سرچاہہ پسند عربوں کو مطمئن رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

کوذ کے خزانہ میں اس کو نوٹے لاکھ درہم یعنی تقریباً پچاس لاکھ روپے ملے اس روپے کا ایک حصہ اس نے اپنے ان معاونین پر صرف کیا جن کی مدد سے اس کو فتح حاصل ہوئی تھی گو زر کے محاصرہ سے پہلے ارمیس سو آدمی اس کے ساتھ تھے جن میں سے ہر ایک کو اس نے بلا امتیاز پانچ پانچ سو درہم عطا کئے (کیونکہ وہ سابقین اولین تھے) اور ان چھ ہزار کو جو محاصرہ کے دوران میں اس کے پرچم کے نیچے آگئے تھے دو دو سو درہم دے گئے۔

اس رقم کا ایک گراں قدر عطیہ اس نے ابن الحنفیہ (متوفی ۸۸ھ) علی بن حسین، ابن عباس (متوفی ۶۹ھ) اور عبد اللہ بن محمد (متوفی ۶۸ھ) کو بھیجا بلکہ قبول مصنف النساب الاشراف اس کے تھے برابر ابن عمر (دہنوی)، ابن عباس اور ابن الحنفیہ کے پاس ان حضرات کی خوشنودی و اخلاقی و حاصل کرنے کے لئے جاتے رہتے تھے۔

اس دولت کے ایک حصے سے اس نے اپنی رہائش کے لئے غالباً قلعہ میں ایک مکان چھڑایا

لہ طبری ۵۹/۱ لہ النساب الاشراف ۲۷۰/۵

جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے کوذ میں قاعنی کے منصب پر رہے تھے حضرت علیؓ نے ان کو کچھ زمانہ کے لئے معطل کر دیا تھا، قاضی شہر مقرر کئے گئے۔ شیعوں نے شریح کے خلاف عثمانی مہوئے کا پروپیگنڈہ کیا وہ مستغنی ہو گئے ان کا عہدہ مختار نے ابن مسعود (کوذ کے فقہی مددسہ کے بانی) کے پوتے عتبہ کے سپرد کیا۔

یہ جڑی حیرت کی بات ہے کہ مختار نے قوت حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے اہل بیت کے قاتلوں یا ان کے قتل میں شرکت کرنے والوں کو سزا نہیں دی حالانکہ اس کے امین سیاسی کی سب سے اہم دھوبی تھی، جو قبائلی سردار بن زیاد کے حکم سے حضرت حسین کے ساتھ لڑنے پر مامور کئے گئے تھے وہ شہر میں موجود تھے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت حسین پر تیر چلائے یا ان کا سر کاٹا یا ان کے قریبی اعزاء پر حملے کئے تھے مختار نے کسی سے تعزیر نہ کیا بلکہ جیسا کہ مورخوں کی تصریح سے پتہ چلتا ہے سب کے ساتھ وہ رواداری سے پیش آیا شاید وہ اپنی حکومت استوار کرنے کے بعد یہ سنگین قدم اٹھانا چاہتا ہو۔ اپنے سیاسی امین اور دعووں کی اس صریح تنقیض کو وہ غیب دانی کے پردوں میں شیعوں سے چھپا لیتا ہو گا تقریباً ایک سال تک وہ قاتلین حسین کو ڈھیل دیتا رہا پھر جب کوذ کے غمخیز قبائلی عناصر نے دسویں ماہ اس سے بغاوت کی اور اس میں ناکام ہوئے تو مختار ان لوگوں پر کوارسوٹ لی اور جنگ حسین یا قتل حسین میں شرکت کرنے والا جو جو ہاتھ آیا اس کا سر اڑا دیا اس بغاوت کے سبب و نتائج بیان کرنے سے پہلے ایک نہایت بصیرت افروز واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

ایک دن مختار کے محافظ گارڈ کا کمانڈر کلبیان حسب دستور اس کے قریب ڈیوٹی پر تھا اور مختار کوذ کے قبائلی سرداروں کے ساتھ نہایت گرمجوشی سے باتیں کر رہا تھا اور ان کی گفتگو نہایت توجہ سے سن رہا تھا اس کے قریب جو غیر عرب مقتدر لوگ تھے ان کی طرف وہ غیر ملفت تھا یہ بات موافق سرداروں کو شاق گذری اور انھوں نے شکایت کے طور پر کلبیان سے کہا: ”دیکھئے ہوا ہوا اسحاق د مختار کی گتیم“ عربوں سے کس طرح ملفت ہے اور ہماری طرف دیکھتا ہے؟ نہیں۔ مختار تاڑ گیا۔ بعد

میں اس نے کیسیان کو بلا کر پوچھا کہ یہ لوگ تم سے کیا کہہ رہے تھے کیسیان نے کہا وہ ان کی بجائے عربوں سے آپ کے انتقام کی شکایت کر رہے تھے؛ مختار فوراً سمجھلا، اور کیسیان سے بولا: "تم ان سے کہہ دینا کہ بیدہ خاطر نہ ہوں، ہم اور تم ایک ہیں اس کے بعد دیر تک خاموش رہا پھر قرآن کی وہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے: "ہم مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے یہ پیغام یا کر موالی سردار باغ باغ ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے خوش ہو جاؤ اب اسحاق کے ہاتھوں تم نے ان کو (عربوں کو) تباہ کر دیا"۔

مختار کی یہ دعوہ کہ ہم مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے غالباً حضرت حسین کے فاطمین کے بارے میں بھی جن میں متعدد کو ذکے قبائلی سردار تھے اور ایک تو سعد بن ابی وقاص کے لڑکے تھے جن کی نگرانی میں کرنا کی جنگ ہوئی تھی۔

مختار کا غیر عربوں کے ساتھ حسن سلوک کو ذکے عربوں کو سخت ناگوار گذرنے لگا موالی مختار کے سنوں ہوتے تھے ان کی ایک بڑی فوج اس نے تیار کر لی تھی جن پر موالی افسر مقرر تھے اور ان کو ملکی آمدنی سے تنخواہیں دی جاتی تھیں، اب تک ملکی آمدنی ملکیت عربوں پر صرف ہوتی تھی چونکہ مقبوضہ ملک کے خارج صرف عرب تھے یہی ان کی آمدنی کے مستحق سمجھے جاتے تھے موالی جن کو زاد کر دیا گیا تھا یا غلام جو مولیک تھے اس آمدنی سے حصہ نہ پاتے تھے مختار نے غیر عربوں کو اپنے مقاصد اور خود عربوں کے مقابلہ میں آزاد کار بنانے کے لئے غلاموں اور موالی کو آمدنی اور غنیمت میں شریک کیا اس طرز عمل سے موالی کی ذلی ہمد دی از رو قادیسی اس نے خرید لی اور عربوں کے مقابلہ میں مسلون، بے وفا اور خود سر عربوں کے مقابلہ میں ایک طاقتور محاذ بنایا۔ یہ طرز عمل زخم بن کر عربوں کے دل میں بڑھنے اور پکڑنے لگا اور نو ماہ بعد ایک خوفناک بغاوت کی شکل میں نکلا۔

جنگ بین قریظہ ۳۲ھ

عبید اللہ بن زیاد جس کو مروان پہلا مروانی ظلیہ متوئی ۳۵ھ نے عراق و جزیرہ فتح کر کے بھیجا تھا ۳۶ھ میں تو اہل بن کے جانیازوں کو شکست دے کر ایک سال تک جزیرہ کے ایک دشمن کا محاصرہ کرتے رہا اور اس محاصرہ میں ناکام ہو کر ذی قعدہ ۳۷ھ میں عراق فتح کرنے کے ارادہ سے مروصل کی طرف بڑھا

جہاں مختار کا حال موجود تھا اور جس کو شکست دے کر وہ عراق کی سمت بڑھنے والا تھا مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً ماہ ذوالحجہ میں تین ہزار شہسواروں کی (اخبار الطوال ص ۳۳) میں ہزار (منتخبہ طبع) اپنے ایک بہائیت آزمودہ کار جنرل یزید بن انس کی قیادت میں روانہ کی اس فوج کی روانگی کے بعد باغی عنصر حرکت میں آنے لگے ابن زیاد نے اس فوج کو شکست فاش دی اور یزید بن انس سبالت بیماری میدان جنگ میں مر گیا بقیۃ السیف کو ذمہ بھاگ آئے۔

باغی عنصر نے جن میں خصوصیت کے ساتھ قیامی سردار تھے جنہوں نے قتل حسین میں بکثرت لہی اور گورز کے ساتھ مختار سے لڑے تھے، شکست سے فائدہ اٹھا کر شہر میں ہر اس انگریز خرب بسلا نا شروع کیں اور مختار پر یمن طعن کرنے لگے، یہ شخص بغیر ہماری رضامندی کے ہمارا حاکم بن بیٹھا، ہمارے موالی کو عزت دے کر ان کو گھوڑوں پر چڑھا دیا ہے ان کو تنخواہیں دیتا ہے، اور ہمارا مال غنیمت ان کو کھلاتا ہے ہمارے غلام نافرمان ہو گئے ہیں (مختار کے حسن سلوک و مساواتی برتاؤ سے) اس طرح اس نے ہمارے یمنیوں اور میزائل کو نقصان پہنچا ہے، پھر سب نے مل کر ایک قیامی سردار شعیث نامی کے گھر کا نفرنس کی اور اپنی ساری شکایتیں اس سے بیان کیں شعیث ان کے نامیدہ کی حقیقت سے مختار سے ملا اور ان کی جو شکایت کرتا مختار اس کو دور کرنے کا وعدہ کر لیا اور کہتا میں ہر طرح ان کو مطمئن کر دوں گا پھر شعیث نے غلاموں کے بارے میں ان کی شکایت پیش کی اس نے کہا میں ان کو ڈاؤں گا پھر اس نے موالی کے بارے میں ان کی شکایت پیش کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے ہمارے بی ہم سے چھڑا لئے حالانکہ وہ خدا کا عنایت کیا ہوا مال غنیمت تھے ہم نے صرف اس لئے ان زاد کیا تھا کہ ہم کو ثواب ملے اور وہ ہمارے ممنون احسان ہیں آپ نے اس پر بس نہ کیا بلکہ ہماری لہی میں بھی ان کو شریک بنا دیا، مختار نے کہا اگر میں موالی کو تمہاری خدمت و اطاعت کے لئے لڑ دوں اور آمدنی صرف تم پر ہی صرف کر دوں تو کیا تم میرے ساتھ ہو کر تمہارا امیر اور ابن زبیر سے لڑ گے مختار کے نام پر اس بات کا عہد کر دو گے؟ نامیدہ نے کہا میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے

جواب دوں گا وہ چلا گیا اور پھر نہ تو قبا ئی سردار اس وعدہ کے لئے تیار نہ تھے ان کا مقصد فساد برپا کرنا تھا اخبار الطوال کے مصنف نے اشرف کو ذکی جوشکایات اور مختار کے جو جوابات بیان کئے ہیں وہ اس روایت سے کسی قدر مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ کافی بصیرت افزا ہیں یہ بیان کرتا ہے: مختار اٹھارہ ماہ تک مقتدر رہ کر اور حسین کے قاتلوں کا کھوج لگا کر قتل کرتا رہا، علاقہ سوادجل اصہبان، رقی، آذربائیجان اور جزیرہ کے حاصل اس کے پاس آتے تھے اس نے فارسیوں کو بڑا مرتبہ عطا کیا ان کے اور ان کے بچوں کے لئے ماہانہ اور وظیفہ مقرر کئے ان کو اپنا مشیر و مقرب بنایا اور عربوں کو دور رکھا اور ان کے حقوق پورے نہیں کئے اس وجہ سے وہ ناراض ہو گئے اور ان کے قبا ئی سردار ایک دفعہ کی صورت میں اس کے پاس آتے اور اس پر لعن طعن کیا: مختار کا جواب یہ تھا: "میں نے تمہاری قدر و منزلت کی تو تم مغرور و سرکش ہو گئے، میں نے تم کو گورنری و کلکٹری کے عہدے دئے تو تم نے خراج کم کر لیا، اس کے برخلاف یہ فارسی میرے زیادہ فرمانبردار، زیادہ وفادار اور میرے اشاروں پر چلنے والے ہیں کو ذکی قبا ئی سرداروں نے مختار سے یہ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

یزید بن النسر کی سرکردگی میں کبھی ہوئی فوج کو جب شکست ہوئی تو مختار نے ابن اشتر کو جس کی مدد سے اس نے کو ذکی قبضہ کیا تھا، ابن زیاد کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ مختار کے لڑنے پر انہیں موقع تھا ایک طرف پایہ تخت کے سارے غیر شیعہ سردار اس کی حکومت الٹنے کی تیاری کر رہے تھے دوسری طرف شام کا ہونک غنیم اس کے علاقوں کو پامال کرتا ہوا بڑھا چلا آیا تھا ابن اشتر کو بلا کر مختار نے یہ الہامی الفاظ کہے: "اس ہم کے لئے یا میں موزوں ہوں یا تم میرا خیال ہے تم ہی جاؤ خدا کی قسم تم فاسق عبد اللہ بن زیاد کو قتل کر دو گے اور تمہاری مدد سے اللہ اس کے لشکر کو شکست دے گا اس بات کی خبر فخر کو ان لوگوں سے ہوئی ہے جنہوں نے آسمانی کتاب میں پڑھی ہیں اور جن کی دعا طلب جنگ کی بصیرت ہے مختار نے میں ہزار سپاہی دبقول طبری سات ہزار منتخب کئے جن میں اکثر فارسی تھے اور جو کو ذکی آباد ہو گئے تھے اور جن کو ہجرا و دگورے رنگ والے، کہتے تھے۔"

۱۔ اخبار الطوال ص ۱۲۱ ۲۔ اخبار الطوال ص ۱۲۱

جب ابن اُشر کو ذہ سے روانگی کی تیاری کر رہا تھا تو قبائلی سرداروں نے مختار پر حملہ کرنے کی ٹھان لی اور ایک کانفرنس کی جس میں مذکورہ شکایتوں کے علاوہ اس کی اس حرکت پر اظہارِ ناراضگی کیا کہ وہ ابن حنفیہ کے مامور ہونے کا مدعی ہے حالانکہ ابن الحنفیہ نے اس کو نہیں بھیجا نیز یہ کہ وہ اور اس جیسی سبائی ذہنیت والے ان کے سلفِ صالحین سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک قبائلی سردار نے جو عربوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا مختار سے بغاوت کی مخالفت میں یہ پُر زور دلائل پیش کیں: ”مجھے ڈر ہے کہ تمہارے درمیان اتحاد قائم نہ رہ سکے گا تم کسی ایک راستے پر عمل نہ کر سکو گے اور ایک دوسرے کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے، سچہ اختار کے ساتھ تمہارے بھائی بھائی بند میں ان کے علاوہ اس کے ساتھ تمہارے غلام اور مولیٰ بھی ہیں اور یہ لوگ متحد الحیال ہیں تمہارے غلام اور مولیٰ تمہارے دشمن کے مقابلہ میں تم سے بد جہاں زیادہ نفرت کرتے ہیں اور تم سے عربوں کی بیاد دی اور فارسوں کی دشمنی سے لڑیں گے؛ اگر کچھ دن تم نے اور مختار کو ڈھیل دے دی تو اہل شام یا اہل مصر خود آکر تمہارا مقصد پورا کر دیں گے؛ (یعنی مختار کو تباہ کر دیں گے) یہ عاصب راستے ان کو پسند نہ آئی طے ہو کہ ابن اُشر کے نکلنے ہی بغاوت کر دی جائے۔

ابن اُشر کے کو ذہ سے نکلنے ہی حضرت حسین کے قاتلین اور ہواۓ سے عقیدت رکھنے والے قبائلی سرداروں کی قیادت میں آبادی کے بڑے حصہ نے بغاوت کر دی مختار کی طرف سے مصالحت کی ہر کوشش ناکام ہوئی اس نے فوراً ڈاک کے گھوڑوں پر ابن اُشر کو واپس بلانے کے لئے قاصد بھیجے جنہوں نے اس کو مدائن کے قریب جالیا ابن اُشر شنب دروزہ ہمارے مارا بغاوت کے قسیرے دن کو ذہ پہنچ گیا شہر کے اندر دو مورچوں پر باغیوں سے جنگ ہوئی جن میں سے بڑے کا نام حَبَابَةُ السَّبْع تھا باغیوں کو شکست ہوئی یا تحسین کے قریب مارے گئے دو سو قید ہوئے ان کی محبت منتشر ہو گئی بہت سے قبائلی سردار بھاگ کر ابن زبیر کے بھائی مصعب کے پاس جو حالیین کا گورنر ہو کر آیا تھا پناہ لی بہت سے شہر میں یا شہر کے باہر چھپ گئے یہ جنگ اپنی جائے وقوع جَابَةُ السَّبْع

کے نام سے مشہور ہے اور فتح کے کو ذریعہ قلعہ بنائے ہوئے کے دسویں ماہ ہجری ذی الحجہ ۶۲۷ء اس جنگ میں تبصریح مصنف اخبار الطوال ۳۲۰ جالس ہزار ہوالی اور غلاموں نے اہل کوفہ سے مقابلہ کیا قاتلین حسین کی سرکوبی | اس جنگ سے فارغ ہونے ہی فتح نے ابن اشتر کو شامی دشمن کی ہم پر بھیجا، ۲۱ یا ۲۲ ذی الحجہ ۶۲۷ء اور دوسری طرف باغیوں اور قاتلین حسین کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوا۔ اب اس وعدہ کے ایفاء کا وقت آگیا تھا جو اس نے کسبان کی معرفت غیر عرب سرداروں سے کیا تھا: اب اس ڈیل اور حسن سلوک کے رد عمل کا بہترین موقع تھا جن کے ذریعہ اقتدار پانے کے بعد فتح نے غیر شیعہ عناصر کی تالیف جاری تھی اور جس میں اس کو ناکامی ہوئی، یہ قاتلین حسین بھی تھے اور باغی بھی لیکن ان کو سزا پہلے جرم کی دی گئی تاکہ شیعوں کے دل ٹھنڈے ہوں اور ان کے مطالبات انتقام جو فتح اب تک غیب دانی کے بہرہ وپ سے ملتوی کرتا رہا تھا پورے ہوں اس طرح ایک طرف تو اس نے حکومت تباہ کرنے والے باغی عناصر کو تباہ کیا دوسری طرف اپنے آئین سیاسی کی سب سے پہلی فسطح اور شیعوں کی انتقامی پیاس بجھائی۔

باجسبہ باغی مشکلیں باندھ کر ان ہمدانی رقبہ ہمدان سے مغلق، لوگوں کے گھروں سے نکلے گئے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سے صرف وہ گردن زدنی تھے جنہوں نے حضرت حسین کے قتل یا جنگ میں شرکت کی تھی اس موقع پر عربی و غیر عربی عصبيت کا خوب مظاہرہ ہوا ایک منزہ عربی جو فتح کے مقربین میں تھا قتل کا بیگناہ مقرر کیا گیا اس کے پاس جب کوئی قیدی ہوا جاتا تو اس کو چھوڑ دیتا اور غیر عرب کو قتل کر دیتا ایک غیر عربی مقرّب نے فتح سے اس امتیاز کی شکایت کی تو فتح نے سب قیدیوں کو اپنے سامنے حاضر کرایا اور حضرت حسین کی جنگ میں شریک ہونے والوں کو قتل کراسنے نگاہ اس طرح دوسو اڑتالیس آدمیوں کی گردن مار دی گئی ان میں بہت سے بے گناہ بھی مارے گئے اس موقع پر پرانی عداوتیں نکالی گئیں ان میں سے جس کسی سے کسی شیعہ کو کوئی شکایت تھی اس کو قتل حسین میں شرکت کرنے والوں کے ذمہ میں شامل کر کے مروا دیا جاتا۔ مذکور

قتل ہونے کے بعد مختار کو علم ہوا کہ پرانی عداوتیں نکالی جا رہی ہیں تو اس نے بقیہ کو بغاوت نہ کرنے کا عہد لے کر محاف کر دیا۔

حضرت حسین سے لڑنے والوں میں چار قبائلی بڈر سر غنے تھے عمر بن سعد ابی وقاص، محمد بن اشعث، قیس بن اشعث، اور شمر بن ذی جوشن، ان میں عمر بن سعد اور محمد بن اشعث ابن زیاد کی طرف سے ان فوجوں کے کمانڈر تھے جو حسین سے لڑنے بھیجی گئی تھیں۔ مختار کے کو ذہر قابض ہونے کے بعد یہ چاروں بھاگ گئے تھے اور جنگ سبیح کے موقع پر لوٹ کر انھوں نے باغیوں کے ساتھ مختار کا مقابلہ کیا تھا اس جنگ میں شکست کھا کر یہ چاروں دوسرے سرداروں کے ساتھ پھر بھاگے۔ مختار نے موالی کے متعدد تیز گام دستے ان کے تعاقب میں بھیجے، شمر راستہ میں مارا گیا۔ قیس بن اشعث اس شرم سے کہ بصرہ والے اس کی مصیبت سے خوش ہوں گے کو ذہر کا روپوش ہو گیا۔ مختار نے گرفتار کر کے اس کو قتل کر ڈالا۔ محمد بن اشعث اپنے ایک گاؤں میں جو کو ذہر کے قریب تھا چھپ گیا تھا۔ ایک رسالہ اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا مگر وہ بھاگ نکلا اور بصرہ میں پناہ لی۔ سعد بن ابی وقاص کے لڑکے عمر نے مختار کے ایک معرب کی پناہ لے لی اور اس نے مختار سے سفارش کر کے اس کو عہد نامہ دلوا دیا لیکن کچھ دن بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اس کو قتل کر دیا گیا یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے علاوہ مختار اور ابن الحنفیہ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالتا ہے اس لئے قابل ذکر ہے ابن حنفیہ سے ملاقات کر کے جب ایک مزدعری کو ذہر کا تو مختار نے ابن الحنفیہ سے اس کی ملاقات کا حل پوچھا، اس نے کہا وہ آپ سے کبیرہ خاطر تھے انھوں نے کہا تھا بڑے تعجب کی بات ہے مختار ہمارے خاندان کا انتقام لینے کا مدعی ہے حالانکہ تاملین حسین اس کے ہم نشین و دوست ہیں اور شہر میں تجارت کرتے ہیں۔ اس رپورٹ کا مختار پر گہرا اثر ہوا، اس کے سر پر خون سوار ہو گیا اور حضرت حسین کے قتل و جنگ میں شرکت کرنے والوں کا کھوج لگانے میں ہمدن معروف ہو گیا سب سے پہلے اس نے عمر بن سعد بن ابی وقاص اور اس کے لڑکے کا خاتمہ کیا۔ اس نے اپنے محافظ گارڈ کے

طبری ۱۱/۱۲۱، انساب ۲۲۲/۵، اخبار الطوال ۲۲۵، انساب ۲۲۴/۵، انساب ۲۲۴/۵، طبری، ص ۵۴

کما تدرکیسان کو حکم دیا کہ چپکے سے عمر کے گھر جا کر اس کا سر کاٹ لے ایسا ہی کیا گیا اس وقت عمر کلہاڑا
 مختار کے حضور میں تھا، جب عمر کا سر آیا تو مختار نے اس سے پوچھا سر کس کا ہے؟ وہ پہچان گیا اور
 بولا: اس کے بعد میرے لئے زندگی بے کیف ہے۔ مختار نے کہا بے شک اس کے بعد تم زندہ
 نہیں رہو گے۔ اس کا سر بھی اتار لیا گیا امان نامہ میں تھا اگر عمر نے کوئی حدت یعنی نامنا سب حرکت
 نہ کی (حدت کے دوسرے معنی پشیماب پانا لینے کے بھی ہیں) تو اس سے تعرض نہ کیا جاتے گا۔
 کسی نے عمر کے بعد مختار کو یہ عہد یاد دلایا کہ آپ نے اس کو اس شرط پر امان دی تھی اس سے کوئی نامنا
 حرکت (بناوت، نافرمانی وغیرہ) سرزد نہ ہو اور ایسا نہیں ہوا! مختار نے بے شرمی سے جواب دیا:
 کیا خوب امان نامہ کے بعد کیا وہ باخا نہ نہیں گیا۔

ان دونوں کے سر اس نے ابن الخفیفہ کے پاس بیچ دئے اور کھاک میں پوری سرگرمی سے ان
 کے دشمنوں کو غارت کرنے میں لگا ہوا ہموں اور واقف بھی یہ ہے کہ جنگ کر بلا میں حصہ لینے والوں میں
 سے جو کوئی اس کے ہاتھ لگا اس کو اس نے با اس کے خون کے پیاسے شیعوں نے بے رحمی سے
 خنڈ کر کے اور تڑپاڑپا کر ہلاک کر دیا اس تشدد کا نتیجہ ہوا کہ کوفہ کے دس ہزار غیر شعی بھیگ گئے
 اور نصیرہ جا کر پناہ لی۔

انتظامی سرگرمیوں کی مزید تفصیلات جو مشہور تاریخوں میں نہیں ہیں مصنف اخبار الطوال نے
 ان الفاظ میں پیش کی ہیں مختار نے ابو عمرہ کیسان کو پولیس افسر مقرر کیا دوسرے مورخ کیسان کو
 محافظ گارڈ کا افسر بناتے ہیں، اور حکم دیا کہ ہزار کدال دار مزدوروں کا دستے لے کر ان لوگوں کے گھروں
 کا کھوج لگاتے جو حسین سے لڑنے نکلے تھے اور ان کو مسمار کرادے! ابو عمرہ ایسے لوگوں سے خوب
 واقف تھا چنانچہ وہ کوفہ کا گشت لگاتا اور ایسے لوگوں کے گھر منٹوں میں گروا دیتا اور جو گھر واسے باہر
 نکلتے ان کو قتل کر دیتا اس طرح اس نے بہت سے گھر گردا دئے اور بہت سے لوگ مروا دئے وہی
 نئی دی سے لوگوں کے کھوج اور استقصاء میں لگ گیا جس کو بیکہ تا قتل کر دیتا اور اس کے مال و متاع

نیز ماہانہ یا سالانہ تنخواہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی فارسی کے نام زد کر دیتا۔ اس خونی ڈرامہ میں بعض مثالیں ایسی بھی ہیں جب مختار نے بعض چھوٹے بھرموں کو معاف کر دیا؛ یہ معافی جیسا کہ ہم کو توقع کرنا چاہتے ہیں ڈیڑھ ٹیک قسم کی تھی؛ ایک عربی (عبدالرحمن خراہی) نے جنگ کر بلا میں حصہ لیا تھا اس کو قتل کے لئے مختار کے سامنے لایا گیا، اس نے کہا آپ مجھ کو اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب تک بنی امیہ پر فتح نہ حاصل کر لیں گے شام آپ کے زیر نگیں نہ آ جائے گا اور آپ دمشق کو گرا کر اس کی اینٹ سے اینٹ نہ سہا دیں گے اس وقت آپ مجھے پکڑیں گے اور لبِ دیا ایک درخت پر جو اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے مجھے سوئی دیں گے یہ سن کر مختار اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: ”یہ شخص لڑائیوں کا عالم معلوم ہوتا ہے اس کو قید میں ڈلوادیا گیا جب رات ہوئی تو مختار نے اس کو بلایا اور کہا: ”اے خراسانی موت کے وقت ظرافت؟“ اس نے کہا: ”میرا آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بلا وجہ آپ مجھے نہ ماریں“ مختار نے پوچھا تم شام سے یہاں کیوں آئے۔“ اس نے کہا ایک شخص پر میرے چار ہزار درہم قرض ہیں وہ لینے آیا تھا“ مختار نے اس کو چار ہزار درہم دئے اور کہا راتوں رات کوڈ سے نکل بھاگو ورنہ صبح ہوتے ہی قتل کر دوں گا۔ ایک دوسرا ہم مرقد نامی کوڈ کے باغیوں میں سے لایا گیا آئے ہی اس نے مختار کے ہروپ کو گدگدایا: ”دو شر پڑھے جن میں مختار سے بغاوت پر شہبائی کا اظہار تھا، پھر کہنے لگا اگر صرف آپ لوگ ہم سے لڑتے دینی کوڈ کے باغیوں سے تو ہم کو شکست نہ دے سکتے“ مختار نے پوچھا: ”تو پھر تم سے اور کون لڑا؟“ اس نے کہا دشمن چہرے والی فوج جو بھورے گھوڑوں پہ سوار تھی: ”مختار نے سادگی سے کہا یہ تو ملائکہ تھے خبر چو نکہ تو نے ان کو دیکھ لیا ہے میں ان کی خاطر خجہ کو چھوڑے دیتا ہوں“ وہ بھاگ کر بصرہ چلا گیا وہاں مختار کی بچوں میں شہر کپے تھے

انتقامی تحریک کا فوری اثر تو مختار کے حق میں ہوا اور وہ یہ کہ شیعہ دل و جان سے اس کے

لے اخبار الطوال ص ۳۳ مصنف اخبار الطوال نے یہ واقعہ جس جگہ لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مختار نے انتقامی کارروائی

کو ذریعہ کرنے کے بعد ہی شروع کر دی تھی، اہل کوڈ کی بغاوت کے بعد نہیں جیسا کہ دوسرے مورخوں نے لکھا ہے

لے اخبار الطوال ص ۳۳ اخبار الطوال ص ۳۳

معتقد ہو گئے اس کو انسان سے ماداءِ ہستی سمجھنے لگے کہ کسی ایک روحانی ادارہ بن گئی نخار کو فیہ تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن دوسری طرف یہ اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی۔ جن لوگوں کو قتل کیا گیا تھا ان کے اعزاء عربی قانون انتقام کے مطابق اپنے رشتہ داروں کا بدلہ لینے پر مجبور تھے چنانچہ اب ان کی تحریک انتقام شروع ہوئی جس کی بنیادیں بصرہ میں استوار کی گئیں اور جلد ہی نخار کے اقتدار کا نہ تعمیر قلعہ ٹوٹ پھوٹ گیا جیسا کہ ادریس بن ہوا کو ذ کے دس ہزار آدمی بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے اور وہاں اپنے قبیلہ و خاندان کے لوگوں سے نخار کے مظالم کا شکوہ کر کے ان کے مذہب کو مشغول کر دیا تھا۔ شہ کے شروع میں بنی جنگ کو ذ کے ڈپٹہ دونا بدا بن زبیر کی طرف سے ان کا بھائی مصعب بصرہ اور ذ کا گورنر بصرہ آکر ذ کو ذ سے بھاگے ہوئے لوگوں کی داستانِ غم اس کو معلوم ہوئی ذ کے قبائلی سردار اس سے ملے اور اس موجِ خون کا ذکر کیا جو ان کے سر سے گذری تھی ایک قبائلی سردار ثبت بن زبیر کی بدحواسی و سرسملگی پہلے ذکر کے لائق ہے وہ ایک خیر سپہ سالار تھا جس کی دم اور کاؤں کے سرے اسی نے کاٹ دئے تھے اپنی قبائلی بھڑائی تھی اور مصعب کے محل کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ”ہائے مدد“ ہائے مدد“ کے نعرے لگا رہا تھا۔ ثبت، محمد بن اشعث جو نخار کے تباہی رسالہ سے بھاگ نکلا تھا اور دوسرے معزز کو فیوں کا ایک دندہ مصعب سے ملا اور اپنے مصائب، اپنے غلاموں اور عموالی کی سرکشی اور بغاوت کے حالات سے اس کو مطلع کیا اور بلا تاخیر نخار پر حملہ کرنے کی درخواست کی مصعب کو ذ کا گورنر بھی نامزد ہوا تھا اور بہر حال اس کو نخار سے لڑنا تھا ان زخم خوردہ کوفیوں سے اس کو بڑی نفوذ ہوئی لیکن نخار ایک خوفناک حریف تھا، اس کی فارسی فوج جیسا کہ کسی عرب سردار نے ذ کے باغیوں کو روکنے کے لئے کہا تھا عربی شجاعت اور فارسی نفرت سے لڑتی تھی اور نخار کے روحانی بہروپ اور کرسی کی کرامتوں نے ان کے حوصلے بڑھادئے تھے اور عربوں کے سماجی و سیاسی استبداد کے مقابلہ میں وہ ہر وقت جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے۔ (باقی آئندہ)

تاریخی حقائق

بعض سلاطین اندلس و بغداد کے شخصی حالات زندگی

۱۸

(مولانا محمد ظفر الدین صاحبِ ستادِ دارالعلوم معینہ سائبر)

۳۱۱ھ بمطابق ۹۲۲ء کو مذکورہ المصنفین کا ایک پارس آیا جن میں ”تاریخ ملت“ کے دو حصے (چہارم و پنجم) بھی تھے، مجھے یہ کتابیں حلقہٴ معارف کے رکن کی حیثیت سے ملی تھیں، میں نے ان نئی کتابوں کے لئے اپنے اوقات سے کچھ وقت مخصوص کر دیا، اول نظر میں تاریخ ملت کا حصہ چہارم و خلافت مسلمانہ، کچھ زیادہ دقیقہ معلوم ہوا، مگر بعض خصوصیتوں نے اعتراف پر مجبور کیا اودا سے میں نے بہت شوق اور پورے ذوق سے پڑھنا شروع کیا کوئی شب نہیں اندلس کی یہ تاریخ بہت مختصر ہے مگر بڑی حد تک جامع ہے، ذاتی طور پر مجھے اس کا وہ حصہ بہت پسند آیا، جس میں سلاطین کی شخصی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات بیان کئے گئے ہیں۔ انہی واقعات کو خصوصیت سے ناظرین برہان کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ (مُحَمَّدُ ظَفِيرُ الدِّينِ)

عبدالرحمن المتوفی ۳۲۸ھ بہت مشہور خلیفہ گذرا ہے اپنے اخلاق و عادات اور دینی زندگی میں ممتاز اور کامیابوں کے لحاظ سے بڑی عزت و شہرت کا مالک تھا، ”جامع قرطبہ“ اب تک اس کی یادگار باقی ہے، اس کی سیرت کے متعلق تاریخ ملت جلد چہارم حصہ ۵ میں سطور ذیل ملتی ہیں۔

”سلطان نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا اقرباً تو کیا اگر مایا میں سے کوئی درجاء تھا تو وہ

کیسا ہی غریب کیوں نہ ہو سلطان اس کے جنازہ میں شریک اور بذاتِ خود نمازِ جنازہ کی امامت کرنا تھا اگر کوئی

شخص بیمار ہوتا عیادت کو خود جانا غرض کہ اپنی رحلت کی شادی اور غم میں برابر کا شریک تھا نمازِ جمعوں و پڑھانا

اور خطیر بڑی فصیح عربی میں پڑھتا، اس کا خطبہ شجاعانہ جذبات کا براہِ نیکنیزہ کر دینے والا ہوتا۔ ”منہ بانی خلیفہ“
یہ تھا سلطان وقت کا اخلاق جس کی نگاہ میں غریبوں کی دھت بھی دہی سی جیسی آج کل کے
لوگوں کی نگاہ میں کسی معزز مالدار اور اونچے مرتبہ والے کی ایک دوسرا واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

”ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان بعد شریعت میت واپس ہو رہا تھا کہ اٹھائے راہ میں ایک معمولی آدمی
نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور کہا اے امیر! قاضی نے میرے حق میں نا انصافی کی ہے جس کی داد میں
تجربہ سے چاہتا ہوں سلطان بولا اگر تو سچا ہے تو میں درے حق میں انصاف کروں گا چنانچہ وہیں کھڑے
کھڑے قاضی کو بلو کر سختی سے کہا۔ قاضی صاحب! اس شخص کا انصاف ہونا چاہیے۔“

یہ ایک ایسے سلطان وقت کا تحمل اور انصاف ہے جو شخصی حکومت کا فرما زوا تھا اس کو
ایکشن لانا نہیں پڑتا تھا اور نہ معمولی غریب کے دوڑ کی اس کو ضرورت تھی، دولت و ثروت کی
بھلی کمی نہ تھی اور نہ سر پر غیبوں کا طوفان تھا۔ اسی طرح ایک عرب غریب دربار میں حاضر ہوا اور
کہنے لگا۔

”اے بادشاہ! فدائے تعالیٰ نے تجھ کو بادشاہ اور بے انتہا خزانوں کا اس لئے مالک کیا ہے کہ
تو غریب اور یتیم اور یتیم اور یتیم کے حق میں انصاف اور ان کی مدد کرے۔ سلطان نے کہا تمہاری مدد ہوگی
اور ہر ایسے شخص سے کہہ دو جو تمہارے منہ میں ان کے لئے دربار کھلا ہے وہ درخواست میرے سامنے
پیش کریں تاکہ میں بذاتِ خود ان کو ہر قسم کی مددوں اور ان کو پریشانیوں سے نجات دوں۔“

دیکھا آپ نے درخواست پر صرف اسی سائل کی مدد نہ کی بلکہ اس کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا کہ
تم جیسے اور جو بھی اہل حاجت ہوں وہ انہیں ان کی مدد کی جائیگی۔ اس کا دستور تھا کہ جب کوئی کھانے
کے وقت آ جاتا اس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتا اور پھر خوش اسلوبی سے اس کی غرض
پوری کرتا۔

اسی عبدالرحمن الداخل کا پوتا تھا الحکم۔ جو اپنے باپ کے بعد سربراہانے حکومت ہوا تھا او

لے خوفت ہسپانیہ منہ لہ ایضا ملاحظہ

خاتمہ کے اخیر ہند میں جس کا انتقال ہوا تھا، ان کے باپ ہشام بن عبدالرحمن نے اپنی حالت
نزع میں الحکم کو بلایا، اور یہ نصیحت کی

”یہ خیال رکھ کہ سلطنت اور حکومت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جب وہ چاہتا ہے چین لینا ہے پس
جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے عطلتے ربانی سے اختیار اور دبدبہ شاہی عطا فرمائے تو ہم کو اس کی نعمت کا
شکرا ادا کرنا اور اس کی پاک مرضی کا پورا کرنا واجب ہے اور وہ اصلی غرض یہ ہے کہ ہم تمام مخلوقات
کے ساتھ نیکی کریں اور خصوصاً ان کے ساتھ جن کو ہماری حفاظت میں تو فیض کیا ہے امیر اور غریب
کے ساتھ برابر دھول کر۔ ظلم و دامت رکھو اس لئے کہ ظلم تباہی کا دوازہ کھولتا ہے اپنی رعایا اور
تو گردن پر ہرمان رہ۔ اس لئے کہ ہم سب ایک خالق کی مخلوق ہیں، اور حکومت ممالک و امصار کی انصاف
اشخاص کے سپرد کر جو صفات پسندیدہ رکھتے ہوں اور ایسے دوزار کو بے رحمی سے سزا دینا چاہئے
جو بے فائدہ اور بے قاعدہ معمولات سے رعایا کو تنگ کریں۔۔۔۔۔ اور رعایا کی رضا جوئی سے
فاضل مت ہو اس لئے کہ ان کی محبت سے ملک کی حفاظت ہے اور ان کی ناراضگی میں غمزدہ ہے ان
کی حقارت باعث زوال سلطنت ہے اور کاشنکاروں کی خبر گیری رکھنا چاہئے، جو ہماری روزی
کے واسطے زمین سے فائدہ لاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اپنا طریقہ ایسا رکھنا چاہئے کہ رعایا دعا گو رہے اور
ہماری حفاظت کے سبب میں بخوشی زندگی بسر کرے۔۔۔۔۔ اگر تم اس پر عمل کر دے گے جو میں نے بیان کیا
ہے تو تم خوش حال رہو گے اور جو زمین کے نامور بادشاہ ہیں ان کے مانند تم کو دہرہ اور سطوت حاصل ہوگی
یہ نصیحت ہے جو ایک باپ نے مرنے وقت اپنے عزیز ترین فرزند کو کی ہے یہ نصیحت جس
قد مش قیمت ہے اس کی کوئی مثال نہیں، آج کل کے فرما زو اقل کو چاہئے کہ اس نصیحت کو سمجھنے
کی سعی پر کندہ کر داکر اپنے سرہانے لٹکائیں اور سوتے جاگتے ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

یہ سلطان وقت جس کی نصیحت اوپر درج ہوئی خود بھی بڑے عمل صالح کا مالک تھا اس کا
حال یہ تھا کہ معمولی لباس پہن کر قریب کی گلیوں میں چکر لگاتا، غریبوں کے گھر پر جا کر ملاقات کرنا گویا میلہ

۱۲۱ خلافت مسلمانہ

ہوتا تو اس کی عیادت کو تشریف لے جاتا اور خود غریبوں کے یہاں پہنچ کر ان کی ضرورتوں کو پورا کرتا۔
 رات کی اندھیری رات میں چپکے سے نکل جاتا اور بے کس بیمار کی رات بھر تیار داری کرتا اسے کھاتا
 اور پھر صبح کو چپکے واپس چلا آتا۔

بہر حال ہشام کی اس نصیحت کا حکم نے بڑا اثر لیا چنانچہ یہ اپنے عادات و شمائل میں بڑا سحر
 رہا انصاف پسندی اور عدل پروردی اس کا خاص شیوہ تھا، ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

”اتفاقہ خلیفہ الحکم کے محل کی توسیع میں ایک غریب سپہ کی جائداد آگئی اس سے کہا بھی گیا کہ اس
 جائداد کو معقول داموں میں بیچ کر دے مگر سوداؤں نے جائداد کی وجہ سے اس نے انکار کر دیا مگر میر ملت
 نے زبردستی وہ زمین لے لی، اور بیگو تعمیر ہو گیا اس عودت نے قاضی کے رد بردارستانہ پیش کیا قاضی
 نے فرمایا تو تامل کر میں انصاف سے کام لوں گا۔

جس روز خلیفہ الحکم عید پہل مکان اور باغ ملاحظہ کرنے گیا قاضی بھی خبر پا کر پہنچ گئے ایک گویا
 موعظی پورے کے ہمراہ لیا۔ الحکم کا سامنا ہوا تو قاضی صاحب نے کہا امیر المؤمنین! اس زمین کی مٹی
 مجھے چاہئے، اجازت ہو تو میں اس کو خلیفہ نے مسکرا کر اجازت دے دی قاضی نے پورا مٹی سے بھر
 لیا اور خلیفہ سے درخواست کی کہ مجھ کو اس گدھے پر پورے کے رکھنے میں حضور ذرا معاونت فرمائیں،
 خلیفہ قاضی کی اس حرکت کو مزاح سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ پورا ہر دو اٹھانے لگے مگر بھاری دنوں تھا اللہ
 نہ سکا، خلیفہ ہانپ گئے، قاضی نے کہا، سرکار! اس بوجھ کو تو آپ اٹھانے سکے تو انصاف (قیامت)
 کے دن کو یہ جو زمین بڑھیا کی منبٹ کر لی گئی ہے وہ کس طرح اٹھائیے گا، کیونکہ خدا کے سامنے وہ بڑھا
 و عویٰ ضرور دیکھے گی۔ شاہ الحکم آبدیدہ ہو گیا، ادھر میر عمارت کو حکم دیا، کہ فوراً بڑھیا کی زمین
 واپس کر دو اور محل کا وہ حصہ جو ہے مع ساز و سامان کے میں نے اس کو دے دیا۔

یہ تھا خوفِ خدا، اس فرد کے دل میں جو اپنے وقت کا جلیل القدر بادشاہ تھا اور یہ انصاف
 و عدل تھا، اس انسان کا، جس کو ہر طرح کی دنیاوی طاقت و قدرت حاصل تھی اور قاضی صاحب

نے خلافتِ ہسپانیہ دلا دیا

کی حق گوئی اور معاملہ فہمی پر بھی بار بار غور کیجئے جو ہمارے علماء کرام کے لئے عبرت و بصیرت کا خزانہ ہے
الحکم کا بیٹا عبدالرحمن ثانی المتوفی ۷۳۵ھ اپنے باپ کی موت کے بعد تخت پر جلوہ افروز ہوا اس
کے کارنامے بھی تاریخ میں بہت مشہور ہیں ایک ذاتی واقعہ ان کا بھی سن لیجئے۔

”ایک دن سلطان نے عمار کے سامنے امام عینی سے مخاطب ہو کر کہا، مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی
ہے کہ میں رمضان میں دن کو محل میں جلا گیا اس کا کفارہ کس طرح ممکن ہے بجی نے تمام عمار کے
سامنے کہا دو ماہ متوازی روزے رکھو تو اللہ تعالیٰ بخشش کی صورت ہو سکتی ہے، حاضرین یہ سن کر خاموش
ہو گئے، جب عمار دربار سے اٹھ آئے، تو بجی سے پوچھا، کیا امام مالکؒ نے اس کفارہ کا کچھ بدل بھی
بتایا یا نہیں، جواب دیا معاملہ عذر رہے لیکن اگر اس سلطان کو اس سخت سزا کا معاملہ بنا دیتا تو
اس کو مکر اس گناہ کے کرنے کی جرأت ہوتی اس بابت شرع بادشاہ کی ہمت کو دیکھنا چاہئے کہ اس
نے امام بجی کے حکم کی پوری تعمیل کی نہ۔“

اس کو کہتے ہیں خشیتِ الہی، اور اس کا نام دینداری ہے، یا اس ہر جاہ و خیمت جب عالم نے
کسی مسئلہ کا جواب دیا تو بے چون و چرا پورا پورا عمل کیا، سلطنت کا عذر بھی شریعت میں اس دآں
پیدا کر سکا، حتیٰ ہے اگر یہ سلطان وقت تھامد تعالیٰ اس کی روح سکون میں رکھے،

عبدالرحمن الناصر المتوفی ۷۴۵ھ اندلس کا بڑا نامی گرامی خلیفہ گذرا ہے اس کے زمانہ میں صنعت
و حرفت کو بڑی ترقی ہوئی، مدینۃ الزہراء کی عالیشان عمارت اس کی ہی بنوائی ہوئی تھی جو بے مثل عمارت
تھی اس طرح کی عمارت کا آج کل تصور بھی مشکل ہے اس مدینۃ الزہراء کی رنگینی نے بادشاہ کو حجبہ
میں جامع مسجد کی حاضری سے کچھ دفوں روک دیا، قصر ہی کی مسجد میں حجہ کی نماز بھی پڑھ لیا کرتا تھا چند
مہجوں کی غیر حاضری کے بعد جب ایک حجہ میں وہ تشریف لائے تو قاضی المنذر کا سامنا ہو گیا، جو جامع مسجد
کے امام خطہ قاضی صاحب نے خطبہ میں ایسی سخت تہدید و تنبیہ فرمائی کہ بادشاہ کی گردن مذمت
سے ٹوٹ گئی اور پھر اس کے بعد بادشاہ کبھی بھی غیر حاضر نہ رہا، اسی سلطان عبدالرحمن الناصر کے

ن خلفت ہمایہ مد

عہد میں ایک دفعہ بارش رک گئی جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہو گئی جب کچھ دنوں تک مساکین باریں کا یہی حال رہا تو نماز استسفار کے لئے لاکھوں آدمی نکل کھڑے ہوئے، قاضی صاحب موصوف بھی تشریف لے گئے اور بادشاہ سلامت بھی۔

”قاضی المنذر ایک بلند مقام پر کھڑے مجمع کو دیکھ رہے تھے، اتنے میں کسی نے کہا، جلالت مآب تشریف لارہے ہیں، قاضی نے بے رخی سے کہا، یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ مدتیہ الزہرامیں آرام کریں کسی ندیم نے یہ فقرہ الفاہر سے جا لگایا وہ سن کر بے اختیار روٹنے لگا، عمامہ اندر کر زمین پر ڈال دیا، برہنہ سر، برہنہ سر، با حال تباہ، بارگاہ غفور الرحیم میں گرد گردا گرد عرض کرنے لگا کہ الہی! میرے گناہوں کی بادشاہ میں میری رعایا کو کیوں ستاتا ہے مجھ کو سزا ملے لیکن میری رعایا کی تکالیف دودھ کر دے۔

الفاہر کا حال دتے دتے بے حال ہو گیا ڈاڑھی جو آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اب سرخ بھری سے لت پت ہو گئی، المنذر نے اس کی الحاج دزاری سن کر کہا، کہ مسلمانو! ذرا اور خضوع و خشوع سے دعا مانگو باپ رحمت کھلنے والا ہے کیونکہ جب جبار دنیا سے عجز و انکسار ظاہر ہوتا ہے تو جبار آسمان کو رحم آتا ہے:

لوگ ابھی میدان ہی میں تھے رحمتِ باران شروع ہو گئی، ملاحظہ فرمایا آپ نے شاہ وقت کا خضوع و خشوع، ظاہری اعمال جو کچھ ہوں گران کے دل کتنے صاف اور پاکیزہ تھے ذرا سی بات نے سبکی کا اثر پیدا کر دیا اور رفت جب طاری ہوئی تو لوگ دیکھ کر متحیرہ گئے دعا میں اس نے کتنا سچ اعتراف کیا اور جب اس نے اپنے جرم کا اقرار کر کے دعا کی تو دعا بھی کتنی جلد قبول بارگاہ ہوئی۔

اس موقع سے ایک بات عرض کرنے کو جی چاہتا ہے ممکن ہے میرا یہ خیال درست نہ ہو مگر میرے دل میں جو بات آئی اسے بھی سن لیجئے اپنا خیال ہے کہ موجودہ دور میں دنیا میں جتنے شرور و فتن پیدا ہو رہے ہیں مصائب کے طوفان جس طرح اندڑ رہے ہیں، آفات کے سمندر میں جو تلاطم رہا ہے اور کائناتِ انسانی میں جو ہنگامہ آئے دن ہوتا رہتا ہے یہ سب مسلمانانِ عالم کے گناہوں کا نتیجہ ہے

لے خلاف ہوا بند متا

اور بلاشبہ یہ تمام فرزندانِ توحید کی بے راہ روی اور بد اعمالیوں کا ثمرہ ہے۔ ان کو خدا نے ذوالجہنم لاکھوں کے آگے گرد گردا کر دنا چاہا ہے اور اچھے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے اگر ان کے گناہ معاف ہو گئے تو کائناتِ انسانی میں مسرت و نشاط دانی کی لہر دوڑ جائے گی، اے کاش مسلمان قوم اپنی حیثیت اور پوزیشن کا یقین پیدا کرتی۔

ابھی انصاری کے فرزند تھے، الحکم ثانی المستنصر باللہ المتوفی ۳۶۹ھ یہ بادشاہ بڑا علم و دست گذر اپنے کتابوں کے جمع کرنے کا اس کو بے حد شوق تھا اور اس سلسلے میں ایک پورا محکمہ اس نے قائم کر رکھا تھا جو رات دن اس کام میں مصروف رہتا اور مختلف شہروں میں اس کے کارندے بھیجے ہوئے تھے اس کے کتب خانہ کا حال سنئے۔

”المستنصر باللہ کے کتب خانہ کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی اور ہر جلد میں پچاس درق تھے ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے تھے، بعض مفسفوں نے لکھا ہے کہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ اور بقول بعض چھ لاکھ تھی، اور تمام کتابوں کو الحکم ثانی نے خود پڑھا تھا ان میں اکثر پڑوشا الحکم نے نہایت محنت سے لکھے تھے۔“

یہ دسویں صدی عیسوی کے ایک سلطانِ دقت کا ذوقِ علمی، کیوں اس زمانہ میں کوئی حکمران اس کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ اقرار کرنا پڑتا ہے صحیح معنی میں یہ حضرات حق حکومت ادا کرتے تھے حکمرانی کے ساتھ ساتھ یہ ذوقِ علمی قابلِ صد مبارکبادی ہے،

المصور المتوفی ۳۷۹ھ اندلس کا حاحب یعنی وزیر اعظم تھا، اپنے وقت کا بڑا عالم اور حکومت کے کاموں سے بڑا واقف کار تھا بادشاہ وقت کو اپنے ہاتھ میں لئے رہتا، اس کا جذبہ دینِ ملاحظہ کیجئے

”اس (المصور) نے اپنی ۳۱ سالہ عہدِ حیات میں تقریباً پچاس جہاد کئے، اور جنگ سے واپس

آکر اپنے گھر میں کی خاک جھڑوا کر جمع کرنا چاہتا تھا کہ بوقتِ تنہیز و تکفین یہ مٹی اس کے چہرے پر چھڑک دی جائے، تاکہ شاید اس کی شہر میں خدا اس کی شفاعت کر دے اس نے اپنے خاص ابا جی کھیت کی روٹی سے

۱۰ خلافتِ مہدیانہ و مکتا

اپنی ازکیوں سے سوت کٹو اگر کفن تیار کر لیا تھا، جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔
 اس کو کہتے ہیں راسخ العقیدہ، اور اس جذبہ دینی کا نام ایمان ہے، آخرت کی یہ فکر ہم سب کے لئے باعث عبرت و بصیرت ہے، کتنی تمنا تھی کہ خاتمہ بالخیر مواد اللہ تعالیٰ کے یہاں بخش دئے جائیں خدا کرے یہ جذبہ غیرت و حمیت تمام مسلمانوں میں پیدا ہوا اور سب کو اپنی آخری گھڑی کی فکر بے چین کئے ہو۔ اتنی زبردست حکومت کا ذریعہ عظیم اور اندلس میں یہ اثر و رسوخ اور بھرپور قلب کا یہ حال جو بے چین رکھتا تھا اللہم اغفرلہ

یعنی منصور کے متعلق مورخین کا فیصلہ ہے کہ وہ صادق العمل، فیاض اور عادل تھا دوزی کہتا ہے منصور کا انصاف ضرب المثل ہو گیا تھا، ایک مرتبہ عوام اندلس میں سے ایک شخص منصور کے سامنے آیا اور کہا اے منظور میں نے داد اس آدمی نے جو حضور کے پیچھے کھڑا ہے مجھ پر ظلم کیا؟ عدالت نے طلب کیا، تو گیا نہیں، منصور کے پیچھے مصلیٰ سپر بردار تھا جس پر منصور بہت دہراں تھا مگر فریادی سے تفصیل سننے کے بعد منصور نے حکم دیا۔۔۔ کہ قاضی عبدالرحمن بن فوطس سے جا کر کہو کہ اس طرح میں فیصلہ کریں۔ اور حق و انصاف ملحوظ رہے قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیا، مدعی منصور کے بھائی اگر شکریہ ادا کرنے لگا منصور نے کہا شکریہ کی ضرورت نہیں تمہارا انصاف ہو گیا اور تم کو اطمینان ہو گیا مگر مجھے ابھی اطمینان نہیں ہوا کیونکہ مجھے اس نالایق مصلیٰ کو سزا دینی ہے جس نے باوجود اس کے کہ مرا لازم تھا ایک ذیل کام کرنے میں شرم نہ کی تھا۔

کہاں ہیں آج کل کے حکمران جن کے لازم رات دن عوام پر ظلم ڈھالتے پھرتے ہیں مگر ان کو اس لئے معاف کر دیا جاتا ہے کہ سرکاری آدمی ہے عبرت و بصیرت کا کوئی سبق اس میں ان کے لئے ہے تو وہ اس کے حصول کی سعی پیہم کریں اس واقعہ کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات میں کہنا پڑتا ہے کہ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو چکا گی اسی منصور کے مرتے ہی اندلس میں طوفان بدلتیزی کا زور ہوا۔ خانہ جنگی برابر بھنی رہی،

لے خلافت ہسپانیہ ۱۹۷۷ء

سلاطین کے اعمال و اخلاق اچھے نہ رہے، قتل و خوریزی شروع ہو گئی جب حکمرانوں کے دل پاک نہ رہے قلب کی صفائی جاتی رہی، خوفِ خدا بانی نہ رہا اور یہی سبب گئے تو عوام اور سبک کس حال میں رہے گی؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا تھا کہ پہلے بادشاہ کی نیت بگڑتی ہے اور اس کے اعمال و اخلاق میں زوال آتا ہے تو پھر رعایا اور عام سبک بھی بتا ہی و بربادی اور ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے چنانچہ یہی معاملہ پیش آیا، اندلس اتنی عظیم الشان اور با اقتدار حکومت تبدیل و ختم ہو گئی، اور نصاریٰ نے وہاں کے مسلمانوں کا مصفا کر دیا، لاکھوں مسلمان تیغ کئے گئے، لاکھوں کو جلایا گیا ہزاروں بے گناہوں کو مذہب بدلوا یا لگیا، ہزاروں پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف چل بسے اور وہ ملک سبک کر دیا مسلمانوں کے زیرِ نگین رہا تھا اور ان کے تمدن و تہذیب کا مرکز رہ چکا تھا، عیسائی خونخواروں کے ہاتھوں میں بلیا میٹ ہو گیا ہزاروں مسجدیں گر جاتی گئیں، کتنی برباد کر دی گئیں، اندلس کا مدینۃ الزہرا الحمراء۔ جامع قرطبہ اور دوسری ہزاروں عمارتیں جو روئے زمین پر اپنا مثال نہ رکھتا تھا ہمارے قبضہ سے انبار کے قبضہ میں چلی گئیں۔

قلم میں کہاں طاقت جو اندلس کا خونچکاں افسانہ لکھ سکے اور اس وقت اور بھی جبکہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے بتانا یہ ہے کہ جب تک ہم میں عدل و انصاف، خشیتِ الہی اور حلم، پاکیزگیِ قلب اور آپس کی باہمی محبت رہی ہم میں صفاتِ محمودہ اور خصالِ پسندیدہ رہے ہم نے شان و شوکت سے حکومت کی اور جب ہم میں اسلام سے بُرد، دینِ محمدی سے بے راہ روی، قول و عمل کا تضاد، قرآن و حدیث سے عدمِ شفقت، باہمی یکجہتی کا فقدان، قلب کی پاکیزگی کا قحط اور ایمان کی پختہ کاری کا کال پڑا قدرت نے ہم کو ذلت کے ساتھ زندہ دفن کر دیا۔

اب تاریخِ ملتِ ہندوچم (خلافتِ بنی عباس) کے چند واقعات سنئے کوئی شبہ نہیں بنی عباس نے شروع میں بڑی خورزیریاں کیں، سفاح اور منصور کا زمانہ اس نقطہ نظر سے جب ہم نے پڑھا تو بے خستہ زبان پڑا "دنیا کی بدترین چیز بادشاہت ہے اور یہ حکمران طبقہ کے لئے من جانب اللہ عذاب ہے مگر ذاتی حالات و کمالات کا جہاں تک تعلق ہے ان کی زندگی بہت پاکیزہ ہے، اور ان کے دل بڑی حقیق

صاف ہیں اور ہم اس وقت اسی حصہ کو بیان کریں گے،

عباسی حکومت کا دوسرا خلیفہ، ابو جعفر منصور المصطفیٰ ۱۹۷ھ ہے بائیس برس تک اس نے بڑی شان و شکوہ سے حکومت کی، منصور کی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس نے امام اعظم کو ماضی العقائد بنانا چاہا اور آپ نے جب اس عہدہ کی قبولیت سے انکار کر دیا تو منصور نے آپ کو جیل میں ڈال دیا جہاں آپ نے اپنی آخری سانس گزار دی اور اپنے موہائے حقیقی سے جا ملے اور اسی منصور کی حکومت میں اہل مدینہ پر ظلم و ستم ہوا اور ساتھ ہی امام مالکؒ کو اس کے چچا زاد بھائی نے ذلت سے بلوایا اور ستر کوڑے لگوائے، گو منصور کو اس واقعہ سے رنج بھی ہوا اور دوسرا پہلو اس کی زندگی کا یہ ہے جس کو حکومت سے کوئی تعلق نہیں یا تعلق ہے تو ذاتی اوصاف کا حامل بھی ہے۔

”ابو جعفر منصور کا معمول تھا کہ صبح کی نماز باجماعت پڑھتا، بعد ازاں دربار خلافت میں رونق افروز ہوتا اور امور سلطنت کو انجام دیتا، مالگزاری کا دفتر دیکھتا، حکام کی تبدیلی، راستوں کی حفاظت، رعایا کی آسائش، اور عظیم کا انتظام کرتا، اس کے بعد قیود کرتا، بعد ازاں خہر کی نماز باجماعت ادا کرتا جب عصر کا وقت آتا تو نماز کے بعد خاص اجلاس کرتا، جس میں نام سادات بنی ہاشم کے معاملات طے کرتا اس کے بعد نماز مغرب باجماعت پڑھ کر کھانا تناول فرماتا، جب عشاء کا وقت آتا تو نماز باجماعت پڑھ کر ایک دیکھتا اور اطراف و جوانب سے خطوط اور عرضیاں جو آتی، ان کا جواب دیتا بعد ازاں سہارہ کے گنگو کرتا اور مشورہ لیتا جب ایک بتائی رات گزرتی تو آرام کرتا، پھر تہجد کے لئے اٹھتا، نماز فجر تک عبادت میں مشغول رہتا نماز فجر مسجد میں اگر خود پڑھتا پھر یہ دستور دربار میں رونق افروز ہوتا۔“

قابل ہد رشک۔ ہے یہ زندگی اندازہ لگائیے یہ ایک بادشاہ وقت کے معمولات ہیں، ذاتی زندگی کس قدر پاکیزہ اور ستھری ہے، جماعت اور مسجد کی کتنی پابندی ہے، تہجد اور وظائف کا یہ منظر کس قدر دلکش ہے کیا یہ چیزیں اس کی فدا رسی کو نہیں بتاتیں، امور مملکت میں اتنا سخت نظر آتا ہے اور خود کا کمال کیا کے آگے اس قدر عاجز و ذلیل۔

لے خوف بنی عباس اول مدلل

ان معمولات کے ساتھ امورِ مملکت میں اس کا یہ قول دیکھئے

”منصور کا قول تھا، حکومت کے عناصرِ ترکیبی میں چار عناصر بنائیت اہم ہیں ان کا انتخاب بہت غور سے کرنا چاہئے (۱) قاضی جو بنائیت بلیاک ہوا درنڈر ہو، جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے (۲) پولیس کا انصر جس میں کمزور کی حمایت اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ہو (۳) خراج کا انصر جو بنائیت دیانت دار ہو، ظلم و جور سے اس کو طبعی نفرت ہو دم، ڈاک کا انصر (۴) اس کو بڑی اہمیت سے کہا تھا، جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے، اور اپنی طرف سے کوئی کٹر بیعت نہ کرے۔“

کسی بادشاہ وقت کا یہ قول کیا بتاتا ہے، ممکن ہے اس کا عمل اس پر نہ ہو مگر اس سے دل کی کیا ترجمانی ہوتی ہے کیا یہ چیزیں آج بھی اتنی ہی ضروری نہیں ہیں، جتنی کل تھیں، سلطان وقت کا بیل و داغ، ہر ایک حکمران کے لئے قابل تقلید ہے، کاش اس زمانہ میں ان موتیوں کی قدر و عزت کا ہمیں یقین ہو جائے۔

اسی منصور خلیفہ کا واقعہ ہے کہ اس کو کسی طرح یہ اطلاع نبوت کے ساتھ مل گئی کہ حضرت مورت گور ز کبیرت نکلا رکھیں گے اور اسی کو اس نے اپنا مشغلہ بنالیا ہے اس خبر نے منصور کو چراغ پا کر دیا اور فوراً گور ز حضرت مورت کو لکھا۔

”کم بخت یہ ساند سامان وحشی جانوروں پر صرف کرنے کے لئے نہیں ہے، نیز دکان کے معاشِ مسلمانوں

کے فلاح و بہبود میں صرف کرنے کے لئے ہے اور تو اسے جنگلی جانوروں پر صرف کر رہا ہے تو ظالم بن ظالم

کو اپنی گور ز کا چارج دے دے خدا تجھے اور زے خاندان کو برباد کرے۔“

یہ بھی عزت قومی سامان کی، آج کل کے گور ز اور وزرا کو یہ واقعہ غور و فکر کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور قومی مفاد کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہئے۔

منصور نے اپنی وفات کے وقت اپنے ولی عہد ابو عبد اللہ محمدی کو وصیت کی تھی، اس وصیت

۱۔ خوفت بنی عباس اول علیہ السلام ۱۱۱

کا کچھ حصہ غور و فکر کی نظر سے پڑھئے۔

”ابو عبد اللہ! بادشاہ کی اصلاح نہیں ہوتی مگر تقویٰ سے، رعایا اچھی نہیں ہوتی مگر تاجدار سے شہر آباد نہیں ہوتا مگر انصاف سے۔۔۔۔۔ سب آدمیوں میں عاجز ترین وہ شخص ہے جو اپنے سے کم درجہ کے آدمیوں پر ظلم کرے۔“

ان آبدار موتوں کو دیکھتے، ان کی بھی کوئی قیمت ادا کر سکتا ہے، کہنے والا سیکڑوں سال گندے
 حل بسا، مگر ان اقوال کو موت نہیں ہے یہ رستی دنیا تک نقش رہیں گے۔

منصور کا علم و فضل مسلم ہے حضرت امام مالکؒ نے اس کے علم و فضل کی تعریف کی ہے اور اس کو بڑا ذی علم مانا ہے، یہ علم حدیث کے شنف ہی کا نتیجہ تھا کہ بغداد سے ولی عہد ہمدی، امام مالک کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا گیا۔

”محمد بن سلام کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خلیفہ منصور سے دریافت کیا کہ واجب العطا یا نے دین و دنیا کی ساری نعمتیں امیر المومنین کو عطا فرمائی ہیں کیا آپ کی کوئی ایسی آرزو اور بھی ہے جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟ منصور نے کہا ہاں صرف ایک تمنا باقی ہے جو آج تک پوری نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ میں ایک چمچہ بڑے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث مرستہ ارد گرد بیٹھے ہوں۔“

قربان جاتے اس ذوقِ حدیث کے اور خلیفہٴ دفت کی اس تنہا کے کہاں میں آج کل کے علم اور صاحبِ فضل و کمالِ عبرت و بصیرت کے اس خزینہ سے دامن بھر لیں

منصور کی زندگی ناز و نفرت کے شباب میں بھی زہد و قناعت کے راستے سے نہ ہلی، امام حنفیؒ کو جب یہ خبر ہوئی کہ منصور "ہردی جتہ" پہناتا ہے اور اس کی قمیص میں پیوند لگے رہتے ہیں تو انھوں نے بڑھتے فرمایا "پاک ہے وہ ذات جس نے اسے بادشاہت عطا کرنے کے باوجود نفرت و فساد کی بجائے نصیب کی پٹی صاحب "خلافت بنی عباس" نے ابن خلدون کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے۔

باقی آندا

علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث

۱۸

(جناب خواجہ حافظ محمد علی شاہ صاحب)

ذیل کامعنون عنوان بالا پر ایک جالی بحث ہے۔ اور گو اس میں اربابِ علم کے لئے مکمل آسودگی کا سامان نہیں لیکن بحیثیت مجموعی جذباتِ افزا و اندھ نصیرتِ افردا اشارے ہیں شاید قرآنِ پاک کے سلسلہ میں مطالعہ کرنے والے اصحاب کے لئے کسی درجہ میں مفید ثابت ہوں۔ مسئلہ و مسئلہ میں راقمِ سطور پنجاب یونیورسٹی میں تفسیرِ قرآنِ پاک کے سلسلہ میں ریسرچ کا کام کر رہا تھا اور ٹیبل کا لچ لاہور کے وڈلز ہوش میں قیام تھا یونیورسٹی اور کالج کے اربابِ فضل و کمال اور اہل علم حضرات کی علم دوستی و طلبہ نوازی مذاقِ علمی اور ذوقِ تحقیق کی تربیت اور آسودگی کا مکمل سامان اپنے اذہر رکھتی ہے۔ یہ مضمون اسی وقت بطور یادداشت کے لکھ لیا تھا کہ کسی فرصت میں اس پر غور کر کے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ مگر اب بعینہ ہی سطور کو جملہ برہان کے ذریعہ اہل علم کے سامنے اس علمی ماحول کے دل سے محو نہ ہونے والی یاد کے طریقہ پر اپنی کج معج بیانی اور سچائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس لئے پیش کرتا ہوں کہ۔

ترے نظارے سے بڑھتی ہے بصارتِ زلف سرمدین جاتی ہے، آنکھوں میں سیاہی تیری

(محمد علی)

قرآنِ عزیز کے اولین پیروکار سلفِ صالحین صحابہؓ و تابعینؓ کی زیادہ تر توجہ علومِ کتاب و سنت کو بول اور نوشتوں کی صورت میں جمع کرنے اور تمدنِ دین و تالیف کرنے کی طرف نہ تھی بلکہ ان کا تمام تر دھار حفظ و سماعت، تلقی و تعلیم اور نقل و روایت پر تھا اسی سے قرآنِ مجید کے حکموں اور حکمتوں پر توجہ اور عمل و تفقہ کی راہیں ان پر کھلیں۔

لیکن جب تدوین و تالیف کی ضرورت محسوس ہوئی زمانہ گواہ ہے کہ کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت اور بقا و احیاء کے لئے علوم و فنون اور ان کے اصول و فروع، مبادی و مسائل عہد مباحث کو کتابوں میں مدون بھی کیا گیا اور جدید علوم و فنون بھی ایجاد کئے گئے اور جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں تصریح کی ہے اس میں زیادہ تر علمائے عجم نے حصہ لیا اور اہل عجم نے شرعی و غیر شرعی ہر قسم کے علوم و فنون میں کتابیں لکھیں اور غیر عربی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کئے۔ خاص عرب علماء کا تصنیف و تالیف اور تراجم و تدوین کتب میں بہت کم دخل رہا اور انھوں نے اس میں بہت کم حصہ لیا۔

آغاز اسلام میں کون سے علم یا فن کی سب سے پہلے تدوین ہوئی بظاہر اس بارے میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا بلکہ تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ”علم حدیث“ کی تدوین ہوئی اور احادیث و آثار نبویؐ و علیؑ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، صحیفوں اور کتابوں میں جمع کئے گئے۔

رہا یہ امر کہ علم حدیث میں اولاً کس بزرگ نے تالیف کی اس میں زیادہ مشہور علی الاطلاق دو نام لئے جاتے ہیں۔ ابن شہاب زہریؒ کا اور ابن حزمؒ کا علاوہ ازین حدیث کی انواع مختلفہ و اقسام مختلفہ کے اولین مصنفین میں قریناً چالیس بیالیس دیگر علمائے تابعین کے نام بھی لئے جاتے ہیں۔ اول مصنف یا مدون شمار ہوتے ہیں لیکن اس وقت ان سب قدیم نوشتوں اور کتابوں میں سوائے امام کی مؤطا کے اور دوسری کتاب یا صحیفہ ہمارے پاس موجود نہیں

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل، حال و صفات، قرآن ذی الذکر، کی علمی و عملی تشریح و تفصیل ہے اور آپ کا قول و فعل، سنت و حدیث اور خبر و اثر کہلاتا ہے اور آپ ہی کی اتباع و اطاعت کی تمام و مناسبت کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام اور صحابہ کے تلامذہ حضرات تابعین کے قول و فعل اور صفات و حالت کو بھی احادیث و آثار اور سنن و اخبار کہا جاتا ہے اس لئے قرین صدق و صواب یہی امر ہے کہ علم حدیث و آثار ہی عہد اول میں مدون کئے گئے۔

حجۃ المحدثین و آثار کے ان اصناف خاص کے

اس کے برخلاف بعض علمائے مصر کی یہ رائے ہے کہ اسلام میں علم تفسیر سب سے پہلے مبنی ہوا ہے اور سب سے پہلی تفسیر مجاہد کی تفسیر ہے (تخیراً اسلام) لیکن تاریخی طور پر اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تاریخی ثبوت اس امر کا مؤید نہیں۔

کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ علم تفسیر اول مدونات میں سے ہے تب بھی امر ناقابل انکار ہے کہ وہ تفسیر روایات و اخبار اور آثار و احادیث ہی کی صورت میں سرکار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسی نقل و روایت ہی کا نام حدیث ہے لہذا علم حدیث ہی کا اول مدونات میں ہونا ثابت ہوگا جس پر تمام ارباب علم کا اتفاق ہے اور اول قویہ امر ثابت ہی نہیں کہ وہ کتب و صحائف جو سلف صالحین کے جمع کردہ یا تابعین و مؤلفین ہیں اور چالیس یا اسیس کے قریب حضرات تابعین نے حدیث کے مختلف انواع و اقسام کے معانی میں رچوکتا میں جمع و تدوین کی ہیں ان میں علم تفسیر کا بھی کوئی مستقل صحیفہ اور مجموعہ ہے۔

مصر کے بعض علماء کا علم تفسیر کو اول تدوین قرار دینے کا منشا غالباً یہ ہے کہ ملاکاتب چلیئے کشف الظنون ص ۳۱۵ و ۳۱۶ پر تفسیر مجاہد کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مجاہد حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ و اصحاب میں سے ہیں۔ جلیل الشان، معتمد وثقہ کبیر تابعی ہیں ان کی تفسیری روایات حضرت ابن عباسؓ کے دوسرے تلامذہ کی نسبت سے اگرچہ کم ہیں لیکن آپ ان سب تلامذہ میں زیادہ موثوق بہ اور مستند علیہ ہیں اسی دثوق و اعتماد کی بنا پر امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اور امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں زیادہ تر ان سے روایات نقل کی ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کی وفات پہلی صدی ہجری کے بعد ہوئی ۲۲۰ھ میں یا ۲۳۰ھ میں اس کے علاوہ بھی آپ کی وفات کے بارے میں چند اقوال ہیں تاہم آپ پہلی صدی ہجری کے بعد وفات

۱۰ یعنی تفسیر اور تفسیری روایات کا ۴

پانے والوں میں ہیں لیکن کشف الظنون میں ذکر ہونے سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ مولفین دجاہل
احادیث اور کتب و صحائف حدیث کی طرح حضرت مجاہدؒ نے کوئی صحیفہ خود مدون کیا تھا
آپ تفسیر کی کتاب کے راجع ہیں اس لئے کہ کوئی معروف کتاب اگر کسی مشہور عالم
مصنف کی طرف منسوب ہو تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ مشہور عالم یا مصنف خود اس
کے مؤلف و مصنف اور جامع کلمی ہیں اور انہوں نے اس کو مرتب بھی کیا ہے کیونکہ اکثر اہل
ہے کہ کوئی معروف کتاب کسی کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص
اس کے مصنف و مؤلف اور جامع و مدون ہیں مگر بذات خود وہ اس کے جامع و مؤلف نہیں
ہوتے بلکہ مابعد کے علماء ان کے ملفوظات و اقوال و آراء یا ان کی طرف منسوب روایات کو یکجا
جمع کر کے ان کے نام سے مشتمل اور شائع کر دیا کرتے ہیں۔

تفسیر ہی میں حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے بارے میں مسلم ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے
اس کو جمع و تالیف نہیں کیا اور آپ کی تفسیری روایات کتابی صورت میں جیسا کہ اب ہمارے
سامنے موجود ہے خود آپ کی جمع کی ہوئی نہیں ہیں اور یہ تفسیر جو آپ کی طرف منسوب ہے اور
آپ کے نام سے مشہور ہے، جس کا نام ”تنویر المعباس فی تفسیر ابن عباسؓ“ ہے۔ صاحب
قاموس علامہ مجد الدین شیرازی متوفی ۷۸۵ھ یا ۷۸۶ھ نے جمع کی ہے اور آپ کی طرف نسبت کردہ
تمام اقوال و مقولات و آراء و روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اور پھر آپ کی طرف نسبت
دی ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ آپ کی تفسیر ہے اور چونکہ آپ خود اس کے جامع و مؤلف
نہیں اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ آپ کی تالیف نہیں۔

اسی طرح کی ایک تفسیر اس زمانہ میں شائع ہوئی ہے ابو مسلم محمد بن سحر اصفہانی کی تفسیر
جن کی وفات ۳۲۳ھ میں ہوئی۔ مولانا سید القاری مذہبی ردوار المصنفین اعظم گڑھ نے امام راز
کی تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) سے النقاہ و انتخاب کر کے یہ تفسیر شائع کی ہے۔ اور تمام ان اقوال و
آراء کو جو ابو مسلم اصفہانی کی طرف منسوب ہیں یکجا جمع کر کے کتابی صورت میں ابو مسلم اصفہانی

کی تفسیر کے نام سے چھپوایا ہے خود ابو مسلم اس کے جامع اور مؤلف نہیں ہیں ایسا ہی تفسیر مجاہد اور دوسری تفسیر کے بارے میں سمجھنا چاہئے۔

علی ہذا حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر اور دوسرے صحابہ و تابعین تبع تابعین کی تفسیری روایات ان کی خود اپنی جمع کردہ اور تالیف منوہ نہیں ہیں۔ البتہ احادیث نبویہ کے صحیفے اور کتب میں ان کے مؤلفین و جامعین کے اپنے جمع کئے ہوئے اور تالیف کئے ہوئے ہیں اور ان میں تفسیری روایات کا ایسا کوئی مستقل مجموعہ نہیں جو ہم تک پہنچا ہو اور صرف تفسیری روایات پر مشتمل ہو قرآن پاک کے جمع و کتابت کے بارے میں تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وعدہ

خداوندی

۱۱. مَا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَأَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

اِن عَلَيْنَا جَمْعُهُ وَقَرَأْنَهُ، فَاِذَا خَرُجْنَاهُ فَاَتَّبِعْهُ فَرَاٰنَهُ، تَحْرٰۤاٰن عَلَيْنَا بَيَانُهُ

اس کی حفاظت و حراست، جمع و قراءت اور تالیف و تدوین کا ذمہ دار ہے۔

اور اس کی حفاظت کی جو بھی صورت قدرت کی طرف سے انسان کے ذریعہ کرائی جاسکتی تھی وہ کرائی گئی، دلوں اور دماغوں کو اس کے حفظ و استظهار کے لئے کشادہ کر دیا گیا۔ اونٹ کے بالان، درختوں کے پتے، پتھر کے ٹکڑے، لکڑی کے تختے، جانوروں کے چمڑے اور کھال اور کاغذ وغیرہ مختلف اشیاء پر جیسا کہ اس زمانہ میں کتابت کا طریقہ تھا اور جن جن چیزوں پر اس مہدی لکھنے کا دستور تھا، قرآن عظیم کی کتابت ہوتی تھی لیکن یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اندر ہی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں اور آپ کے سامنے ہی آپ کے فرمودات اور آپ کے اقوال و افعال و ارشادات قلمبند کئے جانے شروع ہو گئے تھے اور گو آپ نے قرآن پاک کے ساتھ التباس و اشتباہ کے خیال سے اپنے ارشادات کو لکھنے اور قلمبند کرنے کی ایک وقت میں ممانعت بھی فرمائی تھی مگر آپ ہی کے ارشاد سے (اکتبوا فی نشا) ابوشاہ یعنی صحابی کو آپ کے فرمودات لکھ کر دئے گئے۔ اور آپ کے متعدد صحابہ نے آپ کی

بہت سی روایات و احادیث کو لکھ کر جمع کیا اور تابعین کرام میں اکابر و اعظم نے نہایت اہتمام کے ساتھ احادیث و روایات کے جمع و تالیف کی طرف توجہ کی کسی نے کسی باب کی اور کسی نے کسی باب کی حدیثیں جمع کیں۔

ان میں ایک معتبر و مستند صحیفہ جو اب موجود ہے امام مالک بن انس کا مؤطا ہے۔ امام مالک کی وفات ۱۷۸ھ میں ہوئی اس کتاب کی اشاعت سب سے پہلے ہندوستان (دہلی) میں ہوئی اور سب سے زیادہ مستند نسخہ مؤطا ہے مالکؒ اسلام میں ایسی کتاب ہے جو قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسی مستند و مقبول حدیثوں کی کتابوں سے جمع و تالیف کے اعتبار سے مقدم ہے اور جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ الیہ الخ میں اور شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان الحمدین نیز عجلۃ نافعہ میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ و مسلمؒ کی کتابیں درحقیقت مؤطا امام مالکؒ کی نہیں ہیں اور مؤطا امام الصمیمین ہے کہ بخاریؒ و مسلمؒ کی اساس ہی مؤطا پر ہے جس طرح مؤطا امام مالک ایک بلند پایہ تابعی کی جلیل القدر تالیف مشہور ہوئی اور اسلام میں اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوا۔ اس طرح قرآن مبین کے تفسیر کے بارے میں کسی صحابی یا تابعی کی لکھی ہوئی کوئی کتاب یا صحیفہ رائج و مشہور نہیں ہوا۔

اگرچہ قرین قیاس یہ ہے کہ سب سے اول قرآن پاک کی تفسیر ہی مدون و مرتب ہوئی چاہے اب چونکہ ظاہر ہے کہ عہد سلف کی کوئی تفسیری کتاب و صحیفہ ان کا جمع کردہ اور ترتیب دادہ ہمارے پاس موجود نہیں اور ہم تک نہیں پہنچا۔

اور گفتگو اس امر میں ہے کہ ابتداء کون سا علم یا فن مرتب و مدون ہوا اور اسلام میں سب سے پہلے کس علم و فن کی تالیف ہوئی اس لئے یقینی اور حتمی طور پر تفسیر مجاہد یا کسی اور تابعی علیہ کسی صحابی کی تفسیر کے متعلق اولیت و اقدمیت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ (باقی آئندہ)

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی تمیزہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبند نے مکرر سے ۱۳۵۱ھ

میں شائع کیا ۱۳۵۱۔

کتابخانہ ڈبائواں (پٹنہ)

۲۱

(مولانا ابوسلمہ شطیع احمد بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

پٹنہ علی حیثیت سے بھی صوبہ کامرکزی مقام اور علم و فضل کا گہوارہ ہے، اس مردم خیز خطہ اور اس کے اطراف و نواحی سے بہت سے اساتذہ و جہانزادہ و اصحاب فضل و کمال پیدا ہوئے اور پورے ہندوستان کو اپنے علم کی روشنی سے جگمگایا، متاخرین میں مولانا شمس الحق ڈبائوی، علامہ شوق نبوی اور مولانا رفیع الدین شکرانوی کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے جنہوں نے ہم عصر اور نینوں کے اپنے اپنے ذوق کے مطابق علم و فن کی خدمت کی۔

مولانا ڈبائوی کے مختصر حالات

دین دہدانت [ڈبائواں پٹنہ سے کچھ فاصلہ پر جنوب مشرق میں سادات و شیوخ کی قدیم آبادی ہے اس کو مولانا کے مولد و منشأ ہونے کا قریح حاصل ہے آخر ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ ہجری میں مولانا یہیں پیدا ہوئے نام ابو الطیب کنیت، نام محمد، مشہور شمس الحق ابن امیر علی بن حیدر الصدیقی۔

تحصیل علم [ایام طفولیت ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا، اسی طلب میں غرارہ نجد کو چھوڑ کر شہرہ حال کر کے دہلی پہنچے، اس وقت مولانا سید نذیر حسین صاحب بہاری عرف میاں صاحب کے درس حدیث کا غفلہ تھا آپ انہی کے درس میں شریک ہو کر اکتساب فیض کر کے آسمان علم پر "شمس بن کر چکے اور خیر ہندوستان ہوئے۔

مولانا ڈبائوی اپنے استاذ میاں صاحب کا بہت احترام کرتے اور فرماتے کہ آپ ہی کی توجہ سے میں علم سے آشنا ہوا ایک جگہ اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"شیخنا العلامة السید نذیر حسین الدہلوی الذی لہ علی منہ عظیمۃ

لا استطیع ان اکافئہا“

شادی و ولاد ۲۳ یا ۲۴ برس کی عمر میں شادی ہوئی اور جب ۲۹-۳۰ برس میں آپ کے خلف الکبر حکیم مولانا اورس صاحب پیدا ہوئے جو الحمد للہ اب تک بقید حیات ہیں۔

مقبودہ مولانا عقیدۂ سلفی تھے اور اس میں ان کو بڑا غلو تھا جیسا کہ ان کی تصانیف سے ظاہر ہے۔
مدرسہ اسلامیہ کے محسن ایک بار جب بہار شریف تشریف لائے تو حکیم وحید الحق صاحب مرحوم ہنرمند مدرسہ اسلامیہ کی حیثیت سے انے سالانہ امتحان کے موقع پر مدعو کیا، مولانا نے بطیب خاطر دعوت قبول فرمائی اور شریک امتحان ہوئے، بہار کا تقریری امتحان مشہور تھا، طلبہ سے زیادہ امتحان تیار ہو کر آئے تھے آپ کے سامنے ابوداؤد کی جماعت حاضر ہوئی، اور جانبین سے اعتراض و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا جب فارغ ہوئے تو اپنے دلی جذبات کو چھپانے کے، ابنسائط و سرور اور طلبی طمانیت کا اظہار فرمایا عرض مدرسہ کی اعلیٰ تعلیم و طلبہ کی ذہانت و حاضر جوابی نے مولانا کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈالا۔

تصنیفی ہاں اخذ و نقد و س نے مولانا کو علم و دوات دونوں سے نوازا تھا اور الحمد للہ کہ دولت و ذروت کا صحیح معرفت لیا۔ علاوہ دینا اور اس کی ضروریات سے بے نیاز ہو کر اپنے کاشا نے میں بیٹھ کر پڑھ لیس۔ تعلیم اور تالیف و تصنیف میں پوری زندگی گزار دی جس سے سلف کی یاد تازہ ہو گئی وقت کے افضل اور صاحبِ خبر و بصیرۂ علماء کا اجتماع رہتا جو تالیف و تصنیف میں مولانا کا ہاتھ بٹاتے اور مولانا ان کی ضرورتوں کے کفیل ہوتے۔

اے آپ کو کبھی میاں صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا اور خالصاً وجہ اللہ خدمت مدرسہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور پھر بے کلام ہنگام کا حق ادا کر دیا۔ اب یہ تدریس و تلمذ کب کہاں نصیب؟ فاعفوا واسرحمہم اے اس مدرسہ کا ہستیاں کی قدیم درس گاہوں میں شمار ہے کماؤت بہار شریف کے باشندہ ایک عالم باعقا مولانا وحید الحق رستھانوی نے استاد زخیر خاں مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب بہاریؒ (رحمہم اللہ) میں اس مدرسہ کو قائم کیا اور کفرزا ہند میں تعلیمات اسلامی کو پھیلانے میں کامیاب کے نمایاں انجام دیا اور یہ مدرسہ اپنے وقت میں صوبہ کے دیوبندی مدارس کا گڑھ سمجھا جاتا تھا اس کے پاس ایک کتب خانہ ہے جس میں ہر فن کی قابلِ ذکر کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے اس مدرسہ کے مسلمانوں کی علم و دین کی طرف سے بے غرضی اور منتظمین مدرسہ کی بے تکلفی سے اب یہ مدرسہ اپنے آثار و تہذیب کا مدفن بنا ہوا ہے اور اس نقطہ دگرگانی کے دور میں کتب میں کچھ سے

مولانا کا تصنیفی ہاں "میں نے خود دیکھا ہے ایک بہت بڑا کمرہ" تھا جس کے چاروں طرف دیوار سے لگی ہوئی الماریاں اور اس میں سلیقہ سے ہر فن کی کتا میں سچی بدوئی رشتیں، وسط میں مولانا کی بتائی "اور اس پر ضرورت کی کتا میں بڑی رشتیں گویا ایک چھوٹا سا اکیڈمی تھا، جس کا مقصد سنتِ سنہ کا احیاء اور بدعتِ راسخہ کا قلع قمع کرنا تھا، اس کمرہ کے شمالی جانب برآمدہ اور چھوٹا سا خانہ باغ جس کے پائیں ایک بہت بڑا تالاب تھا جو موسمِ رشکال میں خاص لطف و بہار دیتا لیکن افسوس سے آں قدرج شکست دآں سببانی نمائد

تصانیف مولانا کی وسعتِ معلومات، کثرتِ مطالعہ، دقتِ نظر، اور تجربہ کا صحیح اندازہ تو آپ کی تصانیف ہی سے کیا جاسکتا ہے جن کی ہر سطر اس کی غمانی کی کر رہی ہیں۔

آپ کی گراں قدر اور بیش بہا تصانیف میں ابو داؤد کی چھوٹی بڑی دو شرحیں غایۃ المقصود اور درعون المعبود ہیں، اول الذکر ستیس جلدوں میں مکمل ہوئی مگر افسوس کہ زورِ طبع سے آراستہ ہو سکی اس کے علاوہ تعلیقِ المعنی علی سفرین الدارۃ قطبی کو بھی اہل علم نے دقت و احتیاط کی نظر سے دیکھا ہے ہماری طرف یہ مشہور ہے کہ ابو داؤد کی شرح کا خیال اولاً مولانا رفیع الدین شکر الہوی کو ہوا جس کی مفید مولانا ڈیا لوزی کو لگی اور اس کی طوطِ مبارک کر کے دو شرحوں کی طرح ڈال دی جس کا نقل مولانا شکر الہوی کو تاحیات رہا لیکن حق یہ ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ممکن ہے کہ مولانا شکر الہوی کو خیال ہوا ہو مگر اس کا کوئی از مولانا ڈیا لوزی نے نہیں لیا، مولانا لطف حسین جو میاں صاحب کے خادم خاص تھے فرماتے ہیں

"کہیں نے میاں صاحب سے بار بار ایک جماعت کی موجودگی میں کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت محدث الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی کے پاس ابو داؤد کا ایک صحیح نسخہ تھا جس کا متعدد صحیح نسخوں سے مقابلہ و معارفہ کر کے پوری کتاب کو محشی کیا جس میں خصوصاً تمام مقاماتِ صعبہ کامل تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا اعلاء پر یہ اثر بڑا احسان تھا جس سے کبھی وہ سبکدوش نہیں ہو سکے قسمت کی خوبی کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ نسخہ حضرت میاں صاحب کا ہدف تھا لیکن سلسلہ کی جنگ آزادی میں قیمتی نسخہ ضائع ہو گیا میاں صاحب

کے رنج و ملال، غم و دُشمنی کا اظہار اس وقت ہوتا جب اس کا تذکرہ آجائے غایتِ ناسف سے فرماتے کہ شاید
 کہیں اس نسخہ کا سراغ مل جائے تو باوجود قلتِ بضاعت و کمی سرمایہ کے ہر قیمت پر اس کو خریدنا۔ فلما
 سمع الکرم المحمد و ابن الطیب ذلک الکلام من شیخنا الفی اللہ فی قلبہ حباً ممتاً
 العز لا یبیدا و دہ، فقام الی خدمتہ قیام الالفیاد و بذل نفسه بعاۃ البذل
 و جہد اجمہد ابلیغاً لا تمام ہذا المرام،

جو شاہ قسمت اکبر مولانا اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، میاں صاحب کے حیات ہی میں جن
 جلدیں طبع ہو کر ان کی نظروں سے گزریں، مولانا مطلق حسین صاحب فرماتے ہیں۔

کہ میاں صاحب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جب سن کا مطالعہ کرتے تو اس کے طابع و شایع
 و معنی کے لئے دعا، خیر کرتے اور فرماتے کہ کراں عنی الغوم! الیٰی حصلت لی باضاعة ^{الغنیۃ} ^{الغنیۃ} ^{الغنیۃ}

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف بھی مولانا ہی کے رشتہائے قلم کے زیرِ شاہکار ہیں۔
 دم، القول المحقق یہ مختصر سا رسالہ ایک سوال کے جواب میں ہے سوال یہ ہے کہ

جانوران ماکول الحکم راخصی کردن جہت تطیب لحم جائز است یا نہ؟

مولانا نے اس کا تحقیقاً و جہتاً جواب دیا ہے۔ مآل یہ ہے کہ

پس حاصل کلام در بارہ شخصی یہاں اربع است کہ غیر ماکول اللحم را اصلاً جائز نیست و ماکول اللحم

باخصی نہ کردن اولیٰ و عزیمت وخصی کردنش جائز و رخصت است۔

رہ، عقود الجبان فی جواز تعلیم النبا للسنن آج سے نصف صدی پہلے علماء کا اس مسئلہ میں

اختلاف رہا ہے مولانا جواز کے قائل تھے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مشہور محدث علامہ طبریؒ بھی جواز
 کے قائل تھے۔ مولانا نے ان کا بھی جواب دیا ہے اور ان کے دلائل کو مجروح کیا ہے۔

وغنیۃ الامنیٰ مدرّجین کرام کی اصطلاح ہذا الحدیث لا یصح "وہذا الحدیث لا یثبت"

میں فرق ہے یا نہیں؟ یہ اسی کا جواب ہے۔

دعا، التحقیقات العملیٰ باثبات فرضیۃ الجمعیۃ فی القری موضوع نام سے ظاہر ہے، کسی زمانہ میں

حقی داہل حدیث کے مابین یہ مسئلہ محرکہ آراء رہا ہے۔ علامہ شوق تبریزی نے حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے اور تبر علی کا لہجہ پورا ثبوت بہم پہنچا ہے

(۴) تعلیق اسعاف المسبط برجال الموطا موطا کے رجال پر حافظ سید علی نے کچھ کام کیا ہے جس کا نام اسعاف المسبط برجال الموطا ہے اور جو مطبوع ہے مولانا ڈبلائی کا اسی پر حاشیہ و تعلیق ہے۔

غیر الاجازۃ فی الاجازۃ، اعلام اہل العصر بحکام رتبی النہج، ہدیۃ اللہ ذی نبکات سنن الترمذی کتاب الاجازۃ، النہج الوباح فی شرح مقدّم الصحیح مسلم بن الحجاج، نہایہ الرسوخ فی معجم الشیوخ المکتوب الطبع الی المحدث الشریف، یہ سب کتابیں کئی آپ ہی کے جوہر طبع، درست نظر اور جلالی قلم کے ثمرات ہیں۔ مصنف پر بھی ایک رسالہ ہے جس میں علمائے اخاف کے خلاف مصافحہ بالید یعنی صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ثابت کیا ہے۔

کتب خانہ مولانا کتابوں کی فراہمی اور اس کے حصول میں زور کثیر اور رقم غلطی صرف کیا کرتے تھے بلکہ ان کے مال و دولت کا مصروف ہی رہتا تھا۔ مطبوعہ کتابوں کا تذکرہ بھی کیا اس کا تذکرہ تھا، اور ہر فن کی بے شمار کتابیں تھیں لغت، ادب، معانی، تصوف، طب وغیرہ تو ہر حال اسلامی علوم و فنون تھے جس نے دیکھا ہے کہ ہر عبارت اور اسی قبیل کی دوسری کتاب میں بھی بکثرت ان کے کتب خانہ کی زینت بنی ہوئی تھیں قلمی کتابوں اور نسخہ خطی کی بھی کئی نمبر تھیں اور نہایت نایاب و نادر کتابوں کا ذخیرہ تھا، انھیں کتابیں تو ایسی ہیں کہ اب تک دنیا سے ناپید ہی ہیں اور اپنی قدر و قیمت بہت زیادہ رکھتی ہیں۔

حصول کتب کے ذرائع اور تین ذرائع ایسے تھے جن سے مولانا کے یہاں کتابیں پہنچی رہتی تھیں آپ کا ابرارم جو کچھ ہر شخص کو سیراب کیا کرتا تھا اس لئے عرب سائل، نیز طلبہ جو تعلیم و استفادہ کی غرض سے آتے تھے یمن و نجد و مدینہ منورہ (زاہد الشرفاء و قسطنطنیہ) کے ہوتے۔ بکثرت نیابت کرتے اور اپنے اپنے دامن مہمل کو مال مال کر جاتے، یعنی دار وین میں کوئی صاحب اپنے ساتھ قلمی کتاب بھی لے کر آتے اور منانگی قیمت پائے نمونہ نام کتابوں کو دیکھ کر بھی طرح طرح کھل جاتے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایک عرب مسند ابو حجازہ نے نمونہ مطالعہ میں مشغول تھے غلط منبسط سے بے خود ہو کر اچھل پڑے اور پھر اچھا قیمت

ہے؟ عرب نے جو قیمت بتائی اس سے زیادہ ہی دی۔

دوسرے مولانا زین العابدین آروی تھے جن کا قیام حیدر آباد میں تھا یہ بھی کتابیں فراہم کیا کرتے تھے یہ وہی صاحب ہیں کہ جب مولانا محمد حنی الدین سیفزی زمینی نے کتاب الموائد والمختلف وشذیذہ للاحافظ عبدالغنی بن سعید الازدی الاموی م ۴۰۹ کے شائع کرنے کا خیال کیا تو ان کے پاس صحیح نسخہ نہیں تھا جس سے تصحیح کرتے تو مولانا آروی ہی نے صحیح نسخہ بہم پہنچا یا اگرچہ بعد میں ان کو اور نسخے بھی دستیاب ہو گئے۔ تیسرے محیب اللہ بن حبیب اللہ العظیم آبادی بھی تھے یہ حضرت بھی مولانا کے لئے کتاب میں فراہم کر سہہ رہے تھے۔

اب میں فقہاء بعض نادرا در اہم کتابوں کا ذکر کرتا ہوں۔

مسند ابو عوانہ مکمل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ آخری باب، باب الجہر بالقراءة فی صلاة الکسوف ہے اور اق ۲۵۹ اور خط قدیم ہے سترہ میں کتابت ہوئی زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ یہ نسخہ کسی طرح مولانا ڈباؤی کے کتب خانہ سے ”غائب“ ہو گیا پھر ملا با زبان کھانا عبدالمسترقی کتب خانہ غازی پور پہنچا اور اب تحت رقم ۷۷۱۱ کتب خانہ کی زینت بنا ہوا ہے اس کا ایک نسخہ اور ہے مگر وہ جدید الخط ہے اس کے کاتب محمد محیب اللہ بن حبیب اللہ العظیم آبادی ہیں اس کی کتابت سن ۱۳۴۹ھ میں ہوئی ہے اب دائرۃ المعارف حیدر آباد نے اسے شائع کر دیا ہے۔

معالم السلف للخطابی مکمل بخط عرب جدید ہے۔ یہ بھی اب شائع ہو گئی ہے، مفسر کے مشہور محدث اور عامل بالحديث سید رشید رضا مرحوم ایڈیٹر المادہ کو ضرورت ہوئی تو ہندوستان میں علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کے ذریعہ تلاش کرائی گر ان کو کبھی کوئی نسخہ بہم نہیں پہنچ سکا۔ البتہ اس کی پہلی جلد جو بنہرہ کے مشہور عالم خاندان مولانا ابوبکر محمد ثنیت صاحب م ۱۹۴۰ کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئی تھی، جو بنہرہ کا نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ہے اور متن سے ان کے یہاں پہنچا تھا۔ اس جلد کو دیکھ کر علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کو نام خطابی کی تصدیق کی جو میں اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ مگر اب یہ گھر

نہ لیکن ڈبواں میں مکمل نسخہ موجود تھا ۱۲۱ کے معارف نذر مرسلہ ص ۳۲۳

شب چراغ، نایاب نہیں، مولانا ڈبازوی نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے کہ قدس اللہ تعالیٰ علیہ
باشتراء هذا الكتاب

التقاسیم والانواع الموعوف بصحیح ابن حبان ناقص (صرف چند اجزاء)
نفقات ابن حبان ناقص، نصف ثانی کے کچھ اجزاء اور جلد ثالث کے تابعین و اتباع اللہ

کے کچھ اجزاء و ربع الرابع کے کچھ اجزاء۔ خط جدید

فوائد الشعریۃ فقہ حنفی پر ترکی زبان میں ہے یہ کتاب شاہزادہ محمد در بخت دلی عہد بہا
شاہ سلطان دہلی کے کتب خانہ کی ہے، اس پر شاہزادہ کی ایک جہر بھی ہے ۳۰۱ ادراک میں ہر
صفحہ میں ۱۶ سطریں میں حروف علی اور کل ۸۰ ابواب میں جس میں سے بعض اسم ابواب یہ ہیں، طہارۃ،
صلوۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، شمائل، معجزات، ازواج مطہرات، وفات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ مولفہ اخون قاسم دلاتی۔

کشف الاستار من زوائد مسند الزیادہ للہندی علامہ نور الدین ابو الحسن الہندی م ۸۰۰ حافظ عراقی
کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور فن حدیث میں ان کو جو کچھ کمال حاصل ہے وہ عراقی ہی کا فیض ہے
انہی کے اشارہ سے علامہ ہندی نے مسند احمد کے ان احادیث کو جو زائد علی الکتاب اللہ میں جمع کیا
جب فارغ ہوئے تو شیخ کے سامنے پیش کیا اور بہت محفوظ ہوئے جس سے حوصلہ بڑھا "نہ
حبیب الیہ هذا الخیر فی فتح الخیر الخیر فی زوائد البزاس سنن کی ترتیب پر ہے
نہ بہت قدیم الخط ہے بلکہ علامہ ہندی کے قلم سے ہے جس سے اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا
ہے۔ مگر افسوس کہ ناقص ہے یہ نسخہ عبدالعزیز زمل مکہ المشرف کے پاس بھی رہ چکا ہے وہاں سے
منتقل ہوتا ہوا ڈبازویں پہنچا کل ۲۵۸ اور ان اور مندرجہ ذیل ابواب میں باب مالہ زکوٰۃ فیہ
مدقۃ الفطر۔ کتاب الصیام۔ کتاب الحج۔ فصل المدینہ و مکہ۔ کتاب الاضاحی والعیید۔ کتاب البیوع
الایمان والنذور۔ الاحکام، اللقطۃ، النعصب، الوصایا، الفرائض، النش، النکاح، الطلاق
الطلاق، النہایات۔ الدیات المہودہ۔

امام بزار روایت پر جرح بھی کرتے ہیں، مگر یہ جرح بہت مختصر ہے، معلوم نہیں کہ علامہ سبکی ایجاز سے کام لیتے ہیں یا امام بزار کی جودیت طبع کا نتیجہ ہے؟ جب تک اصل سامنے نہ ہو کچھ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بہر حال علم حدیث کے مشہور راوی ازہر صاحب سیر و معازی کے امام واقدی کے متعلق فقہ انا کہتے ہیں کہ تکم فیہ اہل العلم، الریح بن مسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ ثقہ مأمون۔ محمد بن الحسن ابن زبائہ کے متعلق یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ لین الحدیث۔ محمد بن ذکوان لین الحدیث، الحسن ابن عمارہ لا یصح بحدیثہ اذا انفرد۔ ایک موقع پر کہتے ہیں کہ نفرد بہ سوار بن مصعب و ہولین الحدیث۔

علامہ ابن ہند نے اس کا نام البحر الزخار فی زوائد البزار بتایا ہے۔

کشف المحجبت عن رمی بوضع الحدیث مؤلف برہان الدین ابوالوفاء سبط ابن العجمی ۸۴۱ھ، نہایت لطیف کتاب ہے اس کی افادیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ" لکھنے لگے تو کشف المحجبت کو تھوڑے نصف سے اپنی کتاب کا مقدمہ بنایا، جدید الخط ہے مگر خود مؤلف کے نسخہ مکتوبہ منظر سے منقول ہے۔

کتاب لشفالغاضی عیاض غایت خوب خطاطی پوری کتاب مطلقاً، اول و آخر کے کچھ ادارہ غائب اس لئے مذکور کتابت معلوم نہ ہو سکے میں جب بھی گیا اس کے اجزاء کو منتشر سی پایا فائداً وانا الیہ راجعون۔

اطراف عبد النبی بن جماعۃ النبی الشافعی مصنف نے اس کا نام ذخائر الموارث فی الدلائل علی مواضع الاحادیث، رکھا ہے مگر اب اطراف بن کے نام سے مشہور ہے یہ کتب سبعۃ (صحاح ستہ اور موطا امام مالک بروایہ یحییٰ بن یحییٰ النیشی) کی فہرست و اندکس ہے، اس موضوع پر دیگر المرن کی بھی کتابیں ہیں ادراہم تو ایک مستشرق نے ۴۴ برسوں کی مسلسل محنت سے ۱۱، کتب احادیث کی فہرست طیار کی ہے، اگر یہ مستشرق فن حدیث سے باخبر ہو تا تو کم مدت میں اور اس سے زیادہ جامع فہرست تیار ہوتی مگر دونوں کی نوعیت میں فرق ہے، اطراف عبد

کے کچھ اجزاء کتبہ علم و حکمت بہار شریف میں بھی موجود ہیں اور دل چاہتا ہے کہ اس کے مقدمہ سے اس فن کی ترتیب و تدوین پر کچھ حالات پیش کر دوں مگر ناظرین کے ملالِ خاطر کے اندیشہ سے قلم خشک کر رہ جاتا ہے۔

معرفۃ السنن والآثار للشیخ فقہ کی دائرۃ المعارف اور بہت اہم کتاب ہے تاج الدین سبکی کا۔ اس کے ہر شافعی فقہی کے پاس اس کا رہنا ضروری ہے۔ چہار ضخیم جلدوں میں ہے مگر مولانا کے نب خانہ میں صرف پہلی جلد ہے جسے صحیحہ میں خرید کیا تھا اس کا ایک نسخہ علامہ شوق بنیویؒ کے کتب خانہ میں بھی تھا یہی کتاب نسخہ زیادہ قدیم اور دوسری جلد کتاب الزکوٰۃ تھا مگر انیسویں

ابو نعیم کنیت، ظہیر حسن نام اور شوق تخلص کیا کرتے تھے، شیخ، بڑے متعلم میں ڈبائوں کے متصل ایک گاؤں ہے کی طرف مولانا منسوب تھے آپ کی ایک رباعی ہے: شوق تخلص ظہیر حسن نام۔ در قریۃ دلتوا زینت است م جسد از پئے کنیت ابو الخیر الہام۔ تاریخ تولد م فہرہ الاسلام (۱۲۷۸) مولانا عبدالحی لکھنوی کے شاگرد تھے کی تصانیف میں سب سے بلند پایہ تصنیف آثار السنن ہے جو آپ کی حدیث دانی کا مظہر ہے اور حق یہ کہ اس کتاب نے حنفی مکتبہ خیال کی دنیا ہی بدل دی اور بہت سے کمزور دلوں سے احساسِ کمتری جانا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اب تو ہر عالم حق اس کو عیب پر کچھ نہ کچھ لکھنا غوی ہے سنا فقہ ہی ادو ادب کے مستند ادیب تھے، لکھنؤ میں جب تھے تو وقت کے اساتذہ سے نوک جھونک

سافرخہ کا بازار گرم رہتا اور جیسا کہ سنا ہے۔ الحمد للہ سمجھوں کو جیت گیا اس سلسلہ میں آپ کا ایک یوان منشی سوز و گداز "یادگار ہے۔ کاش منشی میں مترنم سحر اختیار فرماتے تو یقیناً شہرہ آفاق کتاب "عزیز شوق" میں سم قاتل بیوتا، مولانا کا ذوق بھی قابلِ داد ہے کہ آثار السنن کے ذریعہ مذہبی دنیا میں بھیل ڈال دی کارِ علماء سے خراج تحسین وصول کیا تو ادبی دنیا میں منشی پیش کر کے ساری خلقت کو حیرت میں ڈال دیا۔ نذکی فطین اور طباع تھے ابو عبد اللہ محمد بن یوسف السوری فرماتے تھے کہ مولانا عبدالحی سے ذکاوت سے معلومات میں بڑھ چڑھ کر ہیں موجودہ علماء کا عام خیال ہے کہ وہ مولانا (عبدالحی کا کافراہ ہیں)، بطابت کے باعث زیادہ قیام رہا اور وہیں ۱۱۷۸ھ رمضان المبارک یوم جمعہ بوقت خطبہ انتقال فرمایا اپنے وطن مالوت بنی میں مدفون ہیں، ان لشر وانا الیہ راجعون حضرت شاہ انور صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب لہ میں تھا تو حرم پاک میں دیکھا کہ قرآن خوانی مہوی ہے پر چھپے پر معلوم ہوا کہ شوق بنیوی کو چر کر گئے آپ کے مولانا عبدالحی شید بنیوی سے راقم الحروف کے تعلقات تھے مگر فقہ کے بعد ملاقات نہ ہو سکی۔ سنا ہے کہ ان کے دماغ

نئی کا پورا کتاب خانہ مسجد کے فتنہ میں نذر آتش ہو گیا۔ مکتبہ علم و حکمت نے جو معرۃ السنن والا آثار کا نسخہ شائع کیا ہے اس کے پیش نظر ڈبائوں کا نسخہ تھا۔

تحفۃ الاشراف بمعرۃ الاطراف حافظ ذہبی کے شیخ علامہ مزنی کی تصنیف ہے، م جلد ۱ میں سے حافظ ذہبی نے اس کے کل اجزاء ۸۰ سے کچھ اوپر بتلائے ہیں موضوع کتاب دہی ہے جو ابن جماعہ نامی کی کتاب کا ہے۔ ڈبائوں میں تیسری اور چوتھی مکمل غیر ناقص اور پہلی ادل سے ناقص اور آخر سے تمام اور دوسری جلد آخر سے ناقص ہے، حافظ ذہبی نے اس کی تکمیل بھی کی ہے اس کے اور نسخے بھی ہندوستان کے دیگر کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

کتاب التذکرہ فی علم الحدیث للعلامہ سراج الدین عمر بن الملحق م ۸۰۴، مختصر سا اصول حدیث میں رسالہ ہے، کل دو گھنٹے اس کی تالیف میں صرف ہوئے اور صبح کے وقت یوم جمعہ ۲ جمادی الاولیٰ ۶۲۳ھ میں فراغت ہوئی علامہ سیوطی م ۹۱۱ نے ایک اور رسالہ (المنقح) کا پتہ دیا ہے کا تلبی علی کے قول کے مطابق ”تذکرہ“ اس کا مختصر ہے، اور بعض اہل علم کے نزدیک تذکرہ کا نام کافی بھی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

لوامح النجوم للمتضمن من شمس العلوم ابن سعید حمیری کی سب سے عجیب و غریب تصنیف شمس العلوم ہے جو گو ایک لغت کی کتاب ہے لیکن الفاظ متعلق حمیر دہن کے ضمن میں بہت سے حمیری الفاظ اور ناموں کی تصحیح کی ہے اور ان کے معنی لکھے ہیں جن سے مستشرقین یورپ کو حمیر و سبا کی تاریخ کی ترتیب اور کتبات کے پڑھنے میں بہت مدد ملی ہے، شمس العلوم کا ایک عمدہ نسخہ اسکوریاں و تبریزی میں بھی موجود ہے (ارض القرآن ج ۱ ص ۱۴۱) یہ اسی کی شرح ہے سنہ کتابت ۹۶۱ ھ ہے۔ مقدمہ فتح الباری کا تلبی عینی بن عبد اللہ خانہ کعبہ کے زیر سایہ ۱۲۹۰ھ میں کتابت ہوئی، مائشیل ملا اور حاشیہ کرم خوردہ ہے اس پر کئی ہرے ثبت ہیں ایک میں ”یا محمود“ ۱۲۰۹ھ ہے دوسرے میں بہادر شیخ ۱۱۹۴ھ ہے، تیسرے میں اللهم اجعلنی حامداً لمحمد و آلہ“ ہے ایک اور ہرے جس میں احمد بن ابراہیم ۱۲۳۱ھ ہے۔

نہایہ ابن اشیر غریب الحدیث میں مشہور کتاب ہے سہ کتابت ۹۳۲ھ ہے
 مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف خط نہایت اعلیٰ و پاکیزہ مکتوبہ ۱۱۱۵ھ ہے
 مسلم شریف اس پر علامہ شوکانی یعنی ۱۲۵۰ھ کی تحریر ہے، آپ نے اپنے کسی شاگرد کو نسخہ میں
 اجازت دی ہے۔

سنن ابی داؤد (صرف کتاب الایمان والنذور) ابو داؤد کے نسخے کتاب الایمان والنذور کے تراجم
 و احادیث کے تقدیم و تاخیر میں بہت مختلف ہیں، یہ انہی میں کا ایک ہے۔ خط جید، نفیس، اور مطلب ہے
 الخزانین شرح حسن الحصین علی القاری خط جید مکتوبہ ۱۱۱۲ھ
 تیسرے اصول ابی جامع الاصول فی حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم خط عمدہ و اعلیٰ ہے، دو واسطے سے
 اس نسخہ کا مقابلہ اس اصل سے ہوا ہے جس میں مؤلف کے لڑکے نے پڑھا تھا
 کتاب تحقیق منہج الرتبہ لمن ثبت لہ شریف الصحیحہ لحافظ صلاح الدین العلانی م ۱۱۱۵ھ عہد جدید الخط
 ہے سہ کتابت ۱۱۵۳ھ ہے۔

شرح دقایق المسمی بشرح ابی المکارم مکتوبہ ۱۱۱۵ھ در عہد جاگیر
 خلاصۃ السلوک فی نیش الرفق و السمک لا صوفی الحاجی ابن سعید القیس مکتوبہ ۱۱۱۵ھ در عہد جلوس
 عالمگیر غازی۔

مختصر المعانی بہت خوش خط ۱۱۳۲ھ میں پڑھا گیا ہے۔
 نسائی شریف خط قدیم عتیق فتح الباری مکمل خط قدیم و عتیق، الدراری فی تخریج احادیث الہدایہ
 خط قدیم و عتیق بخاری شریف خط نفیس اور پوری کتاب گویا مطلب ہے۔ ابو داؤد بھی بخاری شریف
 ہی کی طرح ہے، ترمذی شریف خط جید مکتوبہ ۱۲۵۹ھ موطا امام مالک بخط جید مکتوبہ ۱۲۹۱ھ
 تفسیر بحر مواج قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملقب بملک العلماء۔ فارسی از پارہ ہوتا ختم
 ۶- تہذیب سنن ابی داؤد لابن القیم مدینہ منورہ میں ۱۲۱۴ھ میں کتابت ہوئی۔ مولانا نے غایتہ القصہ
 کے ہاشم پر اس کو شائع بھی کیا ہے۔

یعنی شرح بخاری ج ۴ غایت باریک اور بہت خوشخط۔ تفسیر مجمع البیان۔ للشیخ فقیہ الشیعہ ابی جعفر محمد بن الحسن الشیعہ الطوسی م ۱۷۵۷ از سورۃ فصلت تا ختم قرآن مجید، حروف اعلیٰ دیکھ کر تفسیر بیضادی مکتوبہ ۱۷۵۷، فتویٰ سراجیہ بخط قدیم و عتیق ۱۷۵۷، کتاب الاشباہ والنظائر الخویہ مکتوبہ ۱۷۵۷، مفتاح المعانی شرح مشنوی سید عبدالفتاح الحسینی العسکری مکتوبہ ۱۷۵۷، مگر جلد اول کے شروع کے چار پانچ ادراقی غائب، اب آخر میں چند کتابوں کے نام کو بیان کر کے اس داستان سرائی کو ختم کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو گا کہ مولانا کے کتب خانہ میں کتنا تنوع تھا۔

کتاب الکلیں فی استنباط آیات التزئیل۔ الآقان جامع صغیر۔ اشعة اللمعات، کتاب العمدۃ المجمع الصغیر للطبرانی بروایت ابی بکر محمد بن عبداللہ۔ نزہۃ الحفاظ لابن موسیٰ الحافظ، استدراک ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا علی الصحابہ جامع ابو منصور عبدالحسن بن محمد بن علی البغدادی، حاشیہ سن اسانید محمد عبداللہ السندی الانصاری۔ فتح القدر شرح جامع صغیر للمناوی۔ لمعات التنبیخ فی شرح مشکلات المصابیح۔ ناقص الطرفین، شرح عمدۃ الاحکام لابن دین عبدخط قدیم۔ ذکر الساء من الکلم فیہ وہو موثق للذہبی۔ جامع الاصول من احادیث الرسول لابن الاثیر، کتاب لقرآۃ خلف الامام بہیقی، شرح شمائل ترمذی للشیخ محمد الخفئی ۱۹۲۷ میں تالیف سے فراغت ہوئی، علی شرح موطا لمولانا مسلم بن شیخ الاسلام بن فخر الدین۔ موطا امام مالک خوشخط مکتوبہ ۱۷۵۷۔ اجزاء کتاب التہجد لابن عبد البر اجزاء مصنف بن ابی شیبہ۔ اجزاء تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ تحفۃ المجالس برویۃ النساء سیوطی، شرح الفی منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرض والاعتراف ابن تیمیہ۔ کتاب تنبیہ المغترین للشرانی، خوشخط انصراف لمن عجز التالیف زہراوی۔ کتاب الاختلاف شافعی بردایہ ربیع بن سلیمان بحر الرائق بخط حسن فصول الاحکام نامعلوم الاحکام المشہور بقبول العمادی فی فردغ الحنفیہ صرف معاملات مولانا شیخ جمال الدین بن عماد الدین الخفئی، کتاب حلبی کا بیان ہے کہ ۱۷۵۷ میں تالیف سے فارغ ہوئے خزانۃ الروایات فقہ، من لا یحضرہ الفقہ تالیف ابو جعفر محمد بن علی القمی، تہذیب الاحکام نقض خطبہ حجرہ منبرہ ارکان اردو مولانا عبد العلّی، جواہر الفتاویٰ تالیف شیخ امام رکن الدین ابوبکر۔ شرح نواف

شرح مسلم القیموت مولانا عبدعلی توفیق، حاشیہ دارالاصول شرح مسلم القیموت ملا حسین ملاحلال، حاشیہ زادشیر محمد قفسی۔ شرح محبیطی، شرح مطالع۔ کتاب الارشاد و نحو، مصباح دکانیہ علم نحو۔ ہشت بہشت امیر خسرو، فرامین شیخ ابو الفضل ہر سہ دفتر۔

ان کے علاوہ کتب خانہ میں اور بھی بہت سی گراں قیمتیں کتابیں تھیں، پر مولانا کے بعد خانہ جو گئیں، پھر بھی جو بچ گئی تھیں وہ کم از کم نہ بقیں مگر اس کو کیا کیا جائے کہ فلک کچ رہتا رہا اسے بھی نہ دیکھ سکا۔ اور سترہ کے ہنگامہ کے بعد سچی کچی کتابیں مشرقی کتب خانہ بانگی پور میں داخل کر دی گئیں۔

ادرب غالباً مولانا کے مکان میں مسلم بناہ گز بن مقیم ہیں۔ نیا اسفا! دوا حسترا۔

فَلَکَ الْاَیَّامُ نَدَّ اِدْلُہَا بَیْنَ النَّاسِ

تفسیر منظر ہری

نام عربی بدسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے ہمیشہ تحفہ ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں کھینچ سکتی، لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گومر زایا یا بھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ - سالہا سال کی زبردست کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں ۲ ہو چکی ہیں جو کاغذ دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں بی ہیں۔

بدیہ غیر خلد جلد اول تقطیع ۲۲ x ۲۹ سات روپے، جلد ثانی سات روپے جلد ثالث آٹھ روپے

جلد رابع پانچ روپے جلد خامس سات روپے جلد ششم آٹھ روپے جلد ثامن آٹھ روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ادبیت کا

ایران

(از جناب رودیس صدیقی،
ایران میں تیل کی صنعت کو قومی بنانے کی تحریک سے متاثر ہو کر

مرحبا جلوہ گاہ لاله و ریحان و ایام
تجربہ سے روشن ہوا پھر مغل مشرق کا چراغ
علم و عرفان و محبت کے نشمین پہ سلام
سعدی و حافظ و خیام کے گلشن پہ سلام
تا ابد خطہ خورشید نگاراں آباد
چمن آباد ، گل آباد ، بہاراں آباد
حسنِ فطرت کی دلاویز کہانی دائم
سرد شمشاد و صنوبر کی جوانی دائم
خٹکی آبِ رواں ، موجِ صبا زندہ باد
آتشِ سیہ اربابِ وفا ، زندہ باد
زندگی تمکنتِ عشق سے مغرور رہے
اپنی جانبِ ننگاں زگسِ مخمور رہے
فاک نازاں ہو کہ دراصل گلستاں ہوں میں
ذرے ذرے کو مہوا حساس کہ ایران ہوں میں

دہلی ایران جو مٹ مٹ کے سنورتا ہی رہا
 وہ گلستاں جو خزاں میں بھی نکھرتا ہی رہا
 جس کی تہذیب کا سایہ درد دیوار پہ ہے
 جس کی تخلیق کا غازہ رخ افکار پہ ہے
 مدتوں، خوابِ قدامت نے سلایا اس کو
 آخرش، برقِ حوادث نے جگایا اس کو
 جبرِ اغیار سے احساسِ خودی جاگ اٹھا
 صبح سے قبل ہی خورشیدِ نوی جاگ اٹھا
 شفقِ افروز ہوئی صبحِ تغیر کی حبس
 لبِ مزدور پہ ہے خطبہٴ مزدور خیز
 صبر نے توڑ دیا، جبر کی زنجیروں کو
 عزم نے موڑ دیا، ظلم کی شمشیروں کو
 مسکراتا ہوا اک دشمنِ بیدار اٹھا
 عہدِ پیری میں لئے بہت فراہ اٹھا
 جرأتِ عزمِ مصدق نے بڑا کام کیا
 صبح کو نذر گزارِ شفقِ شام کیا
 نازِ تزدیر کو تھا جس پہ وہ دیوار گئی
 نقشِ باطل کی طرح سطوتِ اغیار گئی
 یہ بھی اے سمیتِ ردِ شن نگہاں ہونا تھا
 سرنگوں، شمعِ فرنگی کو کہاں ہونا تھا
 عزم سے تیز رہ ~~ورسم~~ بدل سکتی ہے

لالہ زاروں کی زمیں آگ اگل سکتی ہے
 بوئے گل، تنگ دلوں کے لئے زنجیر بھی ہے
 شاخِ گل، غیظ میں آجائے تو شمشیر بھی ہے
 تیز رگ رگ میں ادھر آتش کر دار ہوئی
 سرود خاموش ادھر شوخی گفتار ہوئی
 خود سری خواب ہوئی نازِ ستمکاری کی
 رنگ درودِ عن کی نہیں جیت ہو خود داری کی
 ظلمتوں کے کسی گوشے میں آجالا تو ہوا
 ختم میراثِ فرہنگی کا قبلا تو ہوا
 فتنہ انگیزیِ اغیار اگر باقی ہے
 خاکِ ایران میں امکانِ فترت باقی ہے

غزل

(از جناب اٹم مظفرنگوی)

مشکلیں صحتی تعیں سحرِ غم میں آساں کر چکے
 تاب کے مرغِ سحر یہ دعوتِ جوشِ جنوں
 ڈھونڈتے ہیں غم کی اُن پھالوں کو جاؤ کہ بھی
 اب نہیں ہے سنج بزمِ طور کی حاجت تجھے
 خاک سے کشتوں کی پھر بننے لگیں آبادیاں
 نازِ زنجیر کی آواز بھی آتی نہیں
 باغبانِ تجھ کو مبارک آمدِ فصلِ بہار
 کچھ نگاہِ ناز کو گھبرا کے سمجھانے لگے
 شکریہ اے نو بہارِ گلشنِ بہستی کہ ہم
 پوچھنے بھی آئے تو کب آئے یارانِ چین
 صرف وہ جلوے ہیں دانا نے رموزِ شوقِ دید

نا خدا ہم کشتیِ دلِ نذرِ طوفان کر چکے
 اب تو گلہائے جنِ بزرے گریباں کر چکے
 جن کو اہل دردِ پیوستِ رگِ جاں کر چکے
 میرے غم خانے میں شکِ خوں جڑھا کر چکے
 تم تو کہتے تھے کہ ہم عالم کو دیراں کر چکے
 کیا اداِ فرضِ جنوں قیدیِ نڈاں کر چکے
 وہ جن میں کیا رہیں جو قصدِ نڈاں کر چکے
 جب وہ اجزائے ددِ عالم کو دیراں کر چکے
 پردہ ہر گل میں سیرِ داغِ حراں کر چکے
 آئیاں جب ہم بھرے گلشنِ مریں کر چکے
 طیرِ پر جو امتحانِ چشمِ حیراں کر چکے

عاجلے وہ اپنی اپنی منزلوں پہلے آئے
 جن کے موجوں کے تھپتھپے غرقِ طوفان کر چکے

تصویر

ہفت رنگ | از پنڈت بال مکندر عیش بی۔ اے۔ تقطیع متوسط صفحات ۱۹۲ کتا بہت طبعیت عمدہ، قیمت مجلد تین روپے، پتہ :- ہندوستان میں، رہنمائے تعلیم بک ڈپو مفتی دھلان دہلی، پاکستان میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی دفتر رہنمائے تعلیم رام گلی لاہور۔

ہفت رنگ پنجاب کے مشہور شاعر عیش صاحب منسیانی کے کلام کا نہایت پاکیزہ اور نکھر اٹھا مجموعہ ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شاعر نے اس مجموعے میں اپنا کلام سات رنگوں میں لکھا، پہلا رنگ ”خون آدم“ دوسرا رنگ ”نوائے عشق“ تیسرا رنگ ”واردات“ چوتھا رنگ ”سوز و گداز“ پانچواں رنگ ”متفرقات“ چھٹا رنگ ”خرابات“ ساتواں رنگ ”گیت“

ساتوں رنگوں میں ہر رنگ ظاہری اور معنوی حسن و دل آذیری کا نہایت اچھوتا مرقع ہے اور شاعر کی پختہ مذاقی اور خوش فکری کی دلیل روشن۔

عیش ہماری زبان کے نہایت کہنہ مشفق، سنجیدہ مذاق اور خوش گو شاعر ہیں اور قدیم و جدید دونوں اسکولوں میں مقبول و ہر دل عزیز ہیں،

بقول جوش ملیح آبادی ”ان کی شاعری میں روح اور بیان میں حرارت ہے“ اور بقول ہری چند اختر عیش شعر کے کلاسیکل انداز کو کبھی نہیں چھوڑتے اور جیسا کہ علامہ برج موہن دتا نے یہ کیفیت لکھا ہے ”چونکہ ان کی تعلیم میں مشرقی اور مغربی دونوں ادب داخل تھے مذاق سلیم اور طبعیت ہمہ گیر تھی انھوں نے دونوں کے محاسن کو اپنے کلام میں سمولیا جیسا انرا اور لوچ ان کی غزل میں ہے دیباہی زور اور دقت نظر ان کی نظموں میں ہے گیت بھی خوب لکھتے ہیں ان میں تاثر اور روانی قابلِ تفریق ہے پاکیزہ جذبات کے ساتھ موسیقیت بھی ہے“

دوسری بہت سی خصوصیتوں کے علاوہ عیش کی یہ خصوصیت خاص طور پر قابلِ داد ہے کہ ان کی غزلیں خیالات و جذبات کی جدت کے ساتھ پوری طرح رنگین و لطیف بھی ہوتی ہیں

وہ پڑانے ساعز میں بادۂ نوکچہ اس طرح بھرتے ہیں کہ ہر مکتب خیال کا صاحب ذوق سرد صحنے گناتا ہے ”خون آدم“ کی کسی کسی نظم میں مذہب پر ایک لطیف قسم کا طنز بھی نظر آتا ہے۔

مثلاً کم ظرف دنیا والی نظم کا ایک شعر ہے

جو دھرم پی پتی دیکھ چکے ایمان یہ جو گزری کچھ
اس ”رام“ ”درجیم“ کی دنیا میں انسان کا جینا کھل ہے

شکستہ میں مذہب کے نام پر وحشت دہریت کئے تھو لٹاک مظاہر دیکھے گئے ہیں، اس کے

بعد زنی پسند اور حساس شاعروں کے کلام میں اگرچہ اس طرح کے طعنے کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں

ہیں تاہم خوب ہوتا اگر یہ صاف ستھرا ”دست گل“ ان سے آلودہ نہ ہوتا، شاعر کو معلوم ہے کہ

”رام“ ”درجیم“ کی دنیا میں محبت، خدمت، برداداری، چشم پوشی اور صبر و برداشت کے علاوہ

کوئی چیز نہیں ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری غلط کار اور غلط اندیش جھوٹے مذہب

پر سنوں پر ہے جو مذہب اور مذہب کی حقیقی تعلیمات سے یکسر بے گانہ ہیں بہر حال اس نفیس

مجموعے کی تمام غزلیں، نظمیں، گیت، ارباب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہیں اور ہر طرح کی داد کی

مستحق ہیں کسی بہت عاتق شفاف چیز پر معمولی سادہ کلمے بھی کبھی بری نظر سے پکانے کے لئے بھی

ہوتا ہے،

اردو کی بے بسی اور بے نواہی کے اس دور میں خود ستارے ہوئے ہندوؤں کے ایسے

دل پذیر کلام کی اشاعت اس بات کی ضمانت ہے کہ اس لطیف و شیریں زبان کو کوئی اندھی طاقت

اور کوئی بہرہ نصیب سرزمین ہند سے مٹا نہیں سکتا۔

(ع)

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔
قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے جلد سات روپے آٹھ آنے میں
اسلام کا اقتصادی نظام دت کی اہم ترین
کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش
کیا گیا ہے جو نچو ایڈیشن قیمت پندرہ روپے
اسلام نظام مساجد قیمت پندرہ روپے جلد للہ
مسلمانوں کا عروج و زوال :-
جدید ایڈیشن - قیمت للہ روپے جلد ص
مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ
لغت قرآن پر پہلے نثر کتاب - جلد اول - طبع دوم
قیمت للہ روپے جلد ص
جلد ثانی قیمت للہ روپے جلد ص
جلد ثالث قیمت للہ روپے جلد ص
جلد رابع (زیر طبع)
مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف
ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب النظم الاسلامیہ
کا ترجمہ - قیمت للہ روپے جلد ص
ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت
جلد اول :- اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب
قیمت چار روپے للہ جلد بائیں روپے ص
جلد ثانی :- قیمت چار روپے للہ جلد بائیں روپے ص

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر
محققانہ کتاب - قیمت ۷ - جلد ص
ترجمان السنہ جلد اول - ارشادات نبوی کا
بے مثل ذخیرہ - قیمت نلہ جلد للہ
ترجمان السنہ جلد دوم - اس جلد میں چھ سو کے
قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت للہ روپے جلد للہ
تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند سفر قیمت ستر
قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمات
قرون وسطی کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامے
جلد اول - قیمت چار روپے جلد ص
جلد دوم قیمت پندرہ روپے جلد ص
عرب اور اسلام :-
قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے جلد چار روپے آٹھ آنے للہ

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی
محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر
انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا ایمان اور نقشبند آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی
گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت پندرہ روپے جلد ص

چند

مینجندوۃ المصنفین - اردو بازار جامع مسجد دہلی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ **محسن خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے کیست مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسن خاص کے محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادا اسے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محسنین** جو حضرات یکس روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خاص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات حق کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلا کسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ **معاونین :-** معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **اجتہاد** - اجتہاد کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے اجتہاد میں ہوگا۔ ان کو رسالہ یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان (۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس لٹا نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ آنہ کا نوٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہو۔ (۵) قیمت سالانہ چھ روپے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ۔ (۶) مئی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پراپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کر کے دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مترتب
سعید احمد کسرا بادی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی و تاریخی مطبوعہ

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ تاریخ ملت کا سر

جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی

کئے گئے ہیں قیمت ۳۰، جلد للہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام

کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہو اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر

بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر ہوا اور سلیقہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں

یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت ۲۰ جلد ۲۰

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ،

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان۔ قیمت ۲۰ جلد ۲۰

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ،

قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ جلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ،

قیمت دو روپے۔ جلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ، قیمت ۲۰ جلد للہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ، قیمت للہ، جلد ۲۰

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ تاریخ ملت کا سر

مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۱۰۰

قیمت تین روپے چار آنے۔ جلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ درج

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے ا

اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ۲۰ جلد ۲۰

غلامان اسلام انٹرویو سے زیادہ غلامان

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصی

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت ۲۰ جلد ۲۰

اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاطلاق

ایک بسطوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین

نزدیک کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے

قیمت ۲۰، جلد ۲۰

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات

واقعات تک۔ قیمت ۲۰، جلد ۲۰

قصص القرآن جلد دوم حضرت یونس

حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت ۲۰ جلد

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے

کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت ۲۰ جلد ۲۰

بُرْهَانُ

جلد سبست و ہفتم شماره نمبر ۲

اگست ۱۹۵۱ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

- | | |
|---|---|
| ۱۔ نظرات | سید احمد |
| ۲۔ ندوین حدیث | حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی |
| ۳۔ مختار بن ابی عبید النعمانی | ڈاکٹر خورشید محمد فاروق ایم۔ اے پی۔ ۱۔ پی۔ جی۔ ڈی |
| ۴۔ تاریخی حقائق | مولانا ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم مصیذہ ساخ |
| ۵۔ علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث | جناب خواجہ حافظ محمد علی شاہ صاحب |
| ۶۔ امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ | جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی |
| ۷۔ مصارف زکوٰۃ کے سلسلے میں چند ضروری باتیں | جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی |
| ۸۔ ادبیات | ۱۲۲ |
| رثاء اقبال - غزل - | مولانا مناظر احسن گیلانی - جناب آلم مظفر نگری |
| غزل | جناب ابوالآزہ صابری |
| ۹۔ تنقیرے | (ع) |

نَظَرُ

گزشتہ اشاعت کے نظرات ملاحظہ فرمانے کے بعد علی گڑھ کے ایک بزرگ اپنے مکتوب گرامی میں

تحریر فرماتے ہیں:-

”ہرآن میں آپ کے نظرات کا بہت غور سے مطالعہ کیا آپ نے خوب لکھا ہے اور آپ کا نظریہ بالکل صحیح ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انگریزی اخبارات میں ایسی باتوں کا تذکرہ نہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیکولرزم مست بالعمی کی طرح مسلم کالج کو روندنا ہوا آ رہا ہے خدا خیر کرے۔“

اس کے بعد یونیورسٹی کی جواب موجودہ اندرونی صورت حال ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

”اگر اساتذہ اور غیر مسلم طلباء کی یہی رفتار رہی تو چند سالوں میں یونیورسٹی کے اندر عجائب گھروں میں رکھنے کے لئے بھی مسلم طلباء اور اساتذہ نظر نہ آئیں گے۔ ہم دعا گو کہ وقت غیر مسلم اور مسلم طلباء میں بالکل برابری کا سلوک کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک کلاس میں ہم کو پچیس طلباء لینے ہیں اور اس کے لئے سو درخواستیں ہوتی ہیں تو چونکہ غیر مسلم طلباء تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں انہیں بھی تعلیمی اعتبار سے ان کا بیک گراؤ نہ بہتر ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر کلاس میں غیر مسلم طلباء زیادہ بھر جاتے ہیں اور مسلم طلباء کو باؤس ہونا پڑتا ہے یہی حال اساتذہ کے انتخاب کے وقت ہوتا ہے غیر مسلم امیدواروں وغیرہ کے معاملہ سے بہتر ہوتے ہیں اس لئے ان کو لینا پڑتا ہے۔“

آخر میں لکھتے ہیں ”کہ جب تک یہ نہیں کیا جائے گا کہ مسلم یونیورسٹی میں مسلمانوں کو کچھ سہولتیں اور خاص سائیا دی جائیں اس وقت تک حالت بہتر نہیں ہو سکتی۔“

حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہم کو شکوہ کسی سے نہیں رہنا اور ماتم ہے تو اپنے ہی مسلمان زعما اور اکابر کا ہے جو اگر مزبان سے ہند کو اپنا ملک اور یہاں کی گورنمنٹ کو اپنی گورنمنٹ کہتے ہیں لیکن غیر ہندو ہانہم شعوری طور پر ان کے دل و دماغ اس درجہ مرعوب اور خوف زدہ ہیں کہ وہ اپنے مسائل پر ٹھنڈے

اور مطمئن دماغ کے ساتھ غور بھی نہیں کر سکتے اور اگر غور کرتے بھی ہیں تو ان کا دل جس چیز کی طرف بلاتا ہے اور ان کی عقل انھیں جو مشورہ دیتی ہے اس کو جرات دے دے باقی کے ساتھ گورنمنٹ یا پارلیمنٹ کے سامنے اس طرح پیش نہیں کر سکتے جس طرح کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کے سامنے اپنا مطالبہ پیش کر سکتا ہے تو یہ اہم اجتماعی معاملات میں بسا اوقات ایسے لمحے آتے ہیں کہ اگر ان کی نزاکت کو محسوس کر کے بیدار مغزی اور کامل جرات کے ساتھ کوئی اقدام نہ کیا جائے تو پھر اس سہل انگاری کی مکافات صدیوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔

آج حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کا معمول اور تعلیم یافتہ طبقہ بہت کچھ اپنے وطن کو خیر آباد کہہ چکا ہے اور غلط بہت جو باقی رہ گیا ہے اس میں سے بھی جس کو جب موقع مل جاتا ہے چپکے سے چل نکلتا ہے۔ جو جوانوں کا عالم یہ ہے کہ بونپورٹی کا امتحان یہاں دینے میں اور نیچو دوسرے ملک میں سنتے ہیں اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح جانے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ملازمت نہ ملنے کے خوف اور اندیشہ سے جاتے ہیں اور اس طرح گویا اپنی خوشی سے نہیں بلکہ حالات کی مجبوری اور ان کے دباؤ سے ترک وطن کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن بہر حال صورت حال یہ ہے کہ ملک میں جو مسلمان رہ گئے ہیں ان میں زیادہ تر وہ ہی لوگ ہیں جو غریب ہیں یا تعلیم یافتہ ہیں اور جو معمولی قسم کے کاروبار کے ذریعہ اپنا درآمد اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں پس اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اچھوتوں کے ترقی پا جانے سے ملک کے سماجی نقشے میں جو خانہ خالی ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کی غاۓ پری نہیں کرتی ہے بلکہ باعزت زندگی بسر کرنی ہے تو لامحالہ انھیں غریبوں کے بچوں کی تعلیم کا اہتمام انتظام کرنا ہو گا۔ تعلیم پانے کے بعد ان کو ملازمت ملے یا نہ ملے اس سے بحث نہیں محض تعلیم یافتہ ہونا ایک باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہے جو شخص صحیح معنی میں تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ جو کام بھی کرنا ہے سلیقہ عمدگی اور ہوشیاری کے ساتھ کرتا ہے اور آخر کار ناکام نہیں رہتا۔

ظاہر ہے کہ یہ غریب مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام کر نہیں سکتے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر مسلم بونپورٹی میں بھی ان کے لئے جگہ نہیں نکل سکتی تو پھر یہ کہاں جائیں۔ اور کیوں کر تعلیم حاصل کریں، سیکولرزم میں ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ ہوتا ہے بے شبہ یہ اصول بڑا مبارک اور قابل احترام ہے۔ لیکن غور کرنا چاہئے کہ اگر اس اصول کے عام اطلاق کی وجہ سے قوی اور کمزور دونوں مزدوروں

سے یسکان کام لیا جائے ایک زیادہ بھوکے اور دوسرے کم بھوکے کو دونوں کو برابر کی خوراک دی جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

اس بنا پر یہ بالکل کھلی اور صاف بات ہے کہ مسلمان اس ملک کے آئندہ سماجی جسم کے ایک مضبوط اور توانا عضو کی حیثیت سے اس وقت تک ہرگز نہیں رہ سکتے جب تک کہ ان کی موجودہ اقتصادی اور معاشی زبوں حالی کے پیش نظر اولا تعلیم اور پھر اقتصادی ذرائع کی تحصیل ان دونوں کے لئے ان کے ساتھ خاص خاص مراعات نہ کی جائیں گی اور اس طرح عظیم جدوجہد اور مسلسل کوشش و اہتمام کے ذریعہ ان کو اپنے برادران وطن کے ساتھ چلنے کے قابل نہ بنایا جائے گا۔ یہ مراعات اور یہ سہولتیں اگر مسلم یونیورسٹی بھی ان کو نہیں دے سکتی — اور اس لئے نہیں دے سکتی کہ وہ داخلہ کے امیدوار طلباء کی قابلیت دلیاقت کو سیکولرزم کے پیمانہ سے ناپتی ہے تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات میں صرف ڈاکٹر ذاکر حسین کا دانس چانسٹر ہونا اور بڑے بڑے علماء کا ممبران کورٹ ہونا اس سخت دہر گشتہ نصیب قوم کے لئے کچھ بھی اعتماد و اطمینان کا سہارا ہو سکتا ہے!!

کہا جاتا ہے کہ داخلہ کو سیکولر نہ رکھا گیا تو گورنمنٹ گرانٹ نہ دے گی اور یونیورسٹی نہ چل سکے گی لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں سیکولرزم کے یہ معنی ایسی غلط ہیں۔ چنانچہ مدرسہ عالیہ کلکتہ جو صرف مسلمان طلباء کے لئے مخصوص ہے اور جس میں آج کل آئندہ سو طلباء تعلیم پا رہے ہیں اور جس کے سبب آئندہ بھی مسلمان ہی ہیں مغربی نیگال کی حکومت کی سرکاری درس گاہ ہے اور اس بنا پر اس کے تمام اخراجات کا تکفل گورنمنٹ ہی کرتی ہے اسی طرح شانتی نیچن کو ابھی حال میں گورنمنٹ نے یونیورسٹی کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے لیکن اس درس گاہ کی جو خصوصیات ہیں وہ اعلیٰ حالت کا قائم رہیں گی۔ اس کو بھی ساتھ ہی مان لیا گیا ہے اس بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ اگر بائیان مسلم یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد کی ترغیب مالی حوصلگی۔ بلند ہمتی اور خلوص و ہمدردی کے ساتھ کی جائے تو اس کا اثر نہ ہو۔ فہل من مدلکہ

تدوین حدیث

محاضرہ چہام

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

(۱۹)

جس کا نتیجہ ہوا کہ بصرہ سے وہ کوفہ چلا آیا، کوفہ میں بھی اس کے ساتھ بظاہر کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی۔
 صرف کوفہ سے باہر ہو جانے کا حکم دیا گیا، وہ مصر چلا گیا، یہاں کی حکومت ایسے حالات میں مبتلا تھی
 کہ اس نے اتنی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور مصر میں کیا کر رہا ہے، اطمینان
 کے ساتھ اس کو موقوف مل گیا کامل ابن اثیر وغیرہ میں ہے

فاستقر بھا وجعل یکا تبہم
 مصری میں ابن سبا ٹھہر گیا اور اس کی سازش
 ویکا تبونہ وتختلف الرجال
 میں جو شریک تھے ان سے وہ خط و کتابت
 بینہم ۵۵
 کرنے لگا وہ انہیں لکھتا اور وہ اسے لکھتے اور

لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا

مصری سے اس نے صحابیت کے خلاف طوفان اٹھایا اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے

بث دعائے وکاتب من استسفا

اس نے اپنے گوسندوں اور نمائندوں کو راطرات

فی الامصار وکاتبوہ و دعوا

ملک میں بھیجا اور ان لوگوں سے خط و کتابت شروع

فی السراالی ماعلیہ راؤہم

کی جوالامصار (فوجی جہاد نہیں میں) بجز دھکے تھے

وہ بھی انہیں لکھتا اور وہ اس کو لکھتے اور پوچھتے

طرفوں سے لوگوں کو ان ہی باتوں کی دعوت دینے
لگے جو ان کی رائے تھی۔۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے مخبرہ دوسرے ذرائع کے
ایک بڑا حربہ جسے ابن سبا اور اس کے دعوت دکارندے جو تمام امصار میں بکھرے ہوئے تھے
استعمال کر رہے تھے وہ جھوٹی حدیثوں کا سلسلہ تھا جسے جہاں ضرورت پڑتی وہ پیغمبر کی طرف منسوب
کر کے لوگوں میں پھیلاتے رہتے تھے آخر فتنے نے زور پکڑا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید
ہوئے ان کے شہید ہونے کے بعد بھی فتنہ نہ دبا۔ مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ روایات سے
معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا اور جن لوگوں کو اپنے زیر اثر لے آئے میں وہ کامیاب ہوا تھا "اصطلاحاً جہنم
"السیاہ" کہتے تھے، ان خانہ جنگیوں میں عموماً یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج میں گھلے ملے
رہتے تھے مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلا معرکہ جو اس سلسلہ میں جنگ جمل کے نام سے پیش آیا
قطعاً پیش نہ آتا اگر غلط فہمی میں طرفین کو مبتلا کر کے ساتیوں کی جماعت صلح کو جنگ سے عین دقت پر
بدل دینے میں کامیاب نہ ہو جاتی۔ جمل کے بعد صفین اور خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ یکے بعد دیگرے
جاری رہا، ساتی اندر اندر کیا کر رہے ہیں، مسلمانوں میں کس قسم کے خباثت اور بے سرو پا حدیثیں پھیلا
رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان امور کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ایک
زمانہ تک نہ ملا، حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے تھے آپ ہی کی فوج اور آپ ہی کے آدمیوں کے ساتھ مل
جمل کر رہے تھے لیکن بات آخر کہاں تک چھی رہتی، لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت
کے مشہور بزرگ مسیب بن نجبه ایک دن عبداللہ بن سبا کو پکڑے ہوئے کو ذکی جامع مسجد میں منبر
کے سامنے کھڑا کر کے اعلان کر رہے تھے کہ

لے فقہ راویوں میں ان کا شمار ہے حضرت علی اور حضرت علیہ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ علاوہ قادیسیہ کے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ صفین وغیرہ کی جنگ میں بھی شریک تھے، لیکن زیادہ شہرت ان کی اس خاص لغو
کی وجہ سے ہوئی جو حضرت امام حسین کی کربلا میں شہادت کے بعد عین البورہ کے مقام پر اس دقت پیش آیا

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ^{۲۸۹} لَکُمۡ لَیِّنٌ
 یہ (یعنی ابنِ سبا) اللہ اور اس کے رسول کی طرف چلتی
 باتیں بنا بنا کر منسوب کرتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پرمی اس کی دوسری کاروں کا راز آخر میں واضح ہوا، صحابیت کے خلاف
 طوفان کو اس نے اٹھایا تھا آپ نے پہلے تو اس فتنہ کی طرف توجہ فرمائی اعلانِ عام آپ کی طرف
 کر دیا گیا تھا کہ اس قسم کی باتیں کرنے والوں کو کوڑے کی سزا دی جائے گی خود ابنِ سبا کو بلا کر آپ نے
 بہت کچھ سمجھایا سمجھایا۔ یہ جو وہ پھیلاتا پھیلاتا تھا کہ قرآن کے سوا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 وہی ملامت حضرت علیؓ تک پہنچے ہیں بھری مجلس میں آپ نے اس کے سامنے انکار فرمایا لیکن پھر بھی
 بے حرکات سے جب باز نہیں آیا تو اس کے منہ پر آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیش چالو
 پیدا ہونے کی جو خبر دی گئی ہے ان میں سے ایک تو کبھی ہے اور حکم دیا کہ کوڑے سے اس کو باہر
 اجلے لیکن ایک اس کے باہر ہونے سے کیا ہوتا، وہ تو ایک گروہ اپنا پیدا کر چکا تھا جو ہر طرف
 کی آگ بھی سلگاتے پھرتے تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں میں جھگڑی
 بن کر دوامِ دے رہے تھے، بیان کیا گیا ہے حافظ بن حجر نے بھی لکھا ہے کہ آخر میں
 تِلْكَ اَحْرَقَهُمْ عَلٰی فِیْ خِلَافَتِہٖ لِسَانِہٖ ^{۲۹۰} ملا دیا حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو اپنی خلافت کے
 زمانے میں۔

اشیاء موقوتہ جب تو امین کے نام سے قتل حسین کا بدلہ لینے کے لئے ابنِ زیاد کی فوج سے کوفہ کی ایک جماعت
 سبب بن نجاسی واقعہ میں شہید ہوئے، تو امین کی جماعت میں ان کا نام بہت نمایاں ہے ۱۲
 زنت علی کرم اللہ وجہہ نے خصوصی طور پر ان لوگوں کو نذر آتش کرنے کا حکم کیوں دیا اس کی توجہ میں لوگوں نے مختلف
 مئی ہیں اگر یہ خیال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیث کے بیان کرنے کی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ اپنا ٹھکانہ وہ لوگ (انار) کو بنالیں، ممکن ہے کہ اس "انار"
 یہ علیؓ دینا اور آخرت دونوں آگوں پر حادی خیال فرماتے ہوں تو شاید یہ توجہ بھی عید نہ ہو، نیز اس روایت
 میں کا ذکر گذر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کے لئے حکم دیا تھا کہ اس
 ! جلسے استدلال کیا جاسکتا ہے ۱۳۔

قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ ان جھٹنے والوں میں خود ابن سبأ بھی شریک تھا یا نہیں لیکن الذہبی کا بیان ہے کہ

۱۔ حسب ان علیاً حرقہ بالناس مٹا میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت علیؑ نے اس کو بھی آگ ہی میں جلا دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت والاک کی طرف سے دار و گیر میں سختی سے اگر کام نہ لیا جاتا تو خدا ہی جانتا ہے کہ کچھ دن اور بھی فرصت ان بد بختوں کو اگر مل جاتی تو کیا کچھ کر گزرتے تاہم کم و بیش چار پانچ سال کے عرصے میں کام کرنے کا جو موقعہ ان کو مل چکا تھا دوسرے مفاہد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے امصار اور فوجی نوآبادیوں کے اندر بے سر دبا حدیثوں کے جس ذخیرے کو انہوں نے پھیلا دیا تھا اور چون کہ سیدہ فدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یا آپ کے بعض خاص خاص صحابیوں میں جن میں حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے سوا ابوذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد بن اسود وغیرہم حضرت بھی تھے ان کے ناموں سے بھی کام لیا گیا تھا اس لئے سیدھے سادے عام مسلمان دوسروں سے بھی ان حدیثوں کا تذکرہ اس اعتماد کے ساتھ کرتے کہ گویا واقعی یہ رسول اللہ اور آپ کی صحابیوں ہی کی باتیں ہیں اس فتنے کے سد باب کے لئے کیا کیا جائے؟ یقیناً اس وقت کا یہ بہت بڑا سوال تھا، کتابوں میں لکھا ہے کہ خود حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر کے جن باتوں کو عبد اللہ بن سبا اور اس کے رفقاء کار مسلمانوں میں پھیلاتے پھرتے تھے اور لوگ آپ سے اکران کا ذکر کرتے تو حضرت بے چین ہو جاتے۔ بے ساختہ زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے۔

مالی دلهذا الخبیث الا سود ص ۳۹۹ اس سیاہ کالے گندے خبیث کو مجھ سے کیا تعلق پھر آپ کی طرف منسوب کر کے جن باتوں کو لوگوں میں وہ پھیلاتا تھا اس کی تردید فرماتے۔ لیکن قصہ کسی ایک جگہ کا تھا کہ کو ذہبہ شام حجاز مصران تمام مقامات میں ابن سبا خود گھوما تھا اور ہر جگہ اس کے نمائندے اور دعاؤں بکھرے ہوئے تھے، گویا یوں سمجھا جاتے کہ جھوٹ کا ایک سیلاب تھا جو ان تمام علاقوں پر چھا گیا تھا مشکل یہ تھی کہ ایک طرف بادیہ عرب کے عام سپاہیوں

کی جماعت تھی پیغمبر اور پیغمبر کے صحابیوں کے نام سے منوالینے والے جو کچھ جانتے
ان سے منوالیتے تھے لیکن دوسری طرف اربابِ خرد و بصیرت کا بھی آخر ایک طبقہ مسلمانوں میں پھل
موجود تھا، اسلام کی روح اور اس کے کلیات کا وہ علم رکھتے تھے خصوصاً ان میں جو شرفِ محبت
سے بھی نفعِ یاب تھے، ان کے کانوں تک جب سبائوں کی خود تراشیدہ روایتیں پہنچیں تو ان کی
سمجھ میں نہ آتا کہ آخر یہ کیا ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ اس قسم کی روایتیں جن کا اندازِ حدیث کی تاریخوں میں لوگوں نے ذکر
کیا ہے مثلاً امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جو یہ واقعہ درج کیا ہے کہ بشیر بن کعب العدوی
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں ایک دن آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
منسوب کر کے حدیثیں بیان کرنے لگے ان کا خیال تھا کہ حضرت ابن عباس ان حدیثوں کو خاص توجہ
سے سنیں گے، لیکن حیرت کی ان کے انتہاء تھی، جب دیکھا کہ

ابن عباس (لا یاذن لحدیثہ ابن عباس نہ ان کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں اور

لا ینظر الیہ نہ ان کو دیکھتے ہیں

بشیر نے گہرا کر عرض کیا کہ حضرت! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آپ کو سنا
رہا ہوں اور آپ اس بے التفاتی سے کام لے رہے ہیں! ابن عباس نے اس وقت بشیر کو
سمجھاتے ہوئے پہلے تو خود اپنے ایک حال کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

اناکنا مرقاذا سمعنا رجلاً یقول ایک زمانہ ہم ہی پر گذرا ہے کہ کوئی آدمی جب یہ کہتا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو فوراً

وسلم ابتدسرتہ البصاں ناد اصبعنا ہماری نگاہیں اس کی طرف بے ساختہ اٹھ جاتی

الیہ باذاننا تھیں اور اپنے کانوں کو اسی کی طرف ہم جھکا دیتے

اور اس کے بعد آپ نے عدم التفات کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی۔

اَنَا كُنَّا نَحْدُثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي طَرَفِ
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يَكُنْ يَكْذِبُ مَنْسُوبُ كَرَكَةِ حَدِيثِهِ اس زَمَانَةِ فِي بَيَانِ كَمَا
 عَلَيْهِ فَمَا إِذَا رَكِبَ النَّاسُ كَرَتَ تَحْتَهُ جَبَّ اسْتَحْفَرَتْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي طَرَفِ
 الصَّعْبِ وَالذَّلُولِ تَرَكْنَا الْحَدِيثَ غَلَطَ حَدِيثُوهُ كُو مَنْسُوبُ كَرَكَةِ بَيَانِ كَرَنِي كَارِجِ
 عَنْهُ مَقْدَرُ سَلَمِ نَهِي هُوَ أَتَا كَرُوكُ جَبَّ هَرِ كَرَشِ اِدْ غَيْرِ كَرَشِ
 (اَدْنُوهُ) اِپْر سَوَارِ هُونِي لَكِي دِينِي جَهوٹ پَر كِي
 تَبِز جَاتِي رِي، تَوَا اسْتَحْفَرَتْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي طَرَفِ
 مَنْسُوبُ كَرَكَةِ حَدِيثُوهُ كَا بَيَانِ كَرَنَا هَم نِي جَهوٹ دِيَا۔

قرآن کا اقتضاء ہے کہ بشیر و نبیہ کے رہنے والے ہیں ان کے ساتھ ابن عباس کی گفتگو
 اس زمانے میں ہوئی ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابن عباس نبیہ کے والی اڈ
 حاکم تھے جہاں تک میر خیال ہے ابن عباس کے اس بیان میں سبائیوں کے اس فتنے کی طرف
 اشارہ ہے جو غلط روایتوں کے پھیلانے کی وجہ سے مسلمانوں میں اٹھ کھڑا ہوا تھا ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ ابن عباس ہی نے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ادر بھی لوگ شریک تھے جنہوں نے اس فتنے
 کے بعد حدیثوں کی روایت کے قصہ ہی کو ختم کر دیا تھا، ان کی سمجھ میں اس فتنے کے مقابلہ کی کوئی
 دوسری شکل باقی نہ رہی تھی اسی مکالمہ کو دوسری سند سے امام مسلم نے جو نقل کیا ہے اس میں
 اتنا اضافہ بھی پایا جاتا ہے کہ

لَمْ نَأْخُذْ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَا لَعَنَ ابْنُ لُؤْلُؤٍ مِنْهُمْ ابْنُ هِي حَدِيثُوهُ كُو تَبُولِ كَرَنِي
 جَبْنِي هَم جَانِي بَچَانِي هِي۔

میر نے جو یہ کہا کہ اس فتنے کے بعد حدیثوں کی روایت کے متعلق ابن عباس نے جس طریقہ
 عمل کو اختیار کیا تھا سیم وہ تہا نہیں تھے اس کا ایک قرینہ تو خود ان کے اسی بیان میں پایا جاتا ہے کہ
 بَجَلْتِ صِيغَةُ دَاوُدَ كِي "تَرَكْنَا الْحَدِيثَ عَنْهُ" یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس روش کے اختیار کرنے میں ان کے ساتھ دوسرے بھی شریک تھے علاوہ اس لفظی قرینہ کے اسی بصرہ کے متعلق ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو کہا کرتی تھی کہ

لا محمد نونا الا بالقرآن کفایہ ^۱ قرآن کے سوا ہم سے اور کچھ نہ بیان کیا کرو

اور نو اور عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا قیام بصرہ ہی میں تھا ان کے پاس بھی لوگ آکر لوگ بھی کہنے لگے تھے کہ قرآن کے سوا اور کچھ نہ بیان کیجئے۔

بہر حال کچھ بھی ہو، اس فتنے نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے فتنہ کو پیدا کیا مینی چاہا گیا کہ سرے سے حدیث کے نصے ہی کو ختم کر دیا جائے، یہ عجیب کش مکش کی حالت تھی خود ابن عباس ترک روایت کے اسی طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کرتے کہ

انما نحفظ الحدیث والحدیث ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد
محفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
حدیثیں اسی کی مستحی ہیں کہ انھیں یاد کیا جائے۔

مگر کج کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتنہ کا تذکرہ فرمانے اور کہنے کہ

فاما اذ امرکم بکل معص وذلول لیکن جب ہر سرکش اور غیر سرکش سواہریوں پر
نہیہات (مقدمہ مسلم) تم چڑھنے لگے تو پھر اس سے دور ہی رہنا سہی

جہاں تک میرا خیال ہے سبائی فتنہ کو ممکنہ حد تک کچل دینے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توجہ اسی مسئلہ کی طرف غالباً منعطف ہوئی یعنی آپ کے سامنے دو باتیں تھیں ایک تو یہی کہ نہایت کی اس جماعت نے مسلمانوں میں جن غلط حدیثوں کو پھیلا دیا ہے، اس زہر کے ازالہ کے لئے کیا کیا جائے۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس زہر کی شرکت کی وجہ سے لوگوں میں یہ رجحان جو بڑھتا جا رہا ہے کہ قطعی طور پر حدیثوں کی روایت، دوران کے سننے سنانے کے نصے ہی کو بالکل ختم کر دیا جائے بجائے خود ایک مستقل فتنہ کی شکل چونکہ یہ بھی تھی کہ رستہ نفی کا اس رجحان کے روکنے کی یہی تدبیر

اختیار کی جائے۔

یہ نالی الذکر ہی فقہ تھا جس کی خبر حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ہوئی تو آپ نے لوگوں کو بلا کر دہی باتیں سمجھائی تھیں جن کا ذکر کسی موقع پر آچکا ہے یعنی آپ نے فرمایا کہ حدیثوں سے الگ ہو کر دینی زندگی گزارنے کی شکل ہی کیا ہوگی صرف قرآن سے کوئی اگر چاہے کہ نمازوں کی کتنی تعداد ہے ان کے اوقات کیا ہیں، ہر نماز میں کتنی رکعتیں، کتنے رکوع، کتنے سجدے وغیرہ ہونے چاہئیں ان سوالات کے جواب حاصل کرے تو قطعاً اس کو ناکام واپس ہونا پڑے گا اور صرف نماز ہی نہیں حضرت عمرانؓ روزه، حج، زکوٰۃ وغیرہ سارے اسلامی ارکان کے عناصر و اجزاء کا تذکرہ کر کے پوچھتے جاتے تھے کہ ان باتوں کو کہاں پاؤ گے پھر ان لوگوں کو متنبہ کرنے ہوئے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ آئندہ نہ کسی سے ہم حدیث سنیں گے اور نہ ان سنی ہوئی حدیثوں کو قبول کریں گے، حضرت عمرانؓ نے بلند آواز میں گرجتے ہوئے فرمایا،

خذوا عافانکم واللہ ان لہ ففعلوا ہم لوگوں دینی رسول اللہ کے صحابوں سے دین، کو
لضللتم ۱۱/۱۱

اور میں قطعی طور پر یقین نہیں کہہ سکتا، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مختلف طریقوں سے حدیث کی کتابوں میں یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے عرف مسند احمد بن حنبل میں کم و بیش آٹھ نو سو سے زیادہ روایت درج ہے حدیثوں کی روایت ہی سے اس کا تعلق ہے، بہر حال حضرت والا کا وہ قول یہ ہے آپ لوگوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے۔

اذا حدیثتم عن رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم حدیثاً فظنوا بہ

الذی ہوا ہدی والذی ہوا ہیأ

والذی ہوا لقی۔ (مسند احمد ۱۱/۱۱)

جب تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث یہ لینی جاتے

تو تمہیں یہ خیال کرنا چاہئے کہ سب سے زیادہ راہ نمائی

کرنے والی بات وہ ہے سب سے زیادہ بہتر ہے سب

سے زیادہ تقویٰ کی ضمانت اس میں ہے۔

بعض روایتوں میں ایک دَرِّ حروف کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے لیکن مطلب ہر حال میں دی ہے جسے میں نے ترجمہ کے خانہ میں درج کیا ہے۔

جس لب و لہجہ میں حضرت کے یہ الفاظ ادا ہوئے ہیں ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے سامنے کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے قلوب میں اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی طرف سے گونہ بے نیازی اور استغفار کی کیفیت کسی درجہ سے پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی، اور ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک حدیثوں کے متعلق اس قسم کی انفرادی دلوں میں اگر کسی درجہ سے پیدا ہوئی تھی تو وہ سبائیوں کا ہی فتنہ ہو سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول گذر چکا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چھوٹی حدیثوں کے منسوب کرنے کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا ہم لوگوں کا حال یہ تھا کہ کسی سے قال الرسول کا لفظ جو نہی کہ ہم سنتے ہماری آنکھیں اس کی طرف بے شغف اٹھ جاتیں اور کانوں کو اس کی طرف ہم لگا دیا کرتے تھے، اور میں بتا چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعوت باندھنے کی ابتداء اسی جماعت سے شروع ہوئی، الشَّعْبِی کی تاریخی شہادت گذر چکی کہ اول من کذب عبد اللہ بن سبا سب سے پہلے جو جمعوت بولا دینی رسول اللہ کی طرف جمعوت بات منسوب کی وہ عبد اللہ بن سبا تھا

ہر حال جن کے خوف سے لبادے ہی کو نذرِ آتش کر دینے کا خیال جن لوگوں میں پیدا ہو چلا تھا یعنی سبائیوں کی پھیلائی ہوئی جمعوتی روایتوں کی درجہ سے یہ غلط فیصلہ کر بیٹھے تھے کہ کذبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت ہی ترک کر دیں گے میرا خیال یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مذکورہ بالا ارشاد کا رخ ان ہی غیر صحیح رجحانات کی طرف ہے، آپ ان ہی لوگوں کو سمجھانا چاہتے تھے کہ کچھ بھی ہو لیکن یہ طریقہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی جائے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے یہ صحیح طریقہ نہیں ہے بلکہ اب بھی یہی سمجھنا چاہئے جیسے ہمیشہ سے لوگ یہی سمجھتے چلے آئے تھے کہ

”اسی میں سب سے زیادہ راہ نمائی ہے وہی سب سے بہتر بات ہے اسی میں سب سے زیادہ تقدی کی ضمانت ہے۔“

باقی ساتویں کی خود تراشیدہ روایتوں نے جن اشتباہی تاریکیوں کو پھیلا دیا تھا پہلا علاج ان کا جہاں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے یہی اختیار کیا گیا تھا کہ اس قسم کی بے سرو پا باتیں خود آپ کی طرف منسوب کر کے جو پھیلائی جاتی تھیں جس وقت کسی ذریعہ سے اس کی خبر آپ تک پہنچتی تھی، منبر پر پہنچ کر برسر عام اس کی تردید فرما دیا کرتے تھے مثلاً: ”تاہی حضرت سدید بن غفلہ جن کا شمار کیا تابعین میں کیا گیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مہا حلقہ کے آدمی ہیں ان ہی کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے عرض کیا کہ ابھی چند آدمیوں کو میں دیکھ کر آ رہا ہوں جو آپس میں یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ ابو بکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق آپ کے خیالات بھی درحقیقت اچھے نہیں ہیں، لیکن مصاحف ان کا اظہار نہیں فرماتے۔ سدید بن غفلہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ جس مجمع میں یہ تذکرہ ہو رہا تھا، اس میں عبداللہ بن سبا بھی تھا، لکن یہ ہے کہ سننے کے ساتھ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی ہے ساختہ زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے

مالی ولھذا الخبیث الا سود
معاذ اللہ ان اقول لھما الا
الحسن الجمیل

مجھے اس کا لے گندے سے کیا سروکار! شک کیا؟
کہیں ان دونوں (ابو بکر و عمر) کے متعلق سچا جھگڑا
بات کے اندر کچھ کہوں۔

اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ برادری کا بیان ہے کہ

ثم خصص الی المذبح حتی اجتمع الناس
ثم ذکر القصة فی المذبح علیہما
بطولہ فیہم لسان المیزان

پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگ اکٹھے
ہوئے تب حضرت علی نے ان دونوں کی تعریف
فرمائی پوری تفصیل کے ساتھ۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اسی تقریر کے آخر میں آپ نے اس کا بھی اعلان کیا تھا کہ میں اس شخص

کو افرار دہلی اور غلط بیانی کی سزا دوں گا جس کے متعلق اس قسم کی خبریں مجھے تک پہنچیں گی۔ لہذا پھر ظاہر ہے کہ آپ کی طرف منسوب کر کے جو جھوٹی باتیں مسلمانوں میں پھیلانی جانی تھیں، ان کے علاج کی یہ آخری صورت ہو سکتی تھی، گزر چکا کہ آخر ان ہی قصوں کے سلسلے میں حضرت دلا کے حکم سے سبائیوں کو دنیا ہی میں آگ کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا جس سے معلوم ہوا کہ سزا کی جس دھمکی کا منبر سے آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا وہ صرف دھمکی نہ تھی بلکہ عمل کی شکل بھی اس نے اختیار کی، رہا روایتوں کا وہ عام ذخیرہ جسے اپنی مختلف ضرورتوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں میں بدعتیوں کی اس ٹوٹی بھیل دیا تھا مختلف قرآن و اسباب کی روشنی میں کم از کم اسی نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ اسی زہر کے ادالہ اور اسی کے مقابلہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رویہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس فرمائی، جو حدیثوں کے متعلق اب تک آپ بھی اختیار کئے ہوئے تھے اور آپ سے پیشتر خلفاء راشدین منشاء نبوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس پر زور دینے چاہتے آئے تھے، میرا اشارہ تفصیل فی الروایۃ کی طرف ہے یعنی روایتوں میں کمی کا قطر جس کے تفصیلی مباحث گذر چکے۔

یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ براہ راست خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چشم دید ذاتی مشاہدات و مسموعات جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ رکھتے تھے معلومات کے اس قیمتی ذخیرے کے مقابلہ میں ان بے سرو پارہ باتوں کی بھلا مسلمانوں کی نگاہوں میں کیا وقعت باقی رہ سکتی تھی، جو ان کے کانوں تک مختلف ذرائع سے سبائیوں نے پہنچا دیا تھا۔

اسی صورت حال کا اندازہ کر کے کو ذہن پہنچنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اگر انبارِ روئے بدل دبا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار و رفتار عادات و اطوار و سیرت و کردار کے متعلق آپ کے جو معلومات تھے ان کی تحریر و تقریر و وسیع پیمانے پر اشاعت شروع کر دی تو خود سوچنا چاہئے کہ سبائی روایات کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ کے موڑنے کی اس دقت کوئی دوسری ممکن تدبیر اور کیا ہو سکتی تھی؟

نحار بن ابی عبید الشقی

۱۸

(ڈاکٹر خورشید احمد فاروقی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

(۵)

اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے مصعب نے ان لوگوں سے کہا کہ جب تک ہلب اور اس کی
آزموہ کار اور وفادار فوجیں ہمارے ساتھ نہ ہوں ہم مختار کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ نہیں کر سکیں گے
ہلب نے بصرہ اور اہواز کے علاقوں کو خوارج کی تباہ کاریوں سے جن کے مقابلہ میں اہل بصرہ
برابر ناکام ہوئے تھے نجات دلا کر اور ان کے ناقابل تسخیر جاننا زود ستوں کو ہر جگہ شکست دے کر
بڑا نام پیدا کر لیا تھا، مختار کے مقابلہ میں اس جیسے ماہر جنگ اور اس کے وفادار ازادی (ہلب
قبیلہ) سے تھا ادا اپنے قبیلہ والوں کی ایک بہادر فوج تیار کی تھی، فوجوں کا ہونا ضروری تھا اس
وقت وہ صوبہ گمان میں خواجه سے دست درگبیل تھا اور آمانہ چاہتا تھا مصعب کی تحریک سے
محمد بن اسعد کو نہ کہ قبائلی سردار (بغض نفیس ہلب کو کوڑ کی جہم میں شرکت کی زنجب دینے
گیا ہلب نے تعجب سے پوچھا: ابو محمد ابن اسعد کی کنیت جو عربوں میں خطاب احترام تھی
کیا مصعب کو ہمارے علاوہ کوئی پیغامبر نہیں ملا؟ ابن اسعد نے کہا: اے ابو سعید ہلب کی
کنیت، نجد میں بجز اپنی عورتوں اور بچوں کے کسی کا پیغامبر ہو کر نہیں آیا ہوں؛ ہلب اب مجبور ہو گیا
اس نے خوارج کے کمانڈر قری بن ثباجہ سے اٹھارہ ماہ کے لئے عارضی صلح کر لی اور اپنے پہلو
سپاہیوں کے ساتھ بصرہ آگیا اب مصعب کا کمپ تیار ہونے لگا اس نے کوئی سردار دل کے
مشورہ سے ایک کوئی سردار کو کوڑ کے غیر شعی عناصر میں ابن زبیر کی خلافت کا اور محمد سے

۱۸/۴/۵۲، طبری، ۱/۴ میں یہ الفاظ اور ابن زبیر کو ہمارے مرالی اور غلاموں نے ہم سے تعین کیا تھا

لڑنے کا پروپیگنڈہ کرنے بھیج دیا۔

فخار کو جب ان امور کا علم ہوا تو اس نے بجائے اس کے کہ خود اس پر حملہ آور ہو بصرہ پر حملہ کر کے وہاں کی چار خانہ قوت کو توڑنے کا فیصلہ کیا، ابن زیاد عراق کی بھی پر مارا جا چکا تھا ابن انصر موصل کے موبہ کا منتظم تھا اس کے ساتھ جو فوج گئی تھی وہ کوذ والیس آگئی تھی فخار نے شیعوں میں گرمی جنگ پیدا کرنے کے لئے یہ تقریر کی ”سچے مذہب والو! در راست بازی کے معاوضہ، کمزوروں کے مددگارو، اور رسول و آل رسول کے شیعوں اور انے خدا کی فوجدارو جو لوگ تمہاری تلوار سے بچ کر بھاگ گئے اپنے جیسے فاسقوں کے پاس گئے اور ان کو جنگ کے لئے آمادہ کیا تاکہ حق و راست بازی ماری جائے اور جھوٹ و باطل کا بول بالا ہو اور زمین پر اولیائے حق مغلوب ہوں، پس (میں نے) کمر بستہ ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے اور احمر بن شعیب کی قیادت میں نکل کھڑے ہو“

چالیس ہزار شیعوں کا ایک لشکر (اخبار الطوال نے تعداد ساٹھ ہزار دی ہے) احمر بن شعیب کو قوال شہزاد بن کامل اور کسان ابو عمرہ کا مندر کا حفاظت کی۔ یہی کمان میں بصرہ کی طرف روانہ ہوا اور مقام منذر پر کیمپ کیا مصعب کی فوجیں جن کے دو ممتاز جنرل مہلب متوفی ۱۲ھ اور احنف بن قیس متوفی ۱۳ھ تھے منذر کے قریب زدکش ہوئیں پھر دونوں لشکر دست در گریبان ہوئے، فخار کی فوجوں کو شکست ہوئی ان کے کمانڈر احمر بن شعیب اور ابن کامل مارے گئے شکست خوردہ فوج کوذ کی طرف بھاگی، مصعب نے ان لوگوں کو لٹکا راجو کوذ سے بھاگ کر آئے تھے، ”جاؤ اپنا انتقام لو! اور وہ ہر طرف سے شیعوں پر ٹوٹ پڑے“ ان کے علاوہ مصعب نے تیز گام رسالے مغرور بن کے تعاقب میں بھیجے جنہوں نے بری طرح ان پر چھاپے مارے نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس یا ساٹھ ہزار میں سے گھوڑ سواروں کی ایک مختصر جماعت کو ذبح پہنچ سکی باقی سب راستہ میں کھیت رہے۔

جنگ منذر نے فخار کے اقبال کی بنیادیں ہلا دیں اس کو قنبہ عسکری نقصان ہوا اس سے زیادہ اس کی اخلاقی حیثیت کو زک پہنچی، اب تک وہ نبی اور غیب دان تھا جس کے تصرف میں مافوق الانسان قوتیں تھیں، فرشتوں کے لشکر جس کے ساتھ لڑتے تھے جس کی بات ہمیشہ صحیح نکلتی تھی، جس کی روحانی

قوت و کرامت ناقابل تسخیر خیال کی جاتی تھی، اس نے جب فوج بھیجی تھی تو اپنے الہامی انداز میں پیشین گوئی کی تھی کہ مصعب کی فوج کو شکست ہوگی اور کرسی کے روحانی معتبروں نے بھی کہا تھا کہ فتح ہوگی۔
 مختار کے الفاظ یہ تھے: ”قسم ہے اس خدا کی جس نے ابوالقاسم در رسول اللہ کی لکڑیہ کو عزت عطا کی“۔
 سلامتی کے ساتھ بصرہ میں داخل ہوگا، خدا کا یہ فیصلہ اٹل ہے، شک کرنے والا نامراد ہوگا، میں نے اس کے ساتھ ایک جھنڈا بھیجا ہے جس کو کسی ہاتھ نے کاٹا ہے نہ کسی بننے والے نے بنا ہے۔ اس جھنڈے کو اس نے نہ کر کے ایک کپڑے میں باندھ کر مہر لگا دی تھی اور ابن شمیمط کو تاکید کی تھی کہ دن کے ایک مقررہ وقت پر اس کو کھولے پھر اس کا پھر ریا بنا دے، دشمن اس کی طرف دیکھتے ہی شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔“

کمزور طبیعتوں پر جس قہر و اعتقاد کا رنگ پڑتا ہے اس سے زیادہ جلد دھل جاتا ہے، اس شکست سے شیعوں پر ایک عام ذہنی اعتدال طاری ہو گیا، جب شکست کی خبر کو ذہنی تو بعض فارسی مقتدرین نے اس میں زبان فارسی کہا: ”ایں بار دروغ گفت“۔ یعنی اس بار تو مختار کی پیغمبر گوی جھوٹی نکلی۔
 خود مختار کو اقبال کا تارہ غروب ہوتا نظر آنے لگا لیکن وہ بڑے دل گردے کا آدمی تھا، جب اس کو جنگ کی تباہی کی خبر پہنچی تو اس کے پاس اس کا ایک دوست، ہم وطن اور ہم قبیلہ (ابن ابی عمیرؓ) بیٹھا ہوا تھا مختار نے اس کے کان میں کہا: ”بھد امیں نے غلاموں کو درموالی د غلام جو جنگ مزار میں کام آئے، اس طرح قتل کیا ہے کہ اس کی مثال آج سے پہلے نہیں سنی گئی پھر اس نے ایک ایک کر کے اپنے کار آزمودہ عرب جنروں مثلاً احمر بن شمیمط اور ابن کامل کے نام لئے اور نہایت حسرت سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک جنگ میں بڑے بڑے دستوں پر بیماری تھا، دوست نے کہا: ”واقعی مصیبت بڑی ہوناک ہے مختار فلسفی کے انداز میں بولا: موت تو اگر رہے گی میں نہیں سمجھتا ابن شمیمط کی موت سے زیادہ اچھی موت ہو سکتی ہو، شریفیوں کی موت کا کیا کہنا؟“

مختار نے آخری مقابلہ کی تیاری شروع کر دی: قلعہ اور مسجد جامع کو خوب مستحکم کیا، از سر نو ایک

دوسری فوج مسلح کی اور سامان خورد و نوش اور ہتھیاروں کے ذخیرے جمع کئے، مُصعب نے جنگ مندر سے فارغ ہونے کے بعد اپنی افواج کو چند سے آرام کا موقع دیا پھر براہِ آپ کو ذکارِ رخ کیا، خمار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے دشمن کی تیز حرکت کو روکنے کی ایک تدبیر نکالی، اس نے دھبہ کے پلائی حصے پر ایک ڈام بندھوا کر پانی کا رخ بدل دیا، دریا کی زریں حصے میں کشتیاں پانی رک جانے کی وجہ سے دھبہ میں بھنس گئیں، اور ان کی پیش قدمی رک گئی، لیکن یہ تدبیر زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوئی، جہاں ڈام باندھا گیا تھا اس کی حفاظت کا خمار نے کوئی مناسب انتظام نہیں کیا، مُصعب نے ایک رسالہ ڈام توڑنے بھیجا اور پھر کشتیاں رواں ہو گئیں، خمار نے کوڈ سے دُشمن کے فاصلہ پر بمقامِ حروراء جہاں سب سے پہلے خارجِ حضرت ملے سے ناراض ہو کر صفین سے واپسی پر فزوش ہوئے تھے اپنا کیمپ لگایا اور دشمن سے مقابلہ کے لئے اپنی بہترین فوج کی ترتیب درست کی، مُصعب نے اپنی فوجیں بائیں حصوں میں تقسیم کیں، کوڈ سے بھاگے ہوئے لوگوں کا محمد بن اشعث کا نذر تھا، دونوں فوجوں میں بڑی خورِ جنگ ہوئی جس میں خمار کا نقصان بہت زیادہ ہوا، وہ برابر پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ رات ہوتے ہوئے وہ حدودِ کوڈ میں پہنچ گیا، یہاں اس نے انتہائی ہمارِ درسی سے مُصعب کے اگلے دستوں پر شبِ خون مارے، محمد بن اشعث مارا گیا اور اس کی کمان میں کوڈ کے جو بہادر تھے اکثر کفایت رہے۔ ان محکوموں میں حضرت عائشہ کے ارے کے عمر بھی مارے گئے، ان کا قصہ یہ ہے کہ حجاز سے خمار کے پاس کسی منصب کی خاطر گئے تھے، خمار نے نہ چلنے کیوں ان کے ساتھ بے اتفاقی رہی اور پوچھا، ابنِ الحنفیہ کا سفارشی خط لائے ہو؟ عمر نے انکار کیا تو خمار نے کہا: جاؤ دفع ہو میرے پاس تمہارے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے، عمر عفتہ نفرت اور انتقام کا جذبہ لئے ہوئے مُصعب سے جا ملے، مُصعب نے ان کی بڑی خاطر تواضع کی بلکہ درہم کا عطیہ دیا، عمر کی وفاداریاں کلمۃ مُصعب کے ساتھ ہو گئیں۔ خمار کی فوجوں سے لڑتے ہوئے اپنا جان دے۔

رات کے پردہ میں خمار کی فوجیں میدان سے لوٹ آئیں۔ اس کے ساتھیوں کے حوصلے پست

۱۰/۱۱ء وادی کی شہادت پر دی ہے، انساب ۲۶۰/۲ نے عمر کی جدِ عبیدہ کو نام دیا ہے طبری ۱۲۰/۱ نے

یہی عبیدہ لکھا ہے کہ اخبار الطویل ۳۱۰

ہو چکے تھے اپنی قوت کارکردگی اور فخار کی غیب دانی سے ان کا اعتقاد ہٹتا جا رہا تھا بصرہ کی فوجیں جب اپنے کمپ لوٹ گئیں تو انہوں نے فخار کو محصور ہو کر رہنے کا مشورہ دیا اس نے کہا میں محل چھوڑ کر اس لئے نہیں آیا ہوں کہ محل میں محصور ہو جاؤں، تاہم چونکہ دشمن پیچھے ہٹ گیا ہے چلو محل چلیں، فخار نے محسوس کر لیا کہ میری فوج کا دم خم ختم ہو چکا ہے۔

مصعب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے شہر کی ناکہ بندی کر لی، اور سامان خورد و نوش کی محل میں درآمد کر کر اپہرہ لگا دیا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ یا تو فخار بلا شرط سہارا ڈال دے یا اس کو اور اس کی فوجوں کو بھگا مار ڈالا جائے شہر کے لوگ دریائے فرات کا پانی پیتے تھے کنوؤں کا پانی کھاری تھا پانی کی روک سے محصورین کی حالت نازک ہوتی گئی ایک مشک پانی کی قیمت ایک اور دو دینار تک پہنچ گئی، فخار روز محل سے نکل کر معمولی جھڑپیں کر کے لوٹ جاتا جب وہ اور اس کے دستے باہر نکلے تو اہل کوہنہ چھتوں پر سے پتھر کوڑا اور گندگیاں پھینکتے اور یا ابن دومتہ فخار کی ماں کا نام دومتہ تھا، یا ابن دومتہ کی آذانیں لگاتے طبری کہتا ہے کہ اہل قلعہ بھوکوں مرنے لگے۔

چالیس دن تک فخار محصور رہا اس کی فوج میں دشمن کے مقابلہ کی تاب نہ تھی، وہ بہت کوشش کرنا فریادیں اور اپیلیں کرتا، عزت و شرافت کا واسطہ دیتا لیکن ان میں حرارتِ جنگ پیدا نہ ہوئی عقیدت کا وہ جادو حیران کی قوتِ ارادی پر حکمران تھا بے اثر ہو چکا تھا، جب وہ ان کی طرف سے ایسے ہو گیا تو اس نے خود دشمن سے لڑتے ہوئے جان دینے کا عزم کر لیا اس نے اپنی بیوی سے جو غالباً شہر میں تھی اپنے کفن کا سامان منگو بھیجا، غسل کیا، جسم اسرار در ڈال دیا میں خوشبو لگائی اور انیسویں صبح سائیکل سے نکل پڑا، چلنے سے پہلے اس نے اپنے ایک غلصہ ساتھی سائب سے کہا: چلو خاندانی شرافت کے لئے لڑیں، سائب نے تعجب سے پوچھا: لوگ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ نے دین کی خاطر اہل بیت کی دعوت دی ہے، فخار نے کہا: میری جان کی قسم یہ بات نہیں ہے اہل بیت کی دعوت میں نے دنیا کی خاطر دی نہیں دیکھا کہ عبدالملک شام پر، ابن زبیر مجاز پر، مصعب بصرہ پر، سعد ہمدان

۴۸۰ بر دایت واقعی چالیس دن تک بکلتے چار ماہ کی مدت بیان کرتا ہے۔

پر حسین کے قتل کے بعد سجدہ یا مہر پر قابض ہو گیا تھا طبری ۹/۳ پر قابض ہو گئے ہیں تو میں نے بھی ان کی تقلید کی کیونکہ میں ان میں سے کسی کے مقابلہ میں کم نہیں ہوں لیکن مجھے اپنے مقصد کے حصول میں انتقام حسین کی تحریک چلائے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی تھی بے

یہ راز جس کے پردہ میں اس نے اپنے اقتدار کی تعمیر کی تھی منکشف کر کے اس نے گھوڑا اور زرہ بکتر منگوا یا، زرہ بکتر پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور حکم دیا کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے بعض مویخ (مثلاً طبری ۵/۱۵۹) کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ صرف انیس جانا باز لکھے تھے مصنف اخبار الطوال کہتا ہے یہ چھ ہزار سے زیادہ تھی (یعنی کل فوج) جو دشمن کا قلعہ ڈیویر مقابلہ کر کے قلعہ میں بھاگ گئی اور قلعہ کے ساتھ اس کے محافظ دست کے بن سوار آدمی رہ گئے، مصعب کا ایک رسالہ قلعہ دار قلعہ کے درمیان حائل ہو گیا اور وہ زبردیا قلعہ لڑتا ہوا مارا گیا۔ ۱۴ رمضان ۶۷۹ء بقول طبری اور ۶۷۹ء بقول مصنف انساب الاشراف۔

وہ چھ ہزار جو قلعہ دار کو جھوڑ کر قلعہ میں بھاگ گئے تھے دو ماہ تک محصور رہے یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان بالکل ختم ہو گیا۔ وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار تھے کہ ان کی جان بخش دی جائے لیکن جان بخشی عربی دستور انتقام کے خلاف تھی ان سے بلا شرط ہتھیار رکھنے کا مطالبہ کیا گیا، بھوک سے مجبور ہو کر ان کو ایسا ہی کرنا پڑا۔ ان میں دو ہزار عرب (طبری ۱۶۰) بتصریح واقعی تقریباً سات سو تھے اور چار ہزار غیر عرب، مصعب چاہتا تھا کہ عربوں کو معاف کر دیا جائے اور غیر عربوں کو مار ڈالا جائے اس نے اس باب میں احف بن قیس (قبیلہ نسیم کا عاقل ترین عرب جو بصرہ کی فوجوں کے ساتھ کمانڈ کی حیثیت سے آیا تھا) سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ سب کو معاف کر دو کیونکہ خدا ترسی کا مقتضایہ یہ ہے لیکن عام عربوں اور بالخصوص کوذ کے ان عربوں نے جو قلعہ دار سے بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے اور جن کا خون انتقام کی گرمی سے کھول رہا تھا اس مشورہ کی سخت مخالفت کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر

۱۔ اخبار الطوال ص ۳۳۷ یہ روایت اخبار الطوال کی ہے، طبری ۱۵۶/۱ کی تصریح کے مطابق قلعہ دار کے قتل کے دوسرے دن ہی اہل قلعہ نے ہتھیار ڈال دیے تھے یہ مصنف الامامہ والسیاست نے (۲/۲۶) ان کی تعداد آٹھ ہزار دی ہے ۲۔ اخبار الطوال

ہماری وفاداری عزیز ہے تو ان کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کی گردن مار دی گئی۔

اب مصعب فخر کے گھروالوں کی طرف متوجہ ہوا، فخر کی ایک لڑکی کے علاوہ جس کے سر پر ہاتھ پیر کر دہلی علیہا المسیح کہا کرتا تھا اور کسی اولاد کا مورخوں نے ذکر نہیں کیا اس کی دو بیویاں تھیں ایک سمرہ ابن خباب کی بیٹی تھی، دوسری نھان بن بشیر انصاری کی جن کو حضرت حسن سے مصالحت کے بعد معاذ بنے کو ڈکا گورز مقرر کیا تھا ان دونوں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ فخر کے جمعہ نماز و مغفرتی ہونے کی شہادت دیں پھر کی لاکھ امتیازت نے یہ شہادت دے دی لیکن دوسری بیوی عمرہ نے انکار کر دیا اور کہا میں تو کہتی ہوں وہ خدا کے نیک بندوں میں سے تھا، اس کو قید کر دیا گیا مصعب نے اپنے بھائی خلیفہ ابن زبیر کو لکھا کہ وہ فخر کو نبی کہتی ہے ابن زبیر نے اس کے قتل کا حکم لکھ بھیجا چنانچہ رات کے وقت کو ذ سے ہر ایک سپاہی نے اس پر تلوار کے تین وار کر کے مار ڈالا، سردار پر وہ چیختی: ہائے میرے آبا، ہائے میرے رشتہ دارو!

فخر کی خارجی سیاست

ہم ادھر پڑھ چکے ہیں کہ ایک بار مشہور دانائے سیاست مغیرہ نے فخر سے کہا تھا کہ ایک سمجھدار معاملہ فہم شخص کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ خلافت اور انتقام اہل بیت کی تحریک جلائے اور اس میں کامیابی کے لئے موائی کو استعمال کرے۔ یہ الفاظ فخر کے دل میں پورست ہو گئے تھے۔ ہم فخر کی زندگی کے آخری سین میں خود اس کی زبانی پڑھ آئے ہیں کہ اس کا مقصد جاہ طلبی تھا اور اہل بیت کی تحریک اس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک مضبوط آلہ کار تھی اس تحریک کے پردہ میں اس کے تقدس کو بڑھانے اور سادہ طبیعت لوگوں کے اعتقاد و مذہبی جوش کو کلینتہ اپنے مقصد کا فائدہ بنانے کے لئے اس نے جو روحانی بہروپ اختیار کیا اس کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے اس کی خارجی سیاست میں بھی اس کی اس پالیسی کے سارے خدوخال نمایاں ہیں ذیل میں ہم ابن الحنفیہ، ابن الزبیر، اہل بصرہ اور شام سے اس کے تعلقات بیان کر کے اس کی ان جنگوں کا ذکر کریں گے جو اٹھارہ ماہ کے مختصر دور اقتدار میں جیسا کہ طبری وغیرہ کی رائے ہے یا ساٹھ مین سال میں جیسا کہ مصنف انساب الاشراف کا خیال ہے

لے قباہی سردار جس کو حکومت کی طرف سے کئی معزز عہدے ملے تھے مے انساب ۲۶۴، طبری ۱۵۸، انساب ۲۲۳

اس کو پیش آئیں۔

الف) مختار کے ابن الحنفیہ سے تعلقات

مختار اہل بیت کی تحریک چلانے جب مکہ سے کوثر روانہ ہوا تو حضرت حسین کے چھوٹے بھائی ابن الحنفیہ (منوفی رحمہ) سے جو جنگ کر بلا میں شریک نہیں ہوئے تھے ملا اور ان سے کوثر کے شیعوں میں تحریک انتقام و خلافت اہل بیت چلانے کی اجازت مانگی لیکن ابن الحنفیہ نے جو اپنے باپ اور بھائیوں کی سیاسی ناکامیوں کے پیش نظر سیاسی معاملات سے کنارہ کش ہو گئے تھے مختار کو ایک مبہم جواب دیا جس سے اجازت کی تصریح نہیں ہوئی تھی پھر اس کی دعوت کے دوران میں کوثر کے قرار یعنی قرآن خوانوں کا ایک وفد ابن الحنفیہ سے تحریک مختار کی تصدیق کرنے جب آیا تب بھی انھوں نے اس تحریک کی صفات صاف تاہید نہیں کی بلکہ حسب سابق ابہام سے کام لیا اور گو کہ اس وفد نے مختار اور اہل کوثر کے سامنے غلط بیانی کی مختار کو حقیقت کا پتہ چل گیا تھا ابن الحنفیہ کی اس بے اتفاقی سے اس کو ڈر تھا کہ نہ جانے کس وقت اور کس مرحلہ پر ان کی طرف سے مخالفت ہو جائے یا وہ کوئی ایسی بات کر دیں جس سے اس کی تحریک اور اس پوزیشن کو جو ان کا نایندہ ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھی کوئی نقصان پہنچ جائے اس نے کوثر پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے اپنی تحریک کا مرکز نقل ابن حنفیہ کی جگہ حضرت حسین کے رد کے علی کو بنانے کی کوشش کی چنانچہ اس نے بہت سارے پیادے اور ستمیہ ان کو بھیجے اور ایک دن وہ لینے والا خط لکھا جس میں اس نے کہا میں آپ کی خلافت کا چرچا کر رہا ہوں، میں آپ کا ہدایت مخلص وفد دار ہوں اور اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے ایجنٹ کی حیثیت سے آپ کے لئے بیعت خلافت لے لوں علی اس کی پاسی سے اور مقاصد سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے انھوں نے نہ تو اس کے تحالف قبول کئے نہ خطا جواب دیا بلکہ مسجد نبوی میں جا کر بر ملا اس کو گالیاں دیں، اس کو کذاب و فاجر کہا جس کا مقصد اہل بیت کی بیعت کے دعووں سے دنیا طلبی تھا۔

جب مختار علی سے مایوس ہو گیا تو اس نے ابن الحنفیہ کو سختے تحائف اور روپیے بھیجے اور اس قسم کا خط ان کو بھی لکھا جس کا علی کو لکھا تھا اور خلافت کے خوشنما وعدوں سے ان کی اخلاقی و دینی تائید چاہی،

لیکن علی ابن الحنفیہ کے آڑے آئے اور کہا: یہ اس کی چالیں ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو اپنا مطیع بنانا چاہتا ہے اس کا ظاہر باطن ایک نہیں ہے بلکہ وہ تو اہل بیت کا دشمن ہے اور ضروری ہے کہ اس کی مکاری کا پول کھول دیا جائے اور علی الاعلان لوگوں کو اس کے ہتھکنڈوں سے باخبر کر دیا جائے، ابن الحنفیہ مشورہ کے لئے ابن عباس سے ملے، ابن عباس (متوفی ۶۹ھ) حضرت علیؑ کے پونے پانچ سالہ دور خلافت میں بصرہ کے گورنر رہے تھے، دراندیش آدمی تھے، ابن الحنفیہ نے ان سے غمار کی پیشکش اور علیؑ کی مخالفت کا تذکرہ کیا، ابن عباس نے کہا: تم ہرگز غمار کی مخالفت کا کلمہ زبان سے نہ نکالنا تمہیں کیا معلوم ابن زبیرؓ جنہوں نے مکہ میں اعلان خلافت کر دیا تھا، سے تمہاری کس طرح بنتی ہے؟ ابن الحنفیہ نے اس رائے پر عمل کیا اور غمار کے خلاف علی بن حسین کی تجویز کے علی الرغم بر ملا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا۔

ابن عباس کا مشورہ غمار کے دل کی آواز تھا وہ یہی چاہتا تھا کہ ابن الحنفیہ اس کے خلاف کچھ نہ کہیں اور وہ ان کے نام سے اپنی انگلیوں کی تعمیر کرتا رہے تاہم وہ برابر ان کو خوش کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس مشورہ کے لئے ابن عباس کا وہ دل سے ممنون تھا وہ اہل بیت سے تھے۔ مسلمانوں کے خاندان نے جو امیہ صحابی اقتدار چھین کر عباسی خلافت قائم کی، جن کی اہمیت نبوی و اجتہادی امور میں بالخصوص مسلم تھی اس لئے غمار کو ان کی اخلاقی تائید بھی عزیز تھی وہ ابن الحنفیہ کی طرح ان کو بھی باقاعدگی کے ساتھ سختے ستاؤں بھیجے لگا، اور اس کو ان کی اخلاقی تائید سہینہ حال رہی اس کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ اس کی موت کے بعد ابن زبیرؓ نے جب فاس کا نذرانہ سے اس کے قتل کا ان سے ذکر کیا تو ان کے خدوخال غم آلود بدھ گئے؟ ابن زبیرؓ نے کہا تم کو ابن ابی عبیدہ کے قتل کا افسوس ہے، تمہارے خیال سے وہ کذاب نہ تھا؟ ابن عباس نے جواب دیا ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے وہ ہمارے دشمنوں سے لڑا ان سے ہمارے خون کا بدلہ لیا اور ہمارے دلوں کی آگ بجھائی؟ یہاں یہ بتادینا مناسب ہے کہ ابن زبیرؓ اور اہل بیت میں سیاسی و خانہ دانی دشمنی تھی

نہ مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۱/۱۵۵-۱۵۶/۲۷۲، ۲/۱۵۶، ۳/۲۷۰

اور ہر ایک فریق دوسرے کو مقتدر دیکھنا گوارہ کرنا تھا اس کے بعد ابن زبیر کے لڑکے عروہ کی عباس سے ملاقات ہوئی تو اس نے شان سے کہا: ابن عباس آپ کے رب نے جھوٹے مختار کو غارت کر دیا اور اس کا سر لگایا ہے ابن عباس نے طنز سے کہا: ابھی ایک گھنٹی پہلے ہمارے لئے باقی ہے اشارہ عبدالملک بن مروان کی طرف ہے جو دشمن میں خلیفہ تھا، اگر تم اس کو بار کرلو تو بس تم ہی تم ہو گئے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس کی موجودگی میں جب کسی نے مختار کا ذکر کیا تو انھوں نے یہ دعا دی صلی علیہ الکرام الکاتبون

اپنی مختصر و خشنودی کے زمانہ میں وہ بظاہر ابن الحنفیہ کا وفادار رہا ان کی ذات میں تحریک کامرکز نقل اور اپنی کامیابیوں کا محور تھا وہ بے ضرر تھے کیونکہ سیاست سے انھوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، اس نے امام ہمدی، دہی بن دہی اور ربیع کے بعد بہترین لشیر کے لڑکے کے رعب دار اور اچھوتے اعقاب دے کر ان کے ذریعہ ابن الحنفیہ کا دل موہ لیا اور شیعوں کی وفاداری پر ہر عقیدت لگا دی۔ اپنی سیاسی و خانگی پابندی کے لئے ان کی خوشنوی اس کو اتنی عزیز تھی کہ ایک موقع پر جب اس کو معلوم ہوا کہ ابن الحنفیہ نے کہا کہ مختار اہل بیت کا دوست بنتا ہے حالانکہ ان کے قاتل اور دشمن اس کی خدمت میں ہیں اور شہر میں بے خطر کاروبار کرتے ہیں تو وہ شیعوں کی عقیدت مندی کو بڑا رکھنے کے لئے گر جا؟ میرے ادھر کھانا پینا حرام ہے اگر قاتلین حسین میں سے کسی کو زمین پر زندہ رہنے دوں اور بڑی سرگرمی سے قاتلین حسین کی ہم شروع کر دی، اس کو اپنا وہ سنگین عہد نامہ توڑنے میں بھی تامل نہ ہوا جس کے ذریعے اس نے عمر کو ان جان و مال وی تھی اس کے خیال میں ابن الحنفیہ کو خوش رکھنے اور اپنی وفاداری میں بہن کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس شخص کا سر کاٹ لیا جائے جس کے ہاتھ میں جنگ کر بلا کی کان اعلیٰ تھی اور وہ سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے عمر تھے عمر کا سر اُتار لیا گیا اور ان کے لڑکے حفص کا بھی، یہ دونوں سر ہمدی بن ہمدی کی خدمت میں بھیجے گئے اور ذیل کا خط جو اس کی انتقامی ہم کے بارے میں تھا اُسے ہمدی اللہ نے مجھے آپ کے دشمنوں پر بلائے بیڑیاں

بنکر بھیجا ہے وہ یا تو مارے گئے یا گرفتار ہیں یا گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے اس خدا کا شکر ہے جس نے آپ کے قاتلوں کو قتل کیا اور آپ کی خدمت کرنے والوں کو نصرت دی عمر بن سعد اور اس کے لشکے کا سر آپ کی خدمت میں بھیجا ہوں اہل بیت کے قتل کرنے یا ان سے لڑنے والوں میں سے جو جو ہمارے ہاتھ آیا ہم مار چکے ہیں اور جو بچ گئے ہیں وہ بھی ضرور ہمارے قبضہ میں آکر رہیں گے میں اس وقت تک ان کا بھیجا نہیں چھوڑوں گا جب تک مجھے پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ ردے زمین پر ان میں سے کوئی متنفس باقی نہیں رہا۔ اسے ہندی آپ اپنی صوابدید سے مجھے مطلع کیجئے گا میں اس پر عمل کر دوں گا۔
 عمر اور اس کے لشکے حفص کے سر کے علاوہ عبید اللہ بن زیاد (جس کے حکم سے جنگ کر رہا) لڑی گئی تھی، کا سر بھی مختار نے ابن الحنفیہ کی خدمت میں بھیجا۔ ابن زیاد نے عبد الملک کے حکم سے کو ذر چڑھائی کی تھی اور مختار کی فوجوں سے جن کی کمان ابن اشتر کے ہاتھ میں تھی لڑتا ہوا رمضان ۳۵ء میں مارا گیا تھا، جنگ کر بلا کے مجرموں میں شمر بن ذی جوشن صفت اول میں تھا، مختار کے جو شبیلے دستوں نے اس کا کھوج بھی لگا لیا وہ لڑتا ہوا بصرہ کے قریب مارا گیا، اس کا سر بھی ابن الحنفیہ کو بھیج دیا گیا۔

ابن الحنفیہ سے اس کی ڈبلو میٹک دفاداری کی چند مزید مثالیں ملتی ہیں اسے اگرچہ کو ذی حکومت اہل بیت کی خلافت کی تحریک سے حاصل تھی اور شیعوں کے سامنے ابن زبیر کی دفاداری یا طرفداری کا کبھی نام بھی نہیں لیا تاہم کامیابی کے ابتدائی ایام میں مخفی طور پر وہ ابن زبیر سے اپنی دفاداری اور دوستی کا اظہار کرتا تھا۔ ابن مطیع کو نکالنے کے بعد اس نے ابن زبیر کو ایک خط لکھا جس میں ابن مطیع پر عبد الملک سے ساز باز کرنے کا الزام لگا کر کہا کہ میں نے آپ کے خیر اندیش کے طور پر کو ذر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ابن زبیر کو ذی عراق کی حکومت اس کو دے دے ہم پہلے بڑھ چکے ہیں کہ مختار نے ابن زبیر کی بیعت اس شرط پر لی تھی کہ خلیفہ ہونے پر وہ سب سے بڑا منصب اس کو دے گا اور یہ منصب غالباً کو ذی عراق کی گورنری تھی اس سلسلہ میں مزید

بصیرت فخر الدین زبیر کے تعلقات کے ذیل میں حاصل ہوگی، ابن زبیر نے اس کی وفاداری کا امتحان لینے کے لئے اپنی طرف سے کوہ کا ایک گورنر نامزد کر کے بھیجا لیکن فخر نے ایک چال چل کر جس کا مفصل ذکر ابن زبیر کے ساتھ اس کے تعلقات کے ضمن میں آئے گا، اس کو دفع کیا کچھ عرصہ بعد شامی فوجیں ابن زیاد کی قیادت میں عازم عراق ہوئیں تو اس کو فکر ہوئی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے نامزد گورنر کو دفع کرنے کی بادشاہ میں ابن زبیر اس کو سزا دینے بھرہ بامدینہ کی طرف سے کوئی فوج بھیج دے اور اس کو دو مورچوں پر لڑنا پڑے اس وقت ابن زبیر کے خطرہ کی وجہ سے پوزیشن بھی کمزور تھی اور فخر اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے لکھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبدالملک نے حجاز پر چڑھائی کر دی ہے اگر آپ پسند کریں تو میں فوج بھیج کر آپ کی مدد کر دوں۔ ابن زبیر نے جواب میں لکھا: اگر تم میرے وفادار و مطیع ہو تو میں اس بات کو ناپسند نہیں کروں گا کہ تم میرے ملک میں اپنا لشکر بھیج دو لشکر طیکہ تم اپنے شہر کے لوگوں سے میری بیعت لے لو، جب اس بیعت کی اطلاع مجھے مل جائے گی تب ہی میں تم کو سچا سمجھوں گا اور تمہارے ملک پر فوج کشی سے باز رہوں گا تم وہ لشکر بہت جلد بھیج جس کو تم بھیجنا چاہتے ہو اور اس کو ابن مروان (عبدالملک) سے مقابلہ کے لئے وادی القرنی جانے کا حکم دو جہاں وہ فروکش ہے۔

فخر نے ایک عسکری اسکیم تیار کی جو اگر کامیاب ہو جاتی تو اس کے بڑے دور رس نتائج پونے اس نے اپنے ایک معتبر سہمہ داری شعیبہ بن حصیل بن دریس کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر جس میں سترہ سات سو روپوں کے سب ہوائی تھے وادی القرنی بھیجنے کی بجائے جہاں شامی فوجیں حملہ کی تیار ہی تھیں سمندینہ روانہ کیا، اس کا مقصد جیسا کہ بعض مورخوں نے اشارہ کیا ہے خود حجاز پر قبضہ کر کے شامی فوجوں کا مقابلہ کرنا تھا اس کی اسکیم یہ تھی کہ مدینہ پر قبضہ کر کے اور وہاں اپنا ایک نامیدہ مقرر کر کے فاتح لشکر مزید رسد اور سہیلیوں کے ساتھ ملک کا محاصرہ کرنے بھیجے گا ابن زبیر کو اس کی عبادیوں کا تعجب تھا وہ اسکیم کو تار تار اس کا کامیابی سے مقابلہ کیا اس کی تفصیلات فخر الدین زبیر کے تعلقات کے ذیل میں آئیں گی، فخر کا لشکر بادل ہوا، کنا بڈر مارا گیا چھوٹی سی ایک جمعیت تباہی کی خبر دینے کو ذرا ہی فخر نے یہ فوج جمعیت وقت جیسا کہ ظاہر ہے شہر میں بڑھا کر لکھا کہ ابن زبیر کو شکست دینے اور ابن الحنفیہ کو قید کر کے بھیج دینے اور ابن زیاد کی قیادت میں فوجیں کو قلعہ کر کے اور دوسرا حجاز فتح کرنے روانہ کیا یہ طبعی ۱۳۴ھ / ۱۳۴ھ / ۱۳۴ھ

تاریخی حقائق

بعض سلاطین اندلس و بغداد کے شخصی حالات زندگی !

(۲)

”کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لئے بیت المال سے نئے کپڑے بنوانے سے بھی احتراز کرتا تھا“ ایک مرتبہ اپنے اہل و عیال کے کپڑوں میں پونڈ لگوانے کے متعلق درزی سے مشورہ کر رہا تھا، اتنے میں شاہزادہ ہمدی وہاں آپہنچا، ہمدی رقعہ دوزی میں کسر شان سمجھ کر کہنے لگا، ”امیر المؤمنین اس سال گھروالوں کے کپڑے میں اپنی تنخواہ سے بنوا دیتا ہوں“ آپ پرانے کپڑے کو رہنے دیجئے، منصور نے اس تجویز کو منظور کر لیا، لیکن اموال مسلمان سے اپنے اہل و عیال کے لئے نئے کپڑے بنوانے منظور نہ کئے۔“

اسی منصور کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کی لونڈی کہنے لگی دیکھو تو امیر المؤمنین ہو کر بچٹی اور پونڈ لگی قمیص پہنتے ہیں، کسی اور نے ظن سے یہ کہا ”خدا کی قدرت ہے کہ اس نے خلیفہ منصور کو بادشاہت کے باوجود افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے“

یہ بخل کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ حق المسلمین کی وجہ سے، در نہ یہی خلیفہ منصور ہے جن نے قاضی مدینہ کو اس صلہ میں پچاس ہزار روپے عطا کئے تھے کہ اس نے خلیفہ کے مقابلہ میں مستربانوں کے حق میں فیصلہ دیا تھا جو عقل و انصاف کا تقاضہ تھا، اسی طرح امامک کی خدمت میں انھوں نے چھ ہزار دینار سے زیادہ نذرانے پیش کئے اور اسی قدر آپ کے صاحبزادہ اور ابن ہمکان کو بھی مرحمت فرمایا تھا، حاجتمندوں نے بھی منصور سے بہت کچھ پایا، اور شہزاد

بھی محروم نہ رہے

منصور عباسی کا انصاف و عدل تاریخ میں مشہور ہے، اگر دشمن کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ وہ یہ کام نیک نیتی سے کرتا ہے تو اس کو معاف کر دیتا بلکہ اس کی قدر کرتا، ایک دفعہ عامل ہمدان کو لکھ بھیجا کہ ابونصر کو قتل کر دو۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے سلطان کے دشمن کی امداد کی تھی مگر کسی طرح پیکر دار الخلافۃ میں پہنچ گیا۔ تو

”خلیفہ اس کو ملامت کرنے لگا کہ تم نے ابولسلم کو خراسان جانے کا کیوں مشورہ دیا، ابونصر عرض پیرا ہوا، امیر المؤمنین! واقعی ابولسلم نے مجھ سے صلاح لی تھی اور میں نے اسے نیک مشورہ دیا تھا، اور ہر سلطان کا فرض ہے، کہ جب کوئی اس سے صلاح پوچھے تو اس کو نیک نیتی کے ساتھ ایسی صحیح رائے دے جو اس کے حال و مال کے لئے بہتر ہو۔ اگر امیر المؤمنین بھی کسی امر میں مجھ سے مشورہ کریں تو میں نیک اور خیر خواہانہ مشورہ سے دریغ نہ کروں گا، گو میرا مشورہ امیر المؤمنین کے اغراض و مفاد کے خلاف تھا لیکن اس شخص کے لئے تو سود مند ہی تھا، جس نے میری رائے دریافت کی تھی، منصور نے یہ سُنکر نہ صرف اس کی جرم بخشی کر دی بلکہ اس کو بدرجہ کمال و خلفِ خسروی سے متنازع فرمایا، اور اس کے مطلوبہ نیت پر اتنا خوش ہوا کہ اس کو ولایت موصل کا گورنر بنا کے بھیج دیا۔“

حق یہ ہے کہ منصور نے انصاف کا حق ادا کر دیا، اس واقعہ میں موجودہ حکماء و ذرائع اور افسرانِ حکومت کے لئے بڑی بصیرت ہے، کاش وہ مہل کریں، کسی بھی ملک کے حکمران کی یہ صفت اس کی حکومت کی ترقی و عروج کی ضامن ہو سکتی ہے

”نمبر بدلی کا بیان ہے کہ جن دنوں منصور مدینہ منورہ آیا، محمد بن عمران طلحی

وہاں کے قاضی اور میں ان کا محرر تھا، چند شہر بانوں نے کسی معاملہ میں خلیفہ

پر نالیش کر دی، قاضی نے محمد نے مجھے حکم دیا کہ امیر المؤمنین منصور کے نام

حاضری عدالت کا حکم جاری کرو تاکہ مدعیوں کی داد رسی کی جائے میں نے
 خلیفہ کو کمین بھیجے سے مندرت چاہی، مگر قاضی صاحب نے اس پر اپنی بہرگانی
 اور مجھ سے فرمایا، کہ اس حکم کو امیر المومنین کے پاس تم خود لے جاؤ، چنانچہ
 میں روانہ ہوا، جب منصور کے پاس حاضر ہو کر یہ حکم دکھایا، تو معاذ باری کھڑا
 ہو گیا، اور حاضرین سے کہنے لگا، کہ میں عدالت میں طلب ہوا ہوں تم میں سے
 کوئی شخص مرے ساتھ نہ آئے، پس خلیفہ اور میں دارالقضاہ میں پہنچے قاضی صاحب
 تعلیم کے لئے نہ آئے، بلکہ اپنے چند کو اچھی طرح بھیلا دیا اور بڑے استقلال کے
 ساتھ بیٹھے رہے، پھر مدعی کو بلایا، اور ثبوت لے کر خلیفہ کے خلاف مقدمہ
 کا فیصلہ کر دیا۔

کہاں میں کمیوزم کے پرستار، غور کریں، اس طرح کا انصاف وہ کرا سکتے ہیں، اور کسی
 مدعی جمہوریت کو تو اس عدل کا دہم بھی نہیں ہو سکتا ہے، حکومت کا نظام عدل صحیح معنی میں ہی تھا، جہاں
 کسی کی پرواہ نہ ہوتی تھی، حق پر لکھا جاتا تھا، کوئی یہ خیال نہ باندھے کہ منصور نے آگے چل کر
 قاضی صاحب سے بدلہ وصول کیا ہو گا یا شتر باؤں کو پسنا کر پریشان کیا ہو گا، ایسی بات ہرگز نہ ہوئی بلکہ
 فیصلہ سن چکے کے بعد منصور کی زبان پر یہ کلمات تھے ”خدا تمہیں اس انصاف پسندی کا اجر دے“ اور
 خوش ہو کر قاضی کو دس ہزار دینار دئے۔“

قاضی (جج) بھی اُس زمانے کے واقعی قاضی ہوتے تھے، کبھی کسی کی پرواہ نہ کی، ایک دفعہ
 منصور نے آزمائش کے طور پر لکھ بھیجا کہ فلاں مقدمہ میں فوجی افسر کے حق میں فیصلہ دو، قاضی نے صاف
 انکار کر دیا کہ یہ مجھ سے کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
 حکومت کے حساب کتاب میں بھی منصور بڑا سخت تھا، بیت المال کا ایک پیسہ بھی
 کسی افسر کو معاف نہیں کرتا اس سلسلہ کا ایک واقعہ ملاحظہ کے قابل ہے،

”جب بعد اذ کی تیر ختم ہوئی تو تعمیرات کے افسروں سے حساب لیا گیا۔۔۔۔۔“

ابن صلت کے پاس پندرہ دوہم (تقریباً پونے چار روپے) تحویل میں باقی رہے تھے، چونکہ اس نے یہ رقم ادا نہ کی، اس کو قید کر دیا۔^۱ منصور کی زندگی کا یہ واقعہ بھی پڑھنے کے لائق ہے

محمد بن سلیمان عباسی ایک روز بروز عیادت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، خلیفہ خاص محل میں تھا دیکھا ایک جھوٹا سا کمرہ ہے۔۔۔۔۔ کمرہ میں گیا تو کیسا دیکھتا ہوں کہ صاف زمین پر نہ کوئی فرش ہے اور نہ کوئی پینچنے کے کپڑے ہیں، منصور رونق افروز ہے، میں نے عرض کیا بس یہ سامان ہے، فرمایا ہاں۔^۲

خلیفہ ہمدی المتوفی ۳۹۷ھ ابو جعفر منصور کا فرزند ارجمند تھا، دس سال تک اس نے حکومت کی اور بڑے کروفر سے کی اس نے عدل و انصاف باپ سے ترک میں پایا تھا، اس کی زندگی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ دربار میں احکام جاری کر رہے تھے، کہ ایک شخص دفعۃً آیا اور اس نے ہمدی سے کہا،

”امیر المومنین اگر کسی کو کسی کے خلاف شکایت ہو، یا ایک نے دوسرے کا حق چھینا ہو، تو وہ آپ کی خدمت میں فریاد لاسکتا اور اپنے درد کی دوا پاسکتا ہو،“ لیکن جب خود امیر المومنین پر دعویٰ کرنا ہو، فرمائیے، وہ کہاں جائے؟ مجھے آپ کے خلاف استغاثہ کرنا ہے، بتائیے آج میں پیش کروں، یا کل قیامت کے دن مالک یوم الدین کی عدالت میں، جہاں کسی قسم کی طرفداری یا ناظرنداری کی سازش نہ ہوگی، ہمدی نے جواب دیا، اگرچہ تمام دنیا وی حاکموں کا سربراہ ہے حکم کے سامنے ختم ہے، مگر شریعت کے حضور میں ہم بھی سر جھکاتے ہیں، لہذا شریعت کے مطابق فیصلہ ہوگا، اور تم اس دنیا میں انصاف پاسکو گے۔“

خلیفہ ہمدی کا یہ جواب محض زبانی نہ تھا، کہ مسائل کی دلدہی ہو جائے،

بلکہ یہ کہہ کر امیر المومنین منہ خلافت سے اٹھ کھڑے ہوئے، اس شخص کو پیراہ

۱۔ خلافت بنی عباس اول ص ۱۲۶ ۲۔ اعلیٰ ص ۱۲۲

لئے ہوئے، قاضی کی عدالت میں پہنچے، اہل اس کے پاس بیٹھ کر بولے، پنا
دعوای پیش کرو، اس شخص نے قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کیا، امیر المؤمنین نے
جواب دی کی، اس پر قاضی نے مدعی سے قانونی دستاویز طلب کی، اس شخص نے
پیش کی، قاضی نے معائنہ کر کے اس پر حکم لکھا، جو جہدی کے خلاف اور مدعی کے
حق میں تھا، خلیفہ نے قاضی کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا اور مدعی کا مطالبہ
پورا کر دیا۔^{۱۸}

خلیفہ ہارون الرشید المتوفی ۱۹۳ھ دنیائے اہل علم میں بہت مشہور اور علوم میں تبحر
سے بے نیاز ہے اس کے کارنامے تاریخ کی دنیا میں بڑی وقت سے دیکھے جاتے ہیں، فوج کس سلطان
وقت کو محبوب نہیں ہوتی، کہ یہ حکومت کی جان ہوتی ہے، مگر باہن ہمد امیر العسکر شاہی فرمان کے مطابق
ہلک کے معاملہ میں سخت تھا۔

”وہ اس بات کا لحاظ رکھتا تھا، کہ فوجی مفتوحہ ممالک کے کسی فرد سے
بدسلوکی سے پیش نہ آئے، اگر کسی شخص سے کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو
اس کو سخت سزا دیتا، فوجیوں کو شراب پینے کی سخت ممانعت تھی، اور
ان کی اخلاقی زندگی کو جنرل سنوارنے کی حتی الامکان کوشش کرتا تھا۔“

آج کے فاتح سلاطین کو یہ سطرین بہت غور و فکر سے پڑھنی چاہئیں، کہ یہ کبھی ایک سلطان
وقت ہی کا دستور حکومت تھا، اور وہ اپنی سلطنت کی وسعت میں آجکل کے تمام حکمران سے بڑھا ہوا
تھا، اس کی حدیں ہند و تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں، روم و یونان اس کا جگر ہوتے،
اور تمام اسلامی دنیا سوائے اندلس زیرِ فرماں تھیں۔

آج کوئی فوج مفتوحہ ممالک میں داخل ہوتی ہے تو اس حصہ کے کسی گوشہ کو صحیح و سالم نہیں
چھوڑتی ہے، قتل و خوریزی کے ساتھ اس حصہ کی عزت و آبرو بھی ان وحشیوں سے نہیں بچتی، وہاں
کی عصمت مآب عورتیں بھی ان کا شکار ہوتی ہیں، مگر یہ منظر ہارون الرشید کی حکومت یا اس زمانہ کی

کسی اسلامی حکومت میں نظر نہیں آتا وہاں کا دستور حکومت سپاہیوں کے لئے یہ تھا،
 ”سپاہی کے لئے یہ طے تھا، کہ چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل و عیال سے
 عیحدہ نہیں رہ سکتا، اس کو رخصت مل جاتی، تاکہ وہ اپنے بال بچوں
 میں جا کر رہے۔“

جس حکومت میں فوجی کے لئے یہ قانون ہو، اس حکومت کے سپاہی اور فوجی یقینی
 طور پر انسان ہوں گے، ضرورت ہے کہ موجودہ حکمران دنیا میں پھر ان قوانین کو نافذ کریں، اور انسانیت کی
 نئی پلید ہونے سے بچائیں۔

ہارون رشید نے ۲۳ سال فرزندائی کی، مگر اس کا معمول ہمیشہ یہ ہی رہا کہ فرائض
 نماز بہ پابندی ادا کرتا، بلا عذر شریعی کبھی اس کی نماز قضا نہ ہوتی، علاوہ ازیں روزانہ سو رکعت نوافل
 پڑھتا، علم دہن، فہم و فراست، فکر و تدبیر، مغرور علم، عزم و ثبات تمام اوصاف سے متصف تھا، ضحیٰ
 اور شجاعت کبھی اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی مگر انھوں نے ایک دفعہ جب سفیان ثوریؒ کو خط لکھا، تو
 سفیان ثوریؒ نے یہ جواب لکھا، اس خط کو غور سے پڑھیے اور اندازہ لگائیے اس زمانہ کے علماء اپنے
 معاملات میں کس قدر سخت تھے،

”از بندہ سفیان بنام ہارون فریفتہ دولت، تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کر لیا
 ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپیہ کو بے موقع اور بیجا گراں بہا
 ملے دیکر خرچ کیا، اس پر بھی تم کو قسلی نہ ہوئی، اور چاہتے ہو، کہ قیامت
 میں تمہارے اسلاف کی شہادت دوں، ہارون تم کو کل خدا کے سامنے
 جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہیے، تو تخت پر اجلاس کرتا ہے، حیر
 کا لباس پہنتا ہے، تیرے دروازہ پر چوکی سپرہ رہتا ہے، تیرے
 حال خود تو شراب پیتے ہیں، اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے
 ہیں، خود زنا کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں ان جرائم پر پہلے۔“

لے خلافت بنی عباس اول ص ۱۱۱

تجھ کو اور تیرے مال کو سزا ملنی چاہئے، پھر ادروں کو، ہاروں وہ دن بھی آئے گا کہ تیری مشکیں بندھی ہوں گی، تیرے ظالم مال تیرے پیچھے ہوں گے، اور تو سب کا پیشوا بن کر سب کو دوزخ کی طرف لے جا۔
میں نے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، اور اب کسی خط نہ لکھنا۔“

یہ خط ہارون رشید کی تخت نشینی کے زمانہ میں لکھا گیا تھا، جب اس نے ابھی ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی تھی، اس خط کا اثر خلیفہ پر یہ ہوا

”ہارون رشید عظیم نے خط پڑھا ہے اختیار چھ اٹھا، اور دیر تک روتا رہا،“

جو اس قدر متاثر ہوا تھا، کوئی وجہ نہیں، کہ اس نے ایک ایک بات کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی ہو، اور بادشاہ کی سعی سیم سے اصلاح نہ ہوئی ہو۔

ابن سہاکؒ دورِ ہارونی کے بڑے باخدا بزرگ تھے، ہارون رشیدؒ ایک دن ان کی خدمت میں گئے اتفاق وقت بادشاہ کو پیاس لگی، ابن سہاکؒ نے فرمایا خدا ٹھہرے پیلہ بیٹا کہ شدتِ پیاس جب آپ کو بے تاب کئے ہو۔ اور تشنگی بڑھی ہوئی ہو تو ایک پیالہ پانی کتنی قیمت دے کر لیں گے۔ ہارون رشیدؒ نے کہا اپنی نصف حکومت دے کر بھی مل سکے گا تو بھی نہ چھوڑوں گا، فرمایا اگر بیشاب رک جائے اور وہ پانی نہ بچے تو اس کے لئے کیا خرچ کیجئے گا، ہارون رشیدؒ نے کہا آدمی سلطنت اس سلسلہ میں خرچ کر دوں گا، یہ سنکر ابن سہاکؒ نے فرمایا

”بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا تمام ملک ایک گھونٹ پانی اور چند قطرے

پنجاب کی قیمت رکھتا ہے، پس اس پر تعبیر نہ کیجئے اور جہاں تک ہو سکے لوگوں سے یکساں سلوک کیجئے۔“

آج بھی کسی سلطنت کی قیمت اس سے زیادہ نہیں، حکمران طبقہ غور و فکر سے اس
داتو کو بڑے اور عبرت حاصل کرے اور اسی طرح ہڑوانسان بھی بڑے جو دنیا میں وہ کہ ظلم و جور اور
تیغ آزمائی کرتا ہے، اور دولت و ثروت کے لئے اپنی ماقیت خراب کرتا ہے۔

۱۰۰ حضرت بنی عباس اول ۱۲۱ و ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳

ہارون الرشید خود بھی بڑا عالم تھا، اور اپنے بچوں کو اس نے اچھی تعلیم دلائی تھی مگر ان کے بچے بھی استاد کی نظر میں وہی حیثیت رکھتے تھے جتنے دوسرے طلباء۔ اور ان کے بچے بھی اپنے استاد کی خدمتگداری ویسی ہی خسر سمجھتے تھے، جیسی کہ غریب لڑکے، ایک دن استاد اور شاہزادہ کا یہ تعلق دیکھ کر بادشاہ کو بھی رشک آگیا،

”ایک دن امیر المومنین ہارون الرشید دور سے اپنے فرزندوں محمد امین اور امون کی طرف دیکھ رہا تھا دونوں بھائی اپنے مکتب میں امام کسائی سے سبق پڑھ رہے تھے، تھوڑی دیر بعد امام کسائی کسی ضرورت سے اٹھے اور باہر نکلے، امین و امون نے ہلک کر استاد کے جوتے اٹھائے اور ان کے قریب رکھ دیے، یہ دیکھ کر ہارون کو تعجب ہوا، ایک خادم سے پوچھا، بتا دو کہ کون شخص ہے جس کے خدمتکار دنیا کے بڑے بڑے آدمی ہیں، اس نے کہا، آپ ہارون نے کہا نہیں، کسائی ہے، جس کے علم و فضل کی وجہ سے محمد امین و امون اس کی خدمت کرتے ہیں۔“

کہاں ہیں وہ طلباء، جنکو علم و فضل کی تلاش ہے، اس واقعہ کو پڑھیں، معمولی ثروت ان کا دماغ خراب کر ڈالتی ہے اور اپنے استاد کو نوکر سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے، ہارون الرشید رعایا کی خبر گیری برابر رکھتا تھا، بلکہ اس سلسلہ میں اس کو جو امتیاز حاصل تھا خلافت بنی عباس میں شاید اور کسی کو حاصل نہ ہو سکا،

”شاہان عالم میں بعد فاروق اعظمؓ کے ہارون الرشید رعایا کی خبر گیری کے سلسلہ میں سب سے سبقت لے گیا تھا، اس کا دستور تھا، تبدیل لباس کیے بعد نوکی مٹی کو چوں میں مات کھپا کر مٹا اور اپنی رعایا کے حالات دریافت کرتا، اس کے ساتھ وزیر خضر اور مسعود غلام ہوا کرتے۔“

حضرت بنی عباس اول ص ۱۹۴ طے ایضاً صفحہ

آج جبکہ پبلک سبھ کو دم توڑ رہی ہے، اور گھر گھر پریشانیوں کا بے پناہ سیلاب موجزن ہے، جمہوری ملک کے صدر اور وزیرِ عظم اپنی کوششوں میں چین کی نیند سونے میں کوئی حکومت کا فرمانروا فرعون بنا سکتا رہتا ہے، ان کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہیے جہاں بانی سے ہے دشوار کار جہاں بانی -

امون الرشید، ہارون الرشید کا فرزند ارجمند تھا، اس نے بیس سال پانچ مہینے بڑے جاہ و جل سے حکمرانی کی اور ۲۱۷ھ میں انتقال کیا، اس کی زندگی کے بھی چند واقعات سن لیجئے،

” ایک مرتبہ ایک غریب بڑھیا نے امون کے حضور میں اس کے لئے عباس پر استغاثہ دائر کیا، کہ شاہزادہ عباس اس کی جائیداد پر غامبانہ قبضہ کر لیا ہے۔

عباس عدالت میں موجود تھا، امون نے اس کو اپنے پاس اٹھوا کر بڑھیا کے پاس کھڑا کر دیا، دونوں کے بیان لئے، شاہزادہ فرط ادب میں آہستہ آہستہ بولتا تھا

اے بڑھیا بلند آواز سے بیان دے رہی تھی، ذریعہ دولت احمد بن ابی خالد نے بڑھیا کو روکا، کہ امیر المؤمنین کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کرنا، خلاف ادب ہے، ہاں نے سچ کیا، کہ حرمِ محبتی ہے کہنے دو، حق نے اس کی آواز بلند کر دی ہے، اور یہاں کو گونکا کر دیا ہے، دونوں کے بیانات سننے کے بعد بڑھیا کے حق میں امون نے فیصلہ دیا، اور مکمل کو لکھ کر بڑھیا کی جائیداد واپس کرادی اور بڑھیا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔

آج تو سوسلی زمینداری ایسی بات کہہ اٹھے گا، کہ اس سے ہماری توہین و تذلیل کی، لہذا جوتے کا ڈنگر یہ ایک بڑے حکمران کا ضبط و تحمل اور عدل، انصاف و جرات ہے۔

ایک دفعہ خود امون پر ایک شخص نے بیڑ ہڑا کا دعویٰ کر دیا، جس کی وجہ سے بلاشاہ کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا، بعض لوگوں نے اس وقت بلاشلہ کے لئے قالین بچھانا چاہا تو قاضی صاحب نے روک دیا کہ یہیں عدل اور مہرِ مطلقہ، دونوں برابر ہیں، یہ دیکھ کر بھی امون کو کچھ نہ ہوا، بلکہ اس نے بیچ کی خواہ بڑھادی

آج دنیا کا یہی عدل و انصاف گناہوں اور خود غرضیوں کے بھرپور حالات میں ڈب ڈب مچ رہا ہے

لے کلا شہابی عباس اول مکتبہ

اس لئے دنیا سے اسے امان اور اطمینان و سکون کا جنازہ مل رہا ہے، اور وہ تباہی بربادی کی طرف تیزی جارہی ہے۔
 ”ایک تہ ایک سپاہی نے ایک شخص کو جھگڑا میں پکڑا، اس کی زبان پر بے ساختہ حضرت عمرؓ کا نام آگیا،
 امون کو اس واقعہ کی خبر لگ گئی..... سپاہی کو نوکری سے برخاست کر دیا۔“

امون ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ملک میں بے ادبیاں اور خرابی واقعہ ہمیشہ حال کی ہی زیادتی سے پیدا
 ہوتی ہے یہ درست رہی، تو ملک مطمئن ہے، ایک دفعہ امون نے اپنے ایک گورنر کو لکھا، جب تک تمہارا ایک شاہی
 بھی یہاں آتا رہا اس وقت تک تمہاری رسائی دربار میں نہیں ہو سکتی،

ایک تہ امون کے گھر سے رونق افروز تھے سالے قاتل کھینچی ہوئی تھی، کہ ایک علاج
 ادا ہو کر گذرا اور یہ اہتمام دیکھ کر ملکہ آواز سے کہنے لگا، کہ امون اپنے بھائی امین کو قتل
 کر کے ہم لوگوں کی نگاہ میں کبھی معزز نہیں ہو سکتا، دربان کا بیان ہے کہ یہ خیال
 ہوا، کہ امون کو غصہ آئے گا، اور اس کی گرفتاری کا حکم دیا، مگر یہ سن کر امون
 مسکرایا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا، تم لوگ کوئی ایسی ترکیب بتا سکتے ہو
 کہ میں اس جیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں۔“

اپنی عقلی کا یہ اعتراف حکمران طبقہ میں اب کہاں؟ آج اگر کسی قاتل و ظالم کو قاتل اور ظالم
 کہا جائے تو اسکی سزا سچائی کا تختہ یا بندہ ق کی گولی ہے، لاکھوں انانوں کو قتل کرنے والے اسی کے سمتی میں
 کہ عوام ان کی تعریف کریں، اور رات کو دن کہیں۔

امون ظلم و جور کو کبھی برداشت نہیں کرتا تھا، عدل و انصاف کا سرشتہ ہمیشہ ہاتھوں
 سے تھامے رہتا، اور اس سلسلہ میں گوشہ گوشہ کی خبر رکھتا، جہاں کہیں سے اس طرح کی خبر ملتی، فوراً اس کے
 نام فرماں شاہی جاری کرتا، جس میں تہدید و تنبیہ ہوتی، ایک دفعہ

”ابن فضل طوسی کو لکھا، تمہارا بے تمیز اور درشت خو ہونا، تو میں نے گوارا
 کر لیا، لیکن رعایا پر ظلم نہیں برداشت کر سکتا۔“

اسی طرح ایک دفعہ

لے خلوت بنی عباس اول رضی اللہ عنہما

”عمر بن سعدہ کو لکھا، اپنی دولت (حکومت) کو عدل سے آباد کرو، ظلم اس کو طعنے والا ہے۔“
 اس بڑھکر حال یہ تھا، کہ جانوروں پر بھی ظلم پسند نہیں کرتا تھا، حکمران حساب کو اسکی تاکید تھی
 کہ کوئی جانور پر اسکی توت برداشت زیادہ بوجھ نہ لائے، حتیٰ کہ مکملین طلباء کو ضرورت سے زیادہ زد و کوب نہ کریں۔
 مامون کے ان احوال کی روشنی میں ہمارے اس زمانہ میں غور و فکر کی بڑی ضرورت ہے، کیونکہ
 اس دور میں ظلم و ستم کی فراوانی ہے، مخلوق خدا اس طرز زندگی سے جاں بلب ہے، مگر حکمران طبقہ اس طرف
 سے باطل غافل ہے۔ اس کو احساس تک نہیں کہ یہ سارے مصائب ان کی ہی غفلت کے نتیجہ میں ہیں۔
 خلیفہ منصور بخاندانہ کرہ پہلے کیا جا چکا ہے، ان کی خدمت میں افریقہ سے ایک قاضی صاحب
 تشریف لائے۔ جو منصور کے زمانہ طالب علمی کے ساتھی تھے۔

”ان سے منصور نے پوچھا، تم کو سیری حکومت اور خواصہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا، اہم
 اس طویل سفر میں ہمارے جن علاقوں سے گزرتے آئے ہو، ان میں نظم و نسق کا کیا حال ہے، قاضی نے جواب
 لے امیر المومنین، میں نے اعمال بد اور ظلم و جور کی کثرت دیکھی ہے پہلے تو
 میرا گمان یہ تھا، کہ اس ظلم و جور کا سبب آپ کے ان علاقوں سے دور ہونا ہے،
 لیکن میں جتنا قریب آتا گیا، معاملہ اسی قدر نازک ہوتا گیا، خلیفہ نے یہ سنکر
 اپنی گردن جھکا لی، تھوڑی دیر کے بعد سڑاٹھا کر کہا، مگر میں لوگوں کا کیا
 کروں؟ قاضی نے جواب دیا، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز
 فرماتے تھے، لوگ بادشاہ وقت کے تابع ہوتے ہیں، بادشاہ اگر نیک ہوگا،
 تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی، اور اگر وہ بد ہے، تو رعایا نیک نہیں ہوتی۔“

کتنا سچ فرمایا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حقیقت بالکل یی ہے، باقی اور سب لغاطی ہی
 لغاطی ہے، امون الرشیدؒ اس ہر غفلت شان بہت متواضع اور خاک ر تھا، اور اس سلسلہ میں بھی وہ مثال
 قائم کر گیا، قاضی القضاہ یحییٰ بن اکثمؒ کا بیان ہے۔

”میں نے مامون سے زیادہ شریف، طبع انسان نہیں دیکھا۔“

صلہ طوفان بنی عباس اول ص ۱۱۱ طے خلافت بنی عباس اول ص ۱۱۱

ایک شب مجھ کو حرمِ خلافت میں سونے کا اتفاق ہوا، آدمی رات بیتے ہوئے کچھ عرصہ گزارا، میری آنکھ کھل گئی، تشنگی کا غلبہ تھا، پانی پیئے اٹھا کہ مامونؓ کی نظر مجھ پر پڑ گئی، انھوں نے پوچھا قاضی صاحب کیا بات ہے، سوئے کیوں نہیں، میں نے عرض کیا، امیر المؤمنین پیاس معلوم ہوتی ہے، اس نے کہا آپ اپنے بستر پر بیٹھیے، اور خود جا کر آبدار خانہ سے پانی لا کر مجھ کو دیا، میں نے عرض کیا امیر المؤمنین خادم کو اٹھالیا ہوتا، فرمایا سب سوئے ہوئے ہیں، میں نے عرض کیا، تو میں خود ہی جا کر پانی پی لیتا، مامونؓ نے فرمایا اٹھا کے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے ہمان سے کام لے، رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قوم کا سردار، ان کا خادم ہے،

اس واقعہ سے پہلے زمانہ کے سلاطین کا اخلاق جھلکتا ہے، ان کا شریعت پر کھد رعل تھا، ہمان سے کام لینا اخلاقاً اور شرعاً دونوں طرح عیب جانتے تھے۔

مامونؓ کا علمی دربار مشہور ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑا علم دوست تھا، ہر مہفتہ میں شنبہ کو علمی مجلس کا خصوصی اجلاس منعقد ہوتا تھا، جس مجلس میں ملک کے نامی اگرائی علماء شریک ہوتے، اور باہم علمی بحث کرتے، باہم ہمدردی و بہت سے مسائل میں پھسل گیا، جعفر برکی جو مامونؓ کا تالیق صادق و سادہ بیاضیہ تھا، اس نے اور بھی اپنا اثر ڈالا، جس سے بہت ساری باتیں شیعوں کی اس میں پیدا ہو گئی تھیں، انہی میں سے ایک مسئلہ تھا، جعفر برکی کی عیاشی دیکھتے دیکھتے مامونؓ خود بھی اس کا قائل ہو گیا، اور اس نے متوہ کے جواز کی منادی کر دی، جس سے علماء اہل سنت کو بڑی روحانی اذیت ہوئی، اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے یحییٰ بن اکثمؓ متوجہ کئے گئے، چنانچہ یہ ایک دن دربار میں پہنچ گئے، جس وقت یہ وہاں پہنچے ہیں وہ حضرت عمرؓ کا یہ قول پیش کر کے ”رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں دو متوہ تھے، میں ان کو روکتا ہوں“

کہہ رہا تھا جب تک یحییٰ بن اکثمؓ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں اجازت تھی، اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے مامونؓ سے یہ سن کر قاضی صاحب کا رنگ بدل گیا، غصہ میں سرخ ہو کر مچ گئے، مامونؓ نے

خود پوچھا ”یکمی صاحب آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے، انھوں نے کہا امیر المؤمنین اسلام میں ایک نغہ پڑ گیا، اس نے پوچھا وہ کیا، یکمی نے کہا، زنا کی حلت کا اعلان، مامون نے تعجب سے پوچھا، زنا؟ یکمی نے کہا، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کلام الہی کی یہ آیت ”الطی انرا واجہم ثروا ملکات ایمانہم“ (سُتھ صرف دو طرح کی عورتوں کا جائز ہے، بیوی یا لونڈی) پڑھ کر پوچھا، کیا متوجہ عورت لونڈی ہے، مامون بولا نہیں، یکمی نے پوچھا تو پھر کیا بیوی ہے۔ اور اس کو شوہر کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے، اور اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں، مامون نے کہا نہیں۔ یکمی نے کہا جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، تو پھر قرآن کے مقرر کردہ حدود سے باہر ہے، اس قولی استدلال کے ساتھ حضرت علیؓ کی وہ روایت سنائی، جس میں متحدہ کی حرمت کے احکام کا ذکر ہے، مامون لاچار ہو گیا اور اس نے اس فعل سے توبہ کی اور پھر حرمت کی منادی کر دی،

مستقسم جو مامون کے بوجہ فیض ہوا تھا، اس نے زراعت کو بڑی ترقی دی، اس نے اس محکمہ کے ذریعہ ابن زیات کو حکم دے رکھا تھا،

”جو افتادہ زمین تم ایسی دیکھو کہ اس سال اس پر دس روپیہ صرف کر دو،

تو سال آئندہ میں اس سے گیارہ روپے وصول ہوں، ایسے خرچ کے لئے مجھ سے

منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے“

یہ چند تاریخی واقعات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے، ان سے عبرت و بصیرت حاصل کیجئے

اور ان کی روشنی میں دنیا کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائیے

اخیر میں نذۃ المستغنیں اور کتاب کے مصنف کا شکر گزار ہوں، کہ ان کی وجہ میں اس

زمانہ میں ان واقعات کو غور و فکر سے پڑھ سکا۔ اور متاخر ہوا، خدا کرے دوسرے اجاب بھی ان سے

استفادہ کر سکیں۔

لے خوفت بنی عباس اول ص ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱

علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث

۱۲

(جناب خواجہ حافظ محمد علی شاہ صاحب)

کشف الظنون میں پہلی اور دوسری تیسری صدی کی جن تفسیرات کا تذکرہ ہے ان کو بالا حمال والاختصار ہم ذکر کئے دیتے ہیں لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلامی علوم و فنون میں اول مدون علم تفسیر ہے۔ یا تفسیر مجاہدین جبر اس علم کی اول و اقدم تالیف ہے

صاحب کشف الظنون نے حروف معجم (ا ب ت ث ج ح ذ ز) کی ترتیب پر ۹۰۰ سے زائد تفسیر کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کے مختصر احوال بھی لکھے ہیں۔ ہم صرف صحابہ و تابعین و اتباع تابعین کی کتب تفاسیر کا ایک مختصر سا نقشہ ترتیب دیتے ہیں اور یہ ترتیب ان تفسیری روایات کے تاقین کی (سنین وفات کے اعتبار سے قائم کرتے ہیں۔ اس نقشے سے ایک ہی نظر میں بخوبی واضح ہو جائے گا کہ کس کی تفسیر یا تفسیری روایات کے مجرور کو تقدم بالشرف اور اولیت کی فضیلت حاصل ہے۔ ذکر سنیں میں کمی زیادتی یا غلطی کی ذمہ داری ہم پر عاید نہیں کیونکہ سنین وفات میں اختلافات آنے کثیر ہیں کہ ان کی تصحیح کے لئے کتب حوالہ جات کی طرف مراجعت نہ ہو سکی۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تفسیری روایات کے ان تمام مجروروں اور مرتب شدہ کتابوں میں جس کی فہرست دی جا رہی اور تفصیل لکھی جا رہی ہے اسنوس یہ ہے کہ کوئی ایک بھی اس دستِ موجود نہیں لہذا تفسیر مجاہد یا تفسیر ابن عباس یا اور کسی صحابی و تابعی کی تفسیر پر اولیت و اقدمیت کا حکم لگانا رجا بالغیب نہیں تو اور کیا ہے۔

بر خلاف صحیفہ حدیث کے کہ احادیث نبوی کی جمع و تدوین کے باب میں تاریخی ثبوت کے علاوہ ایک کتاب (امام مالک کی مؤطا) اپنے وجود و شہرت کی وجہ سے اولیت و اقدمیت کا سہرا

اپنے سر باندھے ہوئے ہمارے سامنے موجود ہے۔

ذیل کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔ اس میں تفسیر مجاہد کا نمبر ہماری دی ہوئی ترتیب کے اعتبار سے چوتھا ہے اس بنا پر ان کی تفسیر اول و اقدم نہیں ہوتی۔

حضرت مجاہد تابعی ہیں۔ اور یہ صحیح کہ کبار تابعین اور مبزرین مفسرین میں سے ہیں مگر جس طرح ان کی طرف منسوب شدہ تفسیر ان کی جمع کردہ نہیں اسی طرح (ہماری لکھی ہوئی فہرست میں)

(۱) تفسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم - (۲) تفسیر الصحابہ رضی اللہ عنہم - (۳) اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ یہ ہر سہ کتب تفاسیر کئی ان مفسرین کی اپنی جمع کردہ نہیں۔ لہذا تابعی کی تفسیر سے پہلے۔ صحابی کی تفسیر کا اور اس سے بھی پہلے سرکار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کا مرتب ہونا چاہئے اور اسی کو اول و اقدم تفسیر شمار کرنا چاہئے چاہے وہ کبھی مرتب کی گئی ہو اور کوئی اس کا مرتب ہو۔ نہ کہ تفسیر مجاہد کو۔ (نوٹ) علاوہ ان میں اس بارے میں کہ کون سی تفسیر اور کس کی تفسیر اول مرتب ہوئی۔ بجز اختلاف نظر آتا ہے۔ ابن عثمان کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی تفسیر ابن جریج نے مدون کی جو کہ سنہ ۸۷ میں اسلام لائے اور سنہ ۱۱۷ میں وفات پائی

(۱) تفسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم - صاحب کشف الظنون نے اس کے متعلق امام تہلبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس تفسیر کا بعض حصہ اس کے مصنف (ابو الحسن محمد بن قاسم فقیہ) سے سنا اور باقی کی اجازت حاصل کی (کشف الظنون جلد اول ص ۳۱۵ و ۳۱۶)

(۲) تفسیر الصحابہ رضی اللہ عنہم - ابو الحسن محمد بن قاسم فقیہ کی تالیف کردہ۔ اس کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے یہ پوری تفسیر اس کے مصنف سے پڑھی ہے۔ ج ۱ ص ۳۱۷۔

(۳) تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما - اس کے متعلق صاحب کشف الظنون نے صرف دو لفظ لکھے ہیں کہ مختصر ہے اور مخلوط ہے (یعنی کلام پاک کی آیات کے ساتھ مزموج تفسیر ہے) اس کے علاوہ بعض علماء کا خیال ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں اس کی اسناد عابد بن جبیر نے فن تفسیر میں کتاب لکھی جو اس فن کی پہلی کتاب ہے۔

اور کچھ نہیں لکھا۔ ج ۱ ص ۳۰۴

(۴۴) تفسیر مجاہد (۳۱۵ و ۳۱۶)

مجاہد نام۔ ابو الحجاج کنیت، باپ کا نام جبر۔ کئی ہیں۔ سلسلہ یا سلسلہ یا سلسلہ میں علی اختلاف الاقوال وفات پائی۔

ان کے کئی طریقے ہیں۔ (۱) ابن ابی یحییٰ متوفی ۱۳۱ھ۔

(۲) ابن جریج متوفی ۱۵۵ھ

(۳) لیث متوفی ۱۵۵ھ

(۵) تفسیر صفاک متوفی ۱۵۵ھ

(۶) تفسیر عوفی۔ یعنی محمد بن سعد بن محمد بن حسن عوفی۔ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں
(سجواۃ العظمیٰ) ۳۱۲ھ

(۷) تفسیر حسن بصری۔ متوفی رجب ۱۱۰ھ۔ ۳۰۸ھ

(۸) تفسیر زید بن ہارون سلمیٰ تابعی متوفی ۱۵۵ھ سجواۃ ابو الخیر۔

(۹) تفسیر قتادہ بن دعائم بن ابی السدوسی ان کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریق (۱) خارجہ

بن مصعب سرخی کا ہے۔ خارجہ نے اپنی طرف سے بھی اس میں قریباً ایک ہزار احادیث زیادہ کی ہیں، دوسرا طریق۔ (۲) شبیبان بن عبد الرحمن نخوی کا ہے اور تیسرا طریق (۳) معمر کا۔

(۱۰) تفسیر عطار بن ابی رباح ۱۳۱ھ۔ سجواۃ النبی

(۱۱) تفسیر عطاء بن دینار۔ ۱۲۶ھ۔ "

(۱۲) تفسیر اسماعیل سدی کبیر (تفسیر السدی علی طریق الروایۃ)۔ متوفی ۱۲۷ھ ۳۱۳ھ

(۱۳) تفسیر عطار بن ابی مسلم الخراسانی۔ متوفی ۱۲۷ھ۔ سجواۃ النبی

(۱۴) تفسیر زید بن اسلم العدوی المدنی ذی الحجۃ ۱۳۲ھ

(۱۵) تفسیر کلثمی۔ محمد بن سائب۔ ۱۲۶ھ۔ ان کے بھی چند طرق ہیں۔

(۱) طریق محمد بن فضل - (۲) طریق یوسف بن ہلال - (۳) طریق حبان

اور یہ سب حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔

(۱۶) تفسیر شعب بن حجاج بصری - وفات ۱۶۰ھ

(۱۷) تفسیر عبدالرزاق بن ہمام صفائی شیخ البخاری ۲۱۱ھ

(۱۸) تفسیر فرجانی - محمد بن یوسف وفات ۱۲۲ھ - سجاد اعلیٰ علامہ سیوطیؒ نے اس کا اختصار

لکھا اور انتخاب کیا۔ ۳۱۱ھ

(۱۹) تفسیر میر فی ابن مزاحم ہلالی ۳۱۱ھ - ان کے کئی طریقے ہیں۔ (۱) طریق جویری یعنی میر فی

کے شاگرد جو سیران سے روایت کرتے ہیں اور یہ ایک مبسوط کتاب ہے۔ (۲) طریق علی بن الحکم۔

(۳) طریق عبید بن سلیمان باہلی۔ (۴) طریق ردف بن عطیہ بن حارث۔

(۵) تفسیر شبلی بن عباد مکی - سجاد اعلیٰ۔

(۶) تفسیر عبد بن حمید بن نوکشی ۲۴۹ھ۔

(۷) تفسیر محمد بن ابن عباس۔

(۸) تفسیر مسیب بن شریک - ۳۱۵ھ سجاد اعلیٰ

(۹) تفسیر مقاتل بن حیان۔

(۱۰) تفسیر مقاتل بن سلیمان ۳۵۰ھ۔

نوٹ (۱) مقاتل بن حبان کے دو طریقے ہیں۔ (۱) طریق اعلیٰ۔ (۲) طریق ابو عصہ الرندی۔

(۲) یہ دونوں مقاتل بن حبان اور مقاتل بن سلمان ۳۰ آدمیوں سے روایت کرتے ہیں۔

جن میں ۱۲ تابعی ہیں۔ ۳۱۵ھ

(۳) اس تمام تفصیل سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان حضرات تابعین کرام و تبع تابعین عظام نے

کوئی تفسیر کی کتاب حدیث کے رسائل و کتب کی طرح خود تالیف و تصنیف کی تھی۔ اور اگر تسلیم کر لیا

جائے کہ ان حضرات نے تفسیر میں تالیفات کی ہیں اور مذکورہ تمام تفسیریں ان کی مؤلفہ ہیں تو یہ بالکل

کا ہر ہے کہ آج ان میں سے کوئی تفسیر بھی موجود نہیں صرف تفسیری روایات ہیں جو تبع تابعین اور اس طبقہ کے بعد علماء نے اپنی کتب ہائے تفسیر میں ذکر کی اور نقل کی ہیں یا ان کو مستقل کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے۔

یہ صحیح کہ حضرت مجاہدؒ تابعین مفسرین میں پہلی صدی ہجری کے بعد وفات پانے والے ہیں۔
خبر القرون کی شمولیت اور تقدم وفات کی وجہ سے آپ کو تقدم بالادبیت کا شرف حاصل اور آپ ہر طرح لائق استناد ہیں۔

لیکن تابعین مفسرین کی اسی جماعت میں پہلی صدی ہجری کے اندر وفات پانے والے کئی حضرات ہیں۔ جن میں مرہ سہدانی۔ ابو العالیہ اور سعید بن جبیر کا نام لیا جاسکتا ہے اس پر مزیدہ کہ یہ تینوں بھی حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ و اصحاب میں سے ہیں۔ مرہ سہدانی نے شکہ سے قبل وفات پائی۔ ابو العالیہ کا انتقال ۱۷۷ھ میں ہوا اور سعید بن جبیر ۱۷۷ھ میں شہید ہوئے۔
اگر حضرت مجاہدؒ کی تقدم وفات سے تفسیر مجاہدؒ کا فن تفسیر کی پہلی کتاب ہونا اور اس اعتبار سے علم تفسیر کا اول مدون ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو مذکورہ بالا ہر سہ اصحاب کی تفسیر کا مرتبہ حضرت مجاہدؒ کی تفسیر سے ادل ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ یا کسی دوسرے مفسر صحابی کی تفاسیر اور تفسیری روایات بدرجہ اولیٰ اس کی مستحق ہیں کہ ان کو اول التفاسیر اور اقدم التفاسیر کہہ سکیں۔ چاہے وہ کسی زمانہ میں مرتب کی گئی ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات کا مجموعہ مرتب شدہ موجود ہے اور آپ وفات کے اعتبار سے بھی ان سب سے مقدم ہیں کیونکہ آپ کی وفات ۱۷ھ میں ہوئی۔ اور حضرت مجاہدؒ مرہ سہدانی ابو العالیہ اور سعید بن جبیر کے استاد و شیخ بھی ہیں یہ چاروں اصحاب تفسیر کتاب اللہ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ نام و حضرت ابن عباسؓ ہی سے نقل کرتے ہیں لہذا ان سب میں ہر حیثیت سے تفسیر ابن عباسؓ کو تقدم و ادبیت کا شرف ہوگا کہ تفسیر مجاہدؒ کو حبیب کہ بعض علماء مفسر کا خیال ہے واللہ اعلم بالحق۔
والصدق والصواب والہدایہ المرجع والمآب۔

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اوس

جنگ پانی پت

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۰)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابۃ ماہ فردی)

شجاع الدولہ شجاع الدولہ کا قبضہ شاہ عالم پر کامل تھا ان کو جگہ جگہ لئے بھرتے تھے کبھی نوابان بنگال سے منہ کی کھائی کبھی انگریزوں نے مات دی اودھ میں شاہ عالم مقیم تھے اور شجاع الدولہ کے ہاتھوں کھیل رہے تھے شجاع نے نجیب الدولہ کو یہ سمجھ کر کہ اس کا دماغ محمد سے ادب ہے گانٹھا ہے اور بگڑی بدل بھائی بن گئے اس کا ارادہ ہوا کہ احمد خاں ننگش کو ٹھکانہ لگایا جائے نجیب الدولہ کا یہ رقیب تھا ہی گو مصالحت ہو چکی تھی پھر بھان کاکندہ مشہور ہے شجاع الدولہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا لیا اور آمادہ کر لیا کہ فرخ آباد کو فتح کرنے میں شاہ عالم کی ہر کابی میں نجیب الدولہ رہیں گے۔ چنانچہ شجاع الدولہ شاہ عالم کو لے کر معہ فوج کے فرخ آباد پر چڑھائی کر دی نجیب الدولہ دلی سے روانہ ہوئے خدا گنج تک پہنچ گئے

نواب احمد خاں نے حافظ الملک کو اپنی معاونت کے لئے دعوت دی وہ ان ایام میں پرگنہ ہر آباد میں مقیم تھے جلال آباد اور دہاں سے فتح گڑھ روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر مشورہ نواب احمد خاں نجیب الدولہ کو خط لکھا یہ حافظ صاحب کو اپنی طرف مائل کر رہے تھے مگر وہ احمد خاں ننگش کے

کے حمایتی آخر شمس خود نجیب الدولہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں اس کے خسر نواب دودھ لے خاں تھے ان دونوں صاحبوں نے ان کی غلطی سے متنبہ کیا یہ عذر خواہی کر کے صلح پر ماضی ہو گئے اور عرض کیا حافظ صاحب بادشاہ سے شرفِ ملازمت حاصل کر لیں چنانچہ نظام کی خدمت میں حافظ الملک تشریف لائے ان کی پاس خاطر سے شجاع الدولہ نے فرخ آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا کیا چند روز کے بعد شجاع الدولہ در شاہ عالم آدھ کو اور نجیب الدولہ پٹی کو واپس گئے۔

مرہٹے اور جاٹ | پانی پت کی جنگ کے بعد مرہٹوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے پہلے جاٹوں کو آیا انہیں سورج ل جاٹ کی ترکست سے کہ اس نے پانی پت کی جنگ میں ان سے دعا کی اس پر مرہٹوں نے جاٹوں کی خوب گزشتالی کر کے جنگ پانی پت دالے اپنے اصلی دشمنوں نواب نجیب الدولہ نواب احمد خاں شگش اور حافظ الملک وغیرہ کی طرف رجوع ہونا چاہا۔

راجپوتوں سنگ سے ڈمک کے میدان میں مرہٹے کامیاب ہو چکے تھے ۶۵ لاکھ لدیلین سے لے کر جاٹوں کی جان چھوڑی تھی بہت بلند تھی نجیب الدولہ کو دور بینی اور سیاست حاضرہ کا لحاظ رکھ کر دیسا جی کشن اور شیخو جی بھکر کی وساطت سے مرہٹوں سے صلح کر لی بعض مورخین اس امر کو خود غرضی پر مبنی کرتے ہیں مرہٹے ان سے منہ کر فرخ آباد کی طرف بڑھے اور ان میں کاظم دار نجیب الدولہ کو ٹھہراتا ہے۔

”نجیب الدولہ از حزم بہرہ دانی داشت با خود سنجید کہ ایں بلا بالا بالا نخواہد رفت مبادا کہ آسبے بشہر رسد بالسرور بادرد و فوجے کہ ہمراہ بود تو کل کردہ پیش سرداران آمد تا جان در دست داشت نگذاشت کہ دکھنیاں (مرہٹے) رو بسوئے شہر کنند و فتنہ آواز مرخصی مزنے کہ داشت از مہاں رفت بے

راجہ سورج ل | راجہ سورج ل جاٹ معاصر راجوں میں ہونشیاں اور بیدار مغز سمجھا جاتا تھا جنگ پانی پت

نہ حیات حافظ رحمت خاں ۱۱۹۰ از مولوی سید الطاف علی بریلوی لکھ ذکر میر ۱۱۹۰

میں بہادر کو حکم دے کر مدد اپنی فوج کے بھرت پور واپس آگیا اؤں نے چار قلعہ مستحکم تیار کئے تھے اور بارہ ہزار سوار جرار آزمودہ کا روقہ اعداں اس نے آراستہ کئے تھے کہ مثل ان کے کسی بہادر میں نہ تھے۔ سورج مل کو بڑھانے والا اور بہت دلائے والا صفدر جنگ مرحوم تھا میر تقی میر اکبر آبادی "ذکر میر" میں کہتے ہیں۔

۴ سورج مل کو زمیندار زور اداری اسست آباد اعداں ہمیشہ مورد عنایت بادشاہان اولوالعزم ماندہ اندر حالے کے خبر پور رہداری مابین اکبر آباد و شاہجہاں آباد باد قلعہ داشت در اس ایام اند سستی روسائے اسلام سرے کشید و متصرف اکثر محلات گردیدہ بسبب حرام نوشگئی قلعہ دار یہ روزگار حصن حصین اکبر آباد گرفت شاہ عالم بحریک شجاع الدولہ کو علاء الدین برادست بانسکر بے شمار حرکت کرد زبان زد خلق شد کہ برائے اخراج سورج مل می آید زمیندار مذکور بہت محظوظ شہر و حصار مسطور از قلعہ جات خود رفتہ برارادہ پرفاش نشست در راجہ نوشت کہ آمدن شما تاز است ایشان کہ آتش از چوب خشک مژا شنیدند میاں دار فرستاد آں انبوه را باز گردانیدند؟

غرض کہ سورج مل کو ترقی کا موقعہ ہاتھ آتا جا رہا تھا صفدر جنگ ان کی دستگیری کرنا تھا پھر اس کا بیٹا شجاع الدولہ ان سے مافوس تھا ان کی نزدیکی پر معمولی توجہ کرتا تھا مگر نجیب الدولہ کو ان سے پرفاش تھی اور ان کے ظلم و تشدد اور لوٹ مار کا اندھا د کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو شاہ درانی کے ہاتھوں ختم کر کر جانوں کے استیصال کی طرف متوجہ ہوئے، یعقوب علی خاں برادر شاہ ابدالی اور کرم اللہ خاں کو سورج مل کے پاس بھیجا تاکہ بہادر خاں اور اس میں مصالحت کرادے مگر سورج مل رضامند نہ ہوا یعقوب علی خاں اور کرم اللہ خاں لوٹ آئے اور کرم اللہ خاں نے امیر الامراء سے کہا اگر کچھ بھی غیرت ہے تو سورج مل کی بنیہ کیجئے ورنہ بہادری کا نام نہ لیجئے نجیب الدولہ برہم ہو گیا اور اپنے بیٹوں افضل خاں، سلطان خاں، صلیب خاں کو حکم دیا اپنی اپنی فوج لے کر جہاں سے پار کر کے تیار ہوؤ دیگر رئیس سعادت خاں افریدی و صادق محمد خاں

۱۔ سیدالہ خاں ۲۔ ذکر میر ص ۱۲ تا ۱۳

نگش کو عقب میں ان کے روانہ کیا یہ خبر سورج مل کو پہنچی وہ بھی فوج لے کر کنارہ گھاٹ آموچہ
 ہوا اور مورچہ باندھا غرض کہ خود نجیب الدولہ شاہ درہ کو نسبت دے کر جانوں کے مقابل ہوئے
 سورج مل کے پاس دس ہزار سوار جڑا تھے افضل خاں ہراول پر تھا جس کے مقابل مسندام
 جاٹ تھا ایک ہی جھڑپ میں افضل خاں چالیس پچاس سواروں کو لے کر راہ فرار پر مجبور ہوئے
 اس طرف سے گذرے جہاں سورج مل کھڑا تھا کلیم اللہ خاں دمرزا سید اللہ خاں رفقاے
 سورج مل نے کہا تھا کہ صاحب اس جگہ کھڑا ہونا مناسب نہیں مگر اس نے التفات نہ کی تھوڑے
 عرصہ میں سید محمد خاں بھی تاب مقابلہ نہ لاکر پیچھے پچاس سواروں سے ادھر سے گذر سید صاحب کے
 ہراہیوں میں سے ایک نے سورج مل کو پہچان لیا اور سید صاحب سے کہا خان صاحب کہاں جاتے
 ہو ٹھاکر سورج مل سامنے میدان میں کھڑا ہے دو دو ہاتھ اس سے کرتے چلو ایسا موتہ پھر نہ لگایا
 سید محمد خاں نے گھوڑے کی رکاب پھیر کر سورج مل کو چالیا اور اس کا کام تمام کر دیا ایک
 سوار نے چلتے ہوئے اس کا ہاتھ قلم کر لیا اس میں زخم ناسور تھا یہ ہاتھ لے جا کر نجیب الدولہ
 کی خدمت میں پیش کیا ادھر بے سردار کہاں تک فوج مقابلہ کرتی اس نے راہ فرار اختیار کی
 نجیب الدولہ بافتح و نصرت داخل شاہجہاں آباد ہوئے۔

میر تقی میر نے اس واقعہ کو اس انداز سے لکھا ہے پڑھنے کے قابل ہے

”افسوس سردارے جوں سورج مل گشتہ شود و ما میر قتان لاش اور ابر خاک میدان

گذاشتہ از ترس جان بردیم۔ ازیں جابہ ظہور می پیوند دکر اودہ شور و زخم و زک بفرج ہمیش

د یعنی چنداول، بود گشتہ شد و لشکرش گریختہ رفت۔“

سورج مل کے مارے جانے کے بعد اس کا بیٹا جو اہر لال گدی پر بیٹھا قبول طلبا بنائی

نہایت متکبر اور مست بادہ نخوت تھا اس غرور میں باقد جادہ اطاعت سے آگے بڑھایا اور

مرہٹوں کو جو کے اتار فتن کیا۔

۱۰ سیر المآثرین صفحہ ۳۶۹ تک ذکر میر صفحہ ۱۰۹

میر تقی میر کہتے ہیں کہ جواہر سنگد

در بہمت دشماقت در موت مدد مرتبہ از پدر خود بہتر است۔

جواہر سنگد اپنے باپ کے انتقام کے خیال سے قلعہ شاہجہاں آباد پر چڑھ دوڑا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو اب نجیب الدولہ بالیس روڑ تک خوب مقابلہ کرتا رہا راجہ دلیر سنگ سے صلح کر لی خضر آباد میں تو اب نجیب الدولہ اور جواہر سنگد میں کر گئے اس طرح سے یہ فتنہ رنج و دغ ہو گیا۔
 نجیب الدولہ کا نام دہلی جواں بخت کے ننگوں کے بطور نجیب الدولہ دہلی میں نو برس رہے نہایت نیک فیتی سے دہات سلطنت انجام دئے۔

شاہ درانی قندھار جاتے ہوئے۔

شہزادہ جواں بخت راوی عہد شاہ عالم نمود و شہر دہلی را با اختیار نجیب الدولہ گذارانتہ۔
 علی ترقی | نجیب الدولہ کا دلی کا وہ زمانہ تھا حضرت شاہ ولی اللہ کی در سگاہ شباب پر بھی ددروڑ تک کے طالبان علم اس درس گاہ سے فیوض علم حاصل کر رہے تھے دلی میں ہر حکم شاہ صاحب کے شاگرد مسند درس و تدریس بچائے بیٹھے ہوئے تھے علماء کی خبر گیری تو اب نجیب الدولہ کی جانب سے تھی تو سوسو علماء اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے چنانچہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں ہے کہ نزد نجیب الدولہ نہ مدد عالم بودا دینی بخیر و بدیہ داعی پانصد روپیہ دستاویز خفی و شافعی دہاکی دھنلی را طلبیدہ بود۔

نجیب الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ کا معتقد خاص تھا تمام معاملات علی میں ان سے مشورہ لینا شاہ صاحب کے وصال کے بعد شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین شاہ عبدالغنی کے وظائف مقرر کئے اور ان کے لئے ایک شاندار مکان عطا کیا۔ نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد تو اب صاحب خان کا بھی یہی طریقہ بزرگان کرام کے ساتھ رہا ہر قسم کی خبر گیری رکھتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز اکثر نجیب الدولہ سے ملنے جایا کرتے فرماتے ہیں کہ

لہ ذکر میر صفحہ ۱۸۰ سیر الہا خیرین صفحہ ۳۷۰ لہ ذکر میر متا ۱۸ ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی

”کہ تقریب عبادت نجیب خاں رفتہ بودم“

اس وقت کی دلی کا نقشہ حضرت شاہ عبدالغزیز کے ان عربی ابیات سے ظاہر ہوتا ہے

یا من بسائل علی دہلی و سرفعتھا علی البلاد و ساحاتہا من شوق
ان البلاد اہماء وھی سیدۃ و انہا دمرۃ و الکل کالصدق
فاقت بلاد الومری عزاً و منقبۃ غیر الحجاس و غیر القدس و الحجف
سکانہا حبال الارض قاطتہا خلقا و خلقا بلا عجب و اوصاف
بہامد امرس لوطاف الصبیر بہا لم تنفخ عنہ الا علی الصبح
کہ مسجد سرخ رفت فیہا مناسرتہ لوقابلتہ شمس الصخر تنکسف
ولا عروان زینت الدینا بنیتہا کہ من اب قد علا بن درختی شرف
وما سرجون جری من تحتہا فحکی انہا سرخلد جرت فی اسفل العرف
رواداری انواب نجیب الدولہ میں رواداری بہت تھی جہاں مساجد تعمیر کرائیں دیگر مذاہب کے معابد
کی مراد بھی کی۔

نواب کی والدہ کا انتقال ہوا نجیب آباد میں جس جگہ قربانے کا ارادہ کیا وہ زمین کسی نہ کسی
ہندو کی نکلی آخر ش مجبور ہو کر کہا کہ نجیب آباد میں ہماری ایک بالشت زمین نہیں ہم زبردستی کسی کی
زمین نہیں لینا چاہتے لہذا تابوت کو ہمارے وطن لے جائے گا انتظام کرو وہاں والدہ دفن کی جائیگا
اس خبر نے ہر ایک کو ہمدردی کرنے پر مجبور کیا اور زمین مقبرہ کے لائق پیش کی جس کا معاوضہ نواب
نے عطا کیا۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد ہندوستان کا مستقبل نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ
نجیب آباد کے پٹھانوں کی ۱۷۷۷ء میں ہرودار پر حکومت تھی رنجیب الدولہ نے ہندو جاؤں
کی آسائش کی غرض سے بڑے بڑے مکان بنوادئے تھے جو کہ آج تک موجود ہیں اور ہندوؤں
کے قبضہ میں ہیں۔

۵۹۔ ملاحظہ فرمائیے شاہ عبدالغزیز صفحہ ۸۱ کے اسلامی تاریخی کہانیاں از انتظام اللہ کے ہندوستان کا مستقبل ص ۵۹

سیرت | اردن صاحب تالیخ فرخ آباد میں لکھتے ہیں کہ

”نجیب الدولہ بابت شرافت، سخاوت، مردت، عقل و دراندیشی۔ حمیت و دینداری

بالکامنی میں بے نظیر تھا“

صاحب سیر المتاخرین لکھتا ہے

نجیب الدولہ مرد مردانہ و شجاع زمانہ اور جمیع صفات سرداری میں یکجا روزگار تھا مگر اقوام
روسیہ کہ غبیث طینت و بد باطن اور ناعاقبت اندیشی ان کی خلقت میں ہے اکثر مردمان شہر شرف
و نجبا پر ظلم و زیادتیاں کرتے تھے کہ خلق خدا ان کے ظلم و جور سے جان سے عاجز آتے ہوئے تھے
جو کچھ کہ اس زمانہ میں ساکنان شاہجہاں باد پر گزار قابل تحریر نہیں بلکہ طباطبائی نے روسیوں کے لئے
تویہ زہر اٹھایا لیکن شجاع الدولہ اور اس کی جماعت کے کارنامہ نظر انداز کئے اس کے جور و ظلم اور اسلام
دشمنی کے مقابلہ میں روسیوں کا طرز تشدد بے حقیقت ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم مسئلہ کی خاطر کذب
بیانی سے بھی اعراض نہیں کیا۔

صاحب اخبار الصنادید لکھتے ہیں۔

باجوہرہ کہ نجیب خاں مخاطب نواب نجیب الدولہ بے علم تھے مگر قابلیت و لیاقت خدا داد
رکھتے تھے شجاعت اور شہامت اور سرداری میں نشان بلکہ بے نشان قدرت الہی کے تھے“

انتظام سلطنت | صاحب سیر المتاخرین لکھتا ہے

معدلت گھمتری | اب وہ وقت ہے کہ نجیب الدولہ فرماں روائے شاہ جہاں آباد ہوئے نجیب الدولہ
معدلت کشیش اور خیر اندیش خلق کا تھا جب کہ دس یا گیارہ برس تک نجیب الدولہ نے کار منصبہ
امیرالامرائی کو کمال دیانت و شجاعت و خوشنودی و خلاق و عدل و داد کے انجام دیا اور بدوین بلاطلا
جہات ملکی و مالی پر مدت دراز شاہانہ طور پر تصرف رہا اور اپنے وقت میں سوائے حسن انتظام
کے کوئی امر بد رعوی یا بد نظمی کا نہ آنے دیا“

لے سیر المتاخرین ص ۲۷۱ لے اخبار الصنادید ج اول ص ۲۷۲ و ۳۶۲

عظیم المرتبت تاریخ انگریزی ۱۸۵۷ء میں مل صاحب لکھتا ہے کہ
 نجیب الدولہ ہندوستان اور یورپ کے دلوں میں یہ نقش کر دیتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ
 کا آدمی ہے مری رائے میں بھی یہ افغان نجیب الدولہ جو کہ دزیرا دل سلطنت کا تھا اور خود بھی مالک
 ایک بڑے حصہ ملک کا وہ آب میں تھا مشہور افغان اس زمانہ کا شمالی ہندوستان میں تھا جو اٹھائیس
 ہجری کو دریافت ہوئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی شخص ہے جو عظیم المرتبت اور قابل تعظیم
 اور قدر کے لائق ہے :-

ایک نئے وعدہ | نجیب الدولہ دارانچہ سے دہلی چلے راستہ میں گوجر دکن کا علاقہ پڑا ان کے سردار
 نے ان کی اطاعت کی اور کثیر القاد گوجران کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دئے نجیب الدولہ
 نے کہا سردار کامیابی پر یہ وعدہ کرتا ہوں بڑی سے بڑی خدمت تمہاری انجام دوں گا چنانچہ
 جب امیرالامرائی پر سرفراز ہوئے اور اپنے وطن آئے سردار گوجر سلام کرنے حاضر ہوا اس کو
 دیکھتے ہی گلے سے لگایا اور راہ کا خطاب دیا اور ایک تعلقہ گوجروں کا جو گنگا کے کنارے غنی
 اور جہان کے کنارہ شرفی کی مابین تھا عطا کیا یہ سردار راہ اجیت سنگھ کے نام سے تاریخ میں مذکور ہے

(باقی آئندہ)

مصارف زکوٰۃ کے سلسلے میں چند ضروری باتیں

اس

(جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی)

”مصارف زکوٰۃ میں“ فی سبیل اللہ“ کی تفسیر و ترویج کا مسئلہ بہت کافی غور طلب ہے اور اس کے مختلف پہلو بحث و تہصیل کے محتاج ہیں اس سلسلے میں قاضی ابوبکر حصانؒ نے احکام القرآن میں جو کچھ فرمایا ہے اس کو پیش نظر رکھنا بہر حال ضروری ہے ہم سر دست اصلاحی صاحب کا یہ استفسار اس موقع پر شائع کر رہے ہیں کہ حضرات علماء اہل مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اس پر غور فرمائیں گے جن کی جانب فاضل مضمون نگار نے توجہ دلائی ہے۔

(برہان)

زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے جس کے بارے میں عام مفسرین اور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اعانت مجاہدین اور وہ سامان جہاد ہے جو ان کی ملک میں دے دیا جائے بعضوں کے نزدیک سفر حج بھی اسی کے تحت داخل ہے جیسا کہ ام معقل دالی حدیث میں آگیا ہے در بابت طلب امر یہ ہے کہ کیا ”فی سبیل اللہ“ کے مصرف کو اس سے زیادہ وسعت دیا جاسکتی ہے یعنی تبلیغ و اشاعت اسلام اور اقامت دین کے دوسرے کاموں میں بغیر تملیک کے بھی زکوٰۃ کا مال فی سبیل اللہ کے تحت صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

میرے علم میں قدامت میں سے کسی کی رائے تو وسیع کی موافقت میں نہیں ہے البتہ کتاب الاموال میں ابن انس بن مالک کا ایک اثر مل گیا ہے جس سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے وہ اثر یہ ہے عن انس بن مالک و الحسن قال ما اعطيت في الحبس و بالطرق فمهي صدقة ما ضية“

اسمعیل بن ابراہیم جو ابن علیہ کے نام سے مشہور ہیں اس اثر کی تشریح کرتے ہوئے دیتے ہیں

”امنا تجزی من الزکوٰۃ“ کتاب الاموال ص ۵۵

امام ابو یوسف کے منطق عام فقہاء نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی لیا ہے لیکن کتاب الخراج دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تنہا کے قائل نہیں تھے مصارف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قَالَ الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ قَدْ ذَهَبُوا وَالْعَامِلُونَ عَلَيْهَا يُعْطِيهِمُ الْإِمَامُ مَا يَكْفِيهِمْ وَأَنْ قُلُوبُ
مِنَ الثَّمَنِ أَوْ أَكْثَرَ أَعْطَى الْوَالِي مِنْهُمْ مَا يَسْعَى وَيُسَبِّحُ عَمَالَهُ مِنْ غَيْرِ سَرَفٍ وَلَا تَقْنِيرٍ
وَقَسَمْتُ بِقِيَّةِ الصَّدَقَاتِ بَيْنَهُمْ - فَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ سَهْمٌ - وَلِلْعَامِلِينَ وَهُمْ الَّذِينَ
لَا يَقْدِرُونَ عَلَى قَضَاءِ دِيُونِهِمْ سَهْمٌ وَفِي آيَةِ السَّبِيلِ الْمَقْطَعِ جِهْمٌ سَهْمٌ - بِجَمْعِ
بِهْ وَبِعَادِلُونَ وَفِي الْوَقَافِ سَهْمٌ وَسَهْمٌ فِي أَصْلَاحِ طُرُقِ الْمُسْلِمِينَ الْخَرْجِ

خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں اور انھوں نے صرف جس سے مراد "فی سبیل اللہ" ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بالحد اس معنی کی تشریح نہیں کی ہے اور نہ تشریح میں قرآن کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

بخاری باب القسام اور ابوداؤد "باب القتل بالقسامہ" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سہیل کے قتل کے سلسلہ میں زکوٰۃ کے تنوائت ویت کے طور پر دئے (فَوَلَّاهُ مَائَةً مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ) بعض روایتوں میں (مِنْ عِنْدِهِ) کا لفظ ہے، بہر حال ترجیح جس لفظ کو بھی ہو لیکن من اہل الصدقہ کے لفظ کو محدثین نے رد نہیں کیا ہے بلکہ اس کو تسلیم کر کے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے۔ پوری تفصیل فتح الباری میں موجود ہے (ج ۲)۔

اسی روایت کے ماتحت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کو مصارف عامہ کے کاموں میں صرف کرنا جائز سمجھتے ہیں اور وہ خود بھی اسی کے قائل تھے (فتح الباری)۔

البدائع والصنائع میں ہے کہ اِذَا قَوْلُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عِبَارَةً عَنْ جَمِيعِ الْقُرْبِ نَيْلُهَا
فِي كُلِّ مَنْ سَعَى فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَسَبِيلِ الْخَيْرَاتِ (ج ۲)

حال کے مفسرین میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے قبل کے لفظ سے معالجہ عامہ کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ علامہ رشید رضا مصری اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں وسعت دی ہے۔ حضرت الاستاذ جناب سید صاحب نے بھی سیرت کی پانچویں جلد میں وسعت ہی کا پہلا اختیار کیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات قابل غور ہے کہ عام فقہاء کرام للفقراء اور اس کے معنوںات علیہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس پر لام "تملیک" کا ہے اور قرآن میں "فی سبیل اللہ" کا لفظ جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد جہاد ہی ہے۔ اس کے متعلق حضرت سید صاحب نے سیرت میں جو کچھ لکھا ہے ہم اسے نقل کرتے ہیں۔

"الکفر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا۔ ہے مگر یہ تجدید صحیح نہیں معلوم ہوتی ابھی آیت گذر چکی ہے للفقراء الذین احصوا فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر شے اور دین کا کام مراد ہے الکفر فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے۔ مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے جو ہو سکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (سیرت جلد ۲۳ ص ۲۳۷)

ابن عربی مالکی نے کتاب الاحکام میں لکھا ہے کہ واختلف العلماء فی معنی الذی افاد

هذه اللام لام الرجل كقولك هذا السرح للداية والباب للدار وبه قال مالك و ابو حنيفة ومنهم من قال ان هذا لام التملك كقولك هذا المال لزيد وبه مل الشافعي

اس وقت اقامت دین کے کاموں اور مدارس کے قیام و بقاء کی اہمیت ملحوظ خاطر رہے نیز

یہ کہ اس وقت ان مدت کے خرچ کرنے میں سب عربی مدارس میں جو نفی جیلے کئے جاتے ہیں

اس کی کیا ضرورت ہے جب تملیک کا مسئلہ نفس کی حیثیت نہیں رکھتا تو نفی حیلوں کے بجائے

اس کو اصولی طور پر کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے۔ اور ہر حال حیل کی حیثیت ابا حبت مرصیہ نہیں بلکہ دین

کی روح کے لحاظ سے تو غیر مرصیہ ہی معلوم ہوتی ہے۔

ادبیات

نثار اقبال

۱۲۲

(مولانا مناظر احسن گیلانی)

حیدر آبادی میں تھا کہ مرحوم ڈاکٹر اقبال نور اللہ مرقدہ کی وفات کی خبر نے دل و دماغ میں ہلچل پیدا کر دی اضطرابی کیفیت اور اضطرابی جذبات نے نظم کی صورت اختیار کی، لکھ لی گئی اور حسب دستور طاق نسیاں کے حوالہ کر دی گئی، انی سرفہ میں بسمل شاہ جہاں پوری کی نظم کو دیکھ کر طاق نسیاں والی بھی نظم یاد آئی اور قارئین برہان کے لئے بھی بھولی سبیری نظم اتار کر برسوں کے بعد پیش ہو رہی ہے۔

اخلاص و وفا کی زندہ تصویر	اسلام کا فخر دین کی توقیر
وہ مست الستِ بادۂ عشق	برہم زنِ قصرِ عقل و تدبیر
مخرابِ کمانِ قصرِ اسلام	وہ ترکشِ دین حق کا شہ نیر
امت کو ملی ہے آج تجھ سے	قرآن کی اک جدید تفسیر
اس عہد میں ہے کلام تیرا	اسلام کی ایک زندہ نصیر
ملت نے جب اپنا ملک کھویا	تب تیرا قلم بنا جہاں گیر
توڑا زورِ قلم سے تو نے	اہلِ مغرب کا دایم تنزیر
دل جو تھے اسیرِ یاس و حرام	پیدا کیا ان میں غمِ تسخیر

دنیا کے تھے جتنے جھوٹے رشتے کی ان کی ہمیشہ تو نے متغیر
 شیرازہٴ دین کو اس سے جکا قدرت سے ملی تجھے جو زنجیر
 گم کردہ آشتیاں پرندے فراق کے تیرے اب میں پتھر
 دی تو نے خودی کی تیغِ براں مسلم نہیں اب رہیں شمشیر
 جز ذوقِ یقین بتایا تو نے تقریرِ فضول، لغوِ تحسیر
 ایوانِ یقین ہل رہا تھا کی تیرے علم نے اس کی تعمیر
 قدرت کے عجیب ہیں کونستے کہتے ہیں اسی کو دیکھو تقدیر
 پاؤں جو گیا تھا کدے میں مسجد میں بنا وہ پیروں کا پیر
 نورِ دلِ مصطفیٰ مبارک ہے فیر کی جس سے تنویر
 سالار کا اپنے اب قدمِ جوم اصحاب سے ان کے ہو بغل گیر

دہلی کی شاہی مسجد میں ان کی آخری خواب گاہ تعمیر ہوئی ۱۲۱۰ھ

غزل

(جنابِ آلمِ مظفرنگوی)

بھر کہاں یہ سرخوشی ساقی خوارانے کے بعد لا دے جا متصل پیمانہ پہلنے کے بعد
 کسوتِ مینا میں تو مے صرف موجِ برق تھی بن گئی کچھ اور شے ہونٹوں تک اُچلنے کے بعد
 سازِ الفت بڑھ سکا اب تک رسوِ حسن سے شمعِ محفل صبح تک جلتی ہے بڑوانے کے بعد
 بخودیِ غم میں تھے جلوئے کئی پیشِ نظر کچھ نظر آتا نہیں اب ہوش آجانے کے بعد
 صبرِ لازم ہے ابھی اے نشہ کا ماں سرور خم کی باری آئے گی شیشے کے پیمانے کے بعد
 شمعِ محفل کی زباں پر تو مصلاتے عام تھی کیوں نہ اُٹھا کوئی بزمِ غم سے پڑانے کے بعد
 روزِ اداں سے یہی ہے سنتِ بزمِ جنوں صدرِ محفل ہو یہاں دیوانہ دیوانے کے بعد

اے مسافر یاد رکھ اتنا کہ راہِ شوق میں منزل اس منزل سے آتی ہے گزر جانے کے بعد
 کر رہا ہے میکدے میں فاش اسرارِ ازل بادہ آشامِ طریقت ہوش میں آنے کے بعد
 کون دے اہل جنوں کو دعوتِ جوشِ جنوں اب بہاریں ہیں نہ گلشنِ تیرے دیوانے کے بعد

مدقوں سے ہیں آتم بیکانہ اہل جہاں
 ددر رہتے ہیں ہر اک سے عشقِ فرمانے کے بعد

غزل

(جباب انور صابری)

روتے روتے عمر گنوائی بھر بھی محبتِ راس نہ آئی
 بھید کو دل کے دل ہی میں رکھ لے منہ سے نکلی بات پر آئی
 دردِ جگر میں بھر ہے کمی سی اے غمِ جاناں تیری دہائی
 ظلمتِ غم میں شمعِ نصوّر خود ہی جلائی خود ہی سمجھائی
 لاکھ دفائے گیت سنائے ان کی جفا کو منہ نہ آئی
 کس سے کرم کی آس لگائیں ان کا زمانہ ان کی ہدائی
 رہ گئے وہ دل مقام کے انور
 ہم نے غزل جب اپنی سنائی

تبصرے

رعنائیاں | از برج لال صاحب رعنائی۔ ۱۔ اے تقطیع متوسط، صفحات ۱۲۸، کتابت، طباعت صاف، قیمت مجلد مع گرد پوش غیر پتہ :- مکتبہ شان ہند دہلی،

رعنائیاں راولپنڈی کے نوجوان شاعر مسٹر برج لال بگلی رعنا کے کلام کا دلچسپ مجموعہ ہے مجموعے کا برا حصہ رباعیوں پر مشتمل ہے باقی حصے میں غزلیں اور نظمیں ہیں،

ملک کی تقسیم کے نتیجے میں جہاں اردو کے بہت سے شاعر اور ادیب ہندوستان سے پاکستان چلے گئے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ دلی کو اٹھا کر کراچی پھینک دیا گیا بہت سے کمال ادیب شاعر اور انشاپرداز پاکستان سے ہندوستان آ گئے یا یوں کہئے کہ لاہور سے دہلی پھینک دئے گئے چنانچہ یہ تاریخی شہر آج مغربی پنجاب سے آئے ہوئے شاعروں، ادیبوں اور مصنفوں کا گلستان بنا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک اردو کے چرچوں اور ہماہمی کا تعلق ہے نوعیت کی تبدیلی کے باوجود دہلی میں وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے، سبھاؤں پر سبھائیں اور انجمنوں پر انجمنیں بن رہی ہیں اور مغربی پاکستان کے سمجھڑے ہوئے تمام خوش ذوق اور سنجیدہ خلاق ہندو اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں،

مجی رعنا کا شمار بھی انھیں سنجیدہ دماغ اور رنگین بیان شاعروں میں ہے جن کی شگفتہ مزاحی سے آج اجڑی ہوئی دہلی کے بدلے ہوئے ادبی اجتماعات کی رونق دو بالا ہو رہی ہے، رعنا نوجوان ہونے کے باوجود پختہ فکر شاعر ہیں اور اس دادی کے نشیب و فراز سے اچھی طرح باخبر ہیں، اصناف سخن میں رباعی ایک ایسی صنف ہے جس میں وسعت بیان کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی بار مصرعوں میں پورا مصنفوں اس پابندی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ مصرعہ پہلے تین

مصرعوں سے مختلف حیثیتوں سے ممتاز ہوتا ہے، سننے والا پہلے تین مصرعے سن کر بہت ہی گوش ہو جاتا ہے اور چوتھا مصرع سننے ہی بھڑک ادا و سر دھننے لگتا ہے، جس رباعی کے چاروں مصرعے ہموار ہوں اور اس کے چوتھے مصرعے میں یہ خصوصیت نہ ہو تو وہ رباعی بے کیف اور فنی اعتبار سے ناقص سمجھی جاتی ہے۔

رعتا کی رباعیوں میں اس مشکل صنف کی تمام خصوصیتیں اور نزاکتیں بوجہ اہم پائی جاتی ہیں، ۳۴ رباعیوں میں ایک بھی ایسی نہیں جس میں کوئی خاص فنی تقصیر پایا جاتا ہو، عام انداز بیان یہ ہے

امید کی بھولی سی کہانی ہوں میں	ایک پیکر آشفستہ بیانی ہوں میں
مردمِ تنہا ہی رہا دنیا میں	شاید کسی مفلس کی جوانی ہوں میں
جو شاخ ہے نقشیر نظر آتی ہے	جو موج ہے زنجیر نظر آتی ہے
رعتا مجھے معمورۂ خشک درمیں	بیدار کی تصویر نظر آتی ہے
اک اڑتے ہوئے رنگ کی تصویر ہوں میں	اک خواب پریشان کی تعبیر ہوں میں
میں لاکھ عجاہوں میں بھی عرباں ہی رہا	شاید کسی نادار کی تقصیر ہوں میں
ہر رنج مسرت کی خبر لاتا ہے	ہر شعلہ برق بھول برساتا ہے
آتا ہے محبت میں اک ایسا بھی مقام	ہر چیز کا امتیاز اٹھ جاتا ہے

رباعیوں کے علاوہ غزلیں اور نظمیں بھی لطیف و دل پذیر ہیں جن کو پڑھ کر شاعر کے فنی

کمال اور طبیعت کی موزونیت اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے، ”ابررداں“ ”مقابل کا نظریہ حیات“ اور چراغِ خاص طور پر پڑھنے کے لائق نظمیں ہیں ابررداں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فلک پر ابررداں کے سیانہ پر حیم ہیں
نہیں یہ میری پریشانیوں محسوم ہیں
نہیں یہ مالی خورد شد کی مہی تھریریں
نفسا میں اب سے کبھی ہوئی میں تصویریں

نہیں یہ رحمت باری کا شامیانہ ہے
 کہ جس کا سما یہ کلید شراب خانہ ہے
 نہیں یہ عشق کا بھیل ہوا مساندہ ہے
 کہ جس میں آہ کا اڑنا ہوا ترانہ ہے

اردو آسان کتاب حصہ اول مؤلف مولوی یوسف صاحب جلال آبادی (فاضل کلکتہ)
 پروفیسر اردو کالج سلہٹ۔ تقطیع متوسط ضخامت ۵۶ صفحات، کتابت بہتر، طباعت مولوی
 قیمت ۸ روپے ۱۔ انجمن معارف گاس باڑی، سلہٹ،

اس کتاب میں باسٹھ سبق ہیں، ان سبقوں کو اگر محنت اور توجہ سے یاد کر لیا جائے تو اس
 میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو کی ابتدائی تعلیم میں ان سے خاطر خواہ مدد مل سکتی ہے، مؤلف نے اس
 رسالے کی تالیف میں زیادہ سے زیادہ آسان زبان اختیار کی ہے اور ترتیب بھی بڑی مد مکمل
 نشین رکھی ہے، صاحب کتاب کے خیال کے مطابق کتاب کی چند خصوصیتیں یہ ہیں۔

- (۱) یہ کتاب ہندو مسلم بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔
- (۲) حروف کی پہچان کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ کے سکھانے کا خیال رکھا گیا ہے۔
- (۳) ابتداء کے چودہ سبقوں میں حروف کی چھوٹی شکلوں سے اجزا دیا گیا ہے۔
- (۴) اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو لکھنا اور جملہ بنانا آجائے
- (۵) اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر نئے سبق میں آموختے کے سوا صرف دی چند
 نئے الفاظ آئیں جن کے لئے یہ سبق لکھا گیا ہو۔

تلاوت آسان قاعدہ حصہ اول از مؤلف مذکور تقطیع متوسط ضخامت ۱۶ صفحات قیمت ۱/۱
 پتہ :- عبد المتین تاجر کتب گاس باڑی ضلع جلال آباد پوربی پاکستان۔

یوسف جلال آبادی صاحب بچوں کے لئے آسان کتابیں لکھنے کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں
 اور ان کو اس خدمت سے خاص شغف معلوم ہوتا ہے زیر نظر قاعدہ آپ کے اسی سلیقہ اور

مذاق کا نتیجہ ہے۔

بچوں کے لئے ابتدائی کتابیں لکھنے کا کام نہایت آسان بھی ہے اور بے حد مشکل بھی اس لئے اس طرح کے قاعدوں اور کتابوں کے افادے کا صحیح اندازہ بچوں، بچیوں کو پڑھانے والے معلم ہی کر سکتے ہیں اور اس کے لئے بھی کافی وقت درکار ہوتا ہے۔

اس قاعدے کے دو حصے ہیں ہمارے سامنے اس وقت صرف حصہ اول ہے جس میں ۸ سبق ہیں، ہر سبق کے ساتھ ضروری ہدایتیں بھی دی گئی ہیں، انھوں سبق تشدید کی پہچان پر ختم کیا گیا ہے مولف کا خیال یہ ہے کہ اگر حصہ اول کے متصل ہی حصہ دوم شروع کر دیا جائے تو چند روز میں قرآن پڑھنا آجائے گا، بچوں کے معلموں کو دوسرے قاعدوں کے ساتھ اس قاعدہ کا بھی تجربہ کرنا چاہئے۔

مذکورہ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

عرب اور اسلام

”عرب اور اسلام“ پروفیسر فلپ کے تخی کا شہرہ آفاق انگریزی کتاب HISTORY

THE ARABS A SHORT HISTORY کے خلاصے

کا نہایت کامیاب اور شاندار ترجمہ ہے۔

اس جامع خلاصے میں پروفیسر جی نے غرض طور پر ایسے اجزاء شامل کئے ہیں جن کے ذریعے مغرب کو اسلام سے، اسلام کے پیغام اور اس کی حضرات سے اور انسانیت پر اس کے احسانات سے روشناس کرایا جاسکتا تھا۔

پروفیسر مذکور نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے کتب کے مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صفِ پہل کے مترجم سمجھے جاتے ہیں، صفحات ۲۵۰ قیمت چھپے مہلک

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور

متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے مجلد سات روپے آٹھ آنے میں
اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین

کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش
کیا گیا ہے جو نٹھائیڈیشن قیمت پندرہ روپے

اسلام نظام مساجد قیمت پندرہ روپے
مسلمانوں کا عروج و زوال :-

جدید ایڈیشن - قیمت للہ ۸۰ روپے
مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ

لغۃ قرآن پر پہلے مثل کتاب - جلد اول - طبع دوم
قیمت للہ ۸۰ روپے

جلد ثانی قیمت للہ ۸۰ روپے
جلد ثالث قیمت للہ ۸۰ روپے

جلد رابع (زیر طبع)
مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف

طاہر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب النظم الاسلامیہ
کا ترجمہ - قیمت للہ ۸۰ روپے

ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

جلد اول :- اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب
قیمت چار روپے للہ مجلد پانچ روپے

جلد ثانی :- قیمت چار روپے للہ مجلد پانچ روپے

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر
محققانہ کتاب - قیمت ۷۰ - جلد ۱

ترجمان السنہ جلد اول - ارشادات نبوی کا
بے مثل ذخیرہ - قیمت ۱۰ روپے

ترجمان السنہ جلد دوم - اس جلد میں چھ سو کے
قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت للہ ۸۰ روپے

تحفۃ النظر یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از ترجمہ نقشبندی سفر قیمت ۱۰ روپے

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے
جلد اول - قیمت ۷۰ روپے

جلد دوم قیمت ۱۰ روپے
عرب اور اسلام :-

قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے جلد چار روپے آٹھ آنے میں

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی
محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر

انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا ایمان اور نقل و نقل آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -
جدید ایڈیشن قیمت ۱۰ روپے

چھپنے والا

مینجندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ **محض خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ کثرتِ رحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ
تحصینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادائے
اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید
ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محضین** جو حضرات یکس روپیے رحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحصین میں شامل
ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص
ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات حق کی تعداد تین سے چار
تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ ”برہان“ بلا کسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا
جو حضرات اٹھارہ روپیے بیشگی رحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ

۳۔ **معاونین :-** معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان
(جس کا سالانہ چندہ چھ روپیے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **اجتہاد** زور دینے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے اجبار میں ہوگا۔ ان کو رسالہ
بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی
یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر انگریزی ہفتے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔
(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار
پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس لٹرا
نہیں ہے وہ زیادہ سے زیادہ ۵۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت
بجسجدا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ تا ۲۵ تاریخ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہو۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپیے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپیے (مع محصول ڈاک) فی پڑتار

(۶) مئی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کر کے دفتر برہان جامع مسجد علی سے شائع کیا

ندوة المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ
سعید احمد کسرا بادی

ندوة المصنفین دہلی کی پہلی تاریخی مطبوعہ

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،

مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن

جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت ۳۰، جلد للکھ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام

کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر

بھی ہیں اور عام بھی۔ انداز بیان بکھر ابرو اور شگفتہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں

یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت پھر پھر جلد پھر

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ،

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان قیمت ۳۰ جلد ۳۰

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ،

قیمت تین روپے آٹھ آنے، جلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ،

قیمت دو روپے، جلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ، قیمت ۳۰ جلد للکھ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ، قیمت للکھ، جلد ۳۰

تاریخ مصر و مغرب القصری تاریخ ملت کا ساتواں

مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰

قیمت تین روپے چار آنے، جلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (زیر طبع)

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم

اصول کے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد پھر

غلامان اسلام انشی سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت پھر جلد ۳۰

اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاخلاق پر

ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی

ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت ۳۰، جلد پھر

قصص القرآن جلد اول میرا ایڈیشن۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات و

واقعات تک۔ قیمت ۳۰، جلد پھر

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوسف سے

حضرت یحییٰ کے حالات تک میرا ایڈیشن قیمت ۳۰ جلد للکھ

قصص القرآن جلد سوم نبیاء علیہم السلام کے حالات

کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت ۳۰ جلد

بُرْهَان

جلد سبب و ہفتم شماره نمبر

ستمبر ۱۹۵۱ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|--|---|
| ۱۲۰ | سعید احمد | ۱۔ نظرات |
| ۱۲۳ | حضرت مولانا سعید مسافر حسین صاحب گیلانی | ۲۔ تدوین حدیث |
| | | ۳۔ تورات کے دس احکام |
| ۱۲۵ | " " " " | ۴۔ قرآن کے دس احکام |
| ۱۵۷ | ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی | ۵۔ مختار بن ابی عبیدہ الثقفی |
| ۱۷۱ | جناب مولوی عبدالرحمن خان صاحب | ۶۔ ابن الجوزی اور تاریخ نویسی |
| ۱۷۹ | جناب مفتی انعام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی | ۷۔ امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابٹ جنگ |
| ۱۸۲ | جناب اسرار احمد آزاد | ۸۔ مشرق و مغرب کی باہم آدیزی |
| ۱۸۷ | جناب آلم مظفر نگری | ۹۔ ادبیات پر دان |
| | جناب انور صابری، جناب برج لال جی جٹانی | غزل |

نَظَرِ ظِلِّ

پچھلے دنوں بعض اخبارات میں مدیرِ رحمان القرآنؒ کا ایک فتویٰ کا چرچا رہا۔ اگرچہ موصوف کی علمی حیثیت اور دینی بصیرت ہمارے نزدیک ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ ان کے کسی فتوے یا کسی تحریر پر رہبان میں کچھ لکھا جائے لیکن چونکہ یہ فتویٰ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے اس بنا پر ہم ذیل میں اس کا جائزہ صرف شرعی حیثیت سے لیتے ہیں۔

اس فتویٰ میں دو باتیں بہت عجیب گہکی گئی ہیں ایک یہ کہ پاکستان دارالاسلام ہے اور ہندو دارالکفر اور دوسرے یہ کہ چونکہ ان دونوں ملکوں میں اختلاف دارین پایا جاتا ہے اس لئے ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہونے چاہئیں اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر سبیل ہوی میں یہ اختلافِ طریق پیدا ہو گیا ہے تو ذہنیں میں سے جو چاہے اپنے ملک کی عدالت میں درخواست دے کر تفریق کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے قابلِ غور یہ بات ہے کہ پاکستان دارالاسلام کیوں ہے اور ہندو دارالکفر کیوں؟ ان دونوں ملکوں پر یہ حکم ان دساتیر کے پیش نظر لگایا گیا ہے جن پر عمل کرنے کا عہدہ ملک کرتے ہیں یا اس حکم کا دار و مدار ان حالات و واقعات پر ہے جو دونوں ملک پر اپنی اور ان معاملات پر اس کی بنیاد ہے جو دونوں ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ الگ الگ کئے جارہے ہیں اگر دوسری صورت ہے تو پاکستان کو دارالاسلام کہنا اسلام کی مکمل ہونی تو بین الاقوامی کے ساتھ مشترک نہایت ہے اگر کسی ایسے ملک کو جیلحد و انتہ جاری نہ ہوں جہاں مہرماتِ شرعی کی کرم بازاری ہو۔ جہاں فسق و فجور کی زندگی کے لئے کوئی قانونی روک ٹوک نہ ہو۔ اور جہاں عقود و فاسدہ کا عام رواج ہو۔ محض اس بنا پر دارالاسلام کہا جاسکتا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہے اور وہ رسومِ شرعیہ کو آزادی کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انگریز اور امریکی کو دارالاسلام کیوں نہ کہا جائے۔ علاوہ برس سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ اگر پاکستان بالفعل دارالاسلام ہے تو جماعتِ اسلامی جو مسلسل وہاں کی گورنمنٹ کے خلاف عملی کار کر رہی ہے۔ وہ آخر کیوں اور کس عزم سے ہے؟ اور اس کا منشا کیا ہے؟

اور اگر جلی صورت ہے یعنی پاکستان کو دارالاسلام کہنے کی وجہ وہ قراردادِ مقاصد ہے جس میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پاکستان کا آئین دوسرا اسلامی ہو گا تو اگرچہ یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اسلامی آئین دوسرا اب سے سلاطین و نیرہ سوریس پہلے مکمل اور مدون ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان میں ایک دستور ساز اسمبلی موجود ہے جس کے ممبر غیر مسلم بھی ہیں اور یہ اسمبلی پورے چار سال گزر جانے پر بھی اب تک قراردادِ مقاصد سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔ پھر اگر پاکستان محض قراردادِ مقاصد پاس کر دینے سے دارالاسلام بن سکتا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہند اپنے موجودہ شکل اور منظور شدہ دستور کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے دارالکفر نہیں ہو سکتا کیونکہ ہند کے دستور نے اس ملک کی حکومت کو سیکولر حکومت قرار دیا

ہے۔ اور سیکور گورنمنٹ کہتے ہی اس کو میں جس میں کسی مذہبی فرقہ کے ساتھ جانبداری اور عصبیت کا کوئی معاملہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ دستور اعلان کرتا ہے کہ ملک کے دوسرے فرقوں کی طرح یہاں کے مسلمان بھی اپنے ذہنی اور مذہبی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گے ان کا پھر اور ان کی تہذیب آزاد ہوگی۔ جہاں تک دستور ہند کے اس اعلان کا تعلق ہے 'تنی ہی بات دستور سے اعتبار سے اس ملک کے دارالامین ہونے کے لئے کافی ہے۔ رہا یہ امر کہ اس سیکورزم کے اعلان کے باوجود مسلمانوں کو معاملات کیا پیش آ رہے ہیں؟ تو سوال یہ ہے کہ پاکستان میں ہی اس کے اعلان کردہ دستور و آئین کے مطابق کون سا عمل جو رہا ہے، پس اگر ہند میں بھی اس کے دستور کے مطابق پورے طور پر عمل نہیں ہو سکا تو کیا ہوا

نہ سلسلہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تنجہ میں خلیل کا میں ہلاک جادو سے سامری تو قتلِ خبیثہ آؤدی

مجھ پر بھی دیکھنا چاہتے کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہند کے دستور پر بالکل عمل نہیں ہوا کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے جتنے اہل جیسے بڑے بڑے علمی اور دینی مراکز ہند میں ہیں پاکستان میں نہیں جتنے اور جیسے اسلامی ادارے تاریخی ماتر اور تہذیبی و مذہبی نشانات و امتیازات بھارت میں ہیں اس کے ہمسایہ ملک میں نہیں اور خدا کا شکر ہے کہ یہ سب ادارے آزادی کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور اور حکومت کی طرف سے اور نہ کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے یہاں مسلمانوں کو چونہ بھی اور دینی آزادی حاصل ہے اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ پاکستان میں جماعت اسلامی کے امیر کو مع ان کے رفتار کے نظر بند کیا گیا جماعت کے اخبارات سے ضمانت طلب کی گئی اور جماعت کے دفتری تلاشی لی گئی لیکن یہ ہی جماعت ہے جس کے سرگرم کارکن ہند میں سحرِ رُخ و تقریراً جماعت کا کام کھلے بندوں کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود نہ جماعت کا کوئی کارکن آج تک گرفتار ہوا اور نہ اس کے کسی اخبار یا رسالہ سے ضمانت طلب کی گئی بلکہ بریں متناسب آبادی کے لحاظ سے کم سہی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان وزارت سے لے کر گورنری اور ملک گیر می سفارت تک کے عہدوں پر اور حکومت کے ہر شعبہ میں کام کر رہے ہیں اور چونکہ موجودہ حکومت فیصلِ خالصہ جزئیہ ہوتی ہے اس بنا پر سمجھتے ہیں کہ ہند میں مسلمان شریکِ حکومت

نہیں ہیں اور یہ ملک ان کے لئے ایک اجنبی ملک ہو گیا ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو بعض معاملات میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں لیکن اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا پاکستان میں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں ہی مسلمانوں کو اسی قسم کی یا ان سے کسی قدر مختلف قسم کی مشکلات پیش نہیں آ رہی ہیں یہ کیا ہند میں صرف مسلمان ہی حکام و عاں حکومت کی چیرہ دستیوں کے شکار ہیں یا کیا خود ہندو اور سکھ عوام پریشانیوں کا شکار نہیں ہیں؟ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو عملی زندگی میں جو بعض مغل و گوار واقعات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اس کی وجہ حکومت کی پالیسی اور اس کا دستور نہیں بلکہ سبب صرف یہ ہے کہ چند در چند سالہ بیک کی بنا پر حکومت ابھی اس قدر مضبوط نہیں ہو سکی ہے کہ وہ اپنی پالیسی اور اپنے غلام و غلام کو کسی طور پر متنبہ کر سکتی یا ہمہ پہنچا سکے۔ یہ بے شک حکومت کی کمزوری ہے لیکن اس کمزوری کے اثرات ہندو مسلمان دونوں پر یکساں پڑ رہے ہیں کسی کے لئے کسی رنگ میں اور کسی کے لئے کسی رنگ میں۔ یہ حکومت مگر مضبوط ہوتی ہے تو پھر اس کے بھی اثرات اسی طرح ہر ایک کے حق میں یکساں ہوں گے۔ بہر حال سطور بالا میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے لئے شرعی اعتبار سے دستور اور آئینی طور پر دارالامن ہے اور اس بنا پر یہ ملک اور یہاں کی حکومت جس طرح ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کی بھی ہے اور اس کو دارالکفر کہنا سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

مکن ہے صاحب فتویٰ کے نزدیک کسی ملک کی حکومت کا سیکولر ہونا ہی اس ملک کے دارالکفر ہونے کے لئے کافی ہو۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر ہند کو اس فتویٰ پر رمانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ٹرکی کی اور آئٹو منشیابا کی اور عراق اور شام کی حکومتیں بھی سیکولر ہیں۔

آخر میں یہ اور عرض کرنا ہے کہ نقد کی کتابوں میں سیاں بیوی میں تفریق اور بعض عقود و معاملات کے فساد کے سلسلہ میں جو اختلاف دارین کا ذکر آتا ہے تو فظ کا ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ اس سے مراد دارالسلام اور دارالحرب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہندو مسلمان دونوں متحدہ امور و معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے ہیں یہ پھر دو فظ ملکوں کا ایک ساتھ کامن ولتھ کا ممبر ہونا اور دونوں میں سفارتی تعلقات کا قیام یہ خود اس کی دلیل ہے کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ حلیف ہیں اس بنا پر ہندو مسلمان پاکستان کے لئے ہرگز دارالحرب نہیں کہا جاسکتا۔ پس جب وہ دارالحرب نہیں ہے تو اختلاف دارین کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے۔ جناب مفتی نے دارالکفر کی ایک نئی اصطلاح گھڑی ہے اور اس کو دارالحرب پر منطبق کر رہے ہیں! سبحان اللہ!

برہنہ علم و دانش بیا بدگر سیست

تدوینِ حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۲۰)

آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا

یا ابا بنی عامر سلفی عمار قال اللہ

وسر سولہ فانا اهل البیت اعلم بما

قال اللہ وسر سولہ ^{۲۶} _{ابن سید}

اے قبیلہ بنی عامر کے آدمی پوچھ مجھ سے

ان امور کے متعلق جو اللہ اور اس کے رسول

نے (مایا ہے کیونکہ ہم گھر کے لوگ ہیں

یعنی رسول اللہ کے گھر کے آدمی ہیں)

اللہ اور رسول کی باتوں کو زیادہ جانتے ہیں

آگے کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک طویل گفتگو مصنف سے آپ نے فرمائی

جس کا ابن سعد نے ذکر نہیں کیا ہے، آخر ایک ہی شخص کے طرز عمل میں اختلاف اور اتنا شدید اختلاف

بلکہ پیدا نہیں ہو سکتا، لوگ سوچتے نہیں در نہ عام کتابوں میں آپ کا جو یہ قول نقل کیا جاتا ہے اے اللہ

نے بھی خیر بن نصیر کے حوالہ سے اس کو تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے یعنی حضرت علی کرم اللہ

وجہ فرمایا کرتے تھے۔

خدا انہیں قدرت کرے کتنی روشن جماعت کو

انہوں نے سیاہ کر دیا۔ اور رسول اللہ کا کتنی

عشروں کو انہوں نے بگاڑ دیا۔

قالہم اللہ ای عصا بة بیضام

سود داد ای حدیث من یحد

رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم

افسدوا

ہاں اس میں کسی خاص جماعت کا آپ نے نام نہیں لیا ہے اور راوی نے چون کہ حضرت سے ان الفاظ کو اس وقت سنا تھا جب صفین میں آپ معرکہ آرائی میں مصروف تھے، لیکن جن تفصیلات کو آپ اب تک سن چکے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا اس میں شک کی گنجائش ہے کہ آپ کا اشارہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے صحابیت کے خلاف طوفان اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہوں کی جیسی قدوسی جماعت کو رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی اور اپنے اسی نیک غرض کے حصول کے سلسلہ میں بے سربار وایات کے جس ذخیرے کو مسلمانوں میں پھیلا دیا جن کی وجہ سے صحیح حدیثوں کا مسئلہ بھی مشتبہ ہو گیا، گہیوں کے ساتھ گھن بھی پسا جلا جارہا تھا یقیناً ان ہی دونوں فتنوں کے جو بانی تھے ان ہی کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔ بہر حال اس فقرے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی حدیثوں کے متعلق اشتباہی تدبیریں جو پھیلا دی گئی تھیں اس کا آپ کو کس قدر انسوس تھا۔

بہر اسی دینی مصیبت کے مقابلہ میں اگر مذکورہ بالا مذہب آپ نے اختیار فرمایا تو اس پر کیوں تعجب کیا جاتے؟ انسوس ہے کہ حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ کے متعلق آپ کے طرز عمل میں یہ تبدیلی جیسا کہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کو ذہنی پہنچنے کے بعد ہوئی لیکن کو ذہنی قیام کی مدت ہی کتنی ہے، کم و بیش یہ چار ساڑھے چار سال کا زمانہ ہے اور یہ چند سال حضرت کے جن حالات میں گزرے ہیں ان سے کون ناواقف ہے جل کے فتنہ سے فارغ ہو کر کو ذہنی شریعت لائے پھر کیا ایک دن بھی آپ کو اس کے بعد چین سے بیٹھنے کا موقع ملا، زیادہ وقت تو صفین کی جنگ کے فتنہ ہوا، پھر خوارج نکل پڑے، الغرض شامیوں اور خارجیوں کی آدیزش ہی میں یہ ساری مدت قریب قریب ختم ہوئی، اور اسی عرصہ میں جب فتنوں کا یہ سیلاب مختلف شکلوں میں برپا ہی تھا کہ آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس شخص کے غم و استقامت کا یہ حال ہو کہ صفین کی مشہور خطرناک رات جس کا تاریخ میں لیلۃ الہریر کے نام سے تذکرہ کیا گیا ہے دونوں صفین باہم ایک دوسرے کے ساتھ گھسی ہوئی تھیں گھسان کارن پڑا ہوا تھا لیکن لکھا ہے کہ رات کی غماز اور امداد و وظائف کا وقت

اسی حال میں آگیا، کسی کو کسی کی خبر نہ تھی لیکن حضرت نے حکم دیا کہ نطع (چڑے کا خرش) ٹھیک اسی مقام پر بکھا دیا جائے جہاں صف میں آپ کھڑے ہوئے تھے، حضرت والا گھوڑے سے اتر کر جاننا زپراسی محل میں جم گئے دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ

فیصلی علیہ وسلم ودعا السہام اسی پر اپنے مقررہ وظائف آپ نے پورے کئے
تقع بین بدیه وتمر صماخیه مینا حالانکہ تیراں کے آگے بھی گر رہے تھے اور کان کے
وشعلا فلا برتاح لذالك ولا نفوم پردوں کے سامنے داتیں بائیں گلدہ رہے تھے مگر
حتى یفرغ من وظیفته دل میں کسی قسم کی دہشت پیدا نہیں ہوئی تھی اور
مد شرع یج البلاغ ابن الیہد جب تک اپنے وظیفہ سے فارغ نہ ہو جاتے نہ تھے

آپ کے غم و ادا دے کی ہی قوت تھی جس نے ان ہی حالات میں آپ کو آمادہ کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معلومات کا ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کی اشاعت ان روایتوں کے مقابلہ میں کی جائے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے سبائیوں نے مسلمانوں میں پھیلائی تھی۔ حیرت ہوئی ہے کہ کوفہ کے قیام کی اسی مختصر مدت میں بے اطمینانی اور انتشار و تشویش کے اسی ماحول میں خدا جانے کتنوں کو آپ نے قرآن مجید پڑھایا، اگر ایک طرف کوفہ کے مشہور قادیالو عبدالرحمن السلی کہا کرتے تھے۔

أخذت القراءۃ عن علیؑ میں نے قرآن علیؑ سے سیکھی

تو دوسری طرف ابوالاسود دہلی جیسا کہ دینا جانتی ہے، عربیت اور نحو و صرف کے بنیادی قواعد کے متعلق کہا کرتے تھے کہ حضرت علیؑ ہی سے پہلی دفعا ان کو میں نے سیکھا، اور ایک قرآن و عربیت کا اسلام کی فقہ، اسلام کا تصوف حتیٰ کہ مسلمانوں میں فن سپہ گری کے خاص رموز و اسرار کا انساب حضرت والا کی تعلیم ہی کی طرف کیا جاتا ہے اور جہاں تک قرآن کا اقتضار ہے استفادہ کرنے والوں نے زیادہ تر ان امور کا استفادہ آپ سے اسی زمانہ میں کیا ہے جب آپ کوفہ کی جمہوریتوں میں مقیم تھے

لہٰذا ابن سعد نے لکھا ہے کہ کوفہ میں حالات کو نظر لا مارہ موجود تھا لیکن حضرت امیر علیہ السلام نے کوفہ میں قیام کا جبکہ (بقیہ حاشیہ پھر آئے گی)

یہ حال جو کچھ بھی ہوا آپ نے اسی مختصر مدت میں اپنے ان معلومات کی اشاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رکھنے کئے تھے جس وسیع پیمانے پر فرمائی اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ علامہ صحابہ کے حافظین حجر نے تہذیب میں صرف ان لوگوں کی فہرست جنہوں نے کمویا قیام کو نہ کے بعد آپ سے حدیثیں سنی ہیں تقریباً پچاس سو بیسوں کا نام سچ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دخل لائق یعنی ان کے سوا بھی بہت بڑی بہت آپ سے روایت کرنے والی ہیں۔ (دیکھو تہذیب ص ۲۴۵)

ادروا قلوبہ ہے کہ ایک نہیں مستند مجموعے جب اپنے دست مبارک سے ٹکدہ ٹکدہ کر آپ نے لوگوں میں تقسیم کئے تھے جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اس زمانے میں تحریری اشاعت کا جس کا یہ حال ہو، مذہبی تقریر اور ایاتوں کے پہنچانے میں اس نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے۔ باطل کے مقابل میں حق کا یہ سیلاب جو آپ کی طرف سے بہا یا گیا تھا یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے باطل کے زور کے توڑنے میں مدد نہ ملی ہوگی، لیکن آپ ہی سے ذہبی نے آپ کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں سے خطاب کر کے آپ فرمایا کرتے تھے۔

حد فوالناس مما یعرفون ودعوا اکفین باتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو جنہیں

ما ینکرون میں نہ جانتے ہو اور انہیں نہ پہنچتے ہو، نصیر ہو اور

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جعلی حدیثوں کی روایت کرنے کا یہ سلسلہ جاری ہو گیا تھا اس کو روکنے کیلئے

۴ روایت کی تکثیر کا جو طریقہ بطور رد عمل کے اختیار کیا گیا تھا، غالباً کافی ثابت رہا، اسی نے

جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایک اور کسوٹی کے اختیار کرنے کا

مشورہ دیا، جس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی رزق سے جو حدیثیں

مطابق ہوں صرف ان ہی کو قبول کرنا چاہئے، اور قرآن جس دانش و عقل کو آوی کے اندر پیدا کرتا ہے

دقیقہ و شہید گوشت، اور وہ ایمان اور لوگوں سے غصہ مارنے میں درخش ہوئے کی آرزو کی تو آپ نے انکار فرمایا، اور رحمۃ اللہ

کو نہ کے شہرہ میدان میں انھوں کی چند جھوٹے بیانی جو پڑی ہوئی تھیں ان کی میں اہل بریل نے کہ ساتھ آپ تو گئے اور

اسی حال میں آپ شہید ہوئے، ۱۰۷ میں نے ان الفاظ کا قصد اٹھا دیا ہے، وہ جہر ہے کہ اگر مطلق عقل کو معیار بنایا

جائے تو ہر زمانہ کی عقل کا معیار مختلف ہوتا ہے بالکل ممکن ہے کہ آج سے سو سال پہلے کی عقل ایک چیز کو قبول

کر لیتی ہو لیکن سو سال بعد اسی کو قبول کر سکتے گئے۔ پس اصلی معیار حدیثوں کے رد و قبول کا قرآنی عقل کو قرار دینا چاہئے۔

جو چیزیں اس کے مخالف ہوں ان کو ترک کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ مطلب ان الفاظ کا اگر نہ لیا جائے اور ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھیں آتی ہے، اس کا مال تو بھروسہ ہوگا، جو کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا یعنی بالکل یہ حدیثوں کے سنے اور سنانے کے قصے کو ختم کر دیا جائے حالانکہ نہ خود اس پر آپ عامل تھے اور نہ عقلاً یہ بات آدمی کی سمجھ میں آتی ہے اگر حضرت زکریاؑ کی زندگی میں بڑے بڑے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود تھے۔ پھر کیا ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی ان ہی روایتوں کو ترک کرنا چاہئے جن سے تم پیچھے سے واقف ہو، اور ان کا علم پہلے سے نہ ہوا تو چھوڑ دینا چاہئے۔

بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ حدیثوں کے رد و قبول کا ایک معیار مذکورہ بالا الفاظ میں آپ نے پیش کیا ہے اور یہ ہی معیار ہے جس پر آخر وقت تک مؤمنین عامل رہے ہیں تو تعجب نہیں کہ ابن جوزی نے یہ کلمہ بیان کرتے ہوئے کہ

کل حدیث مرئۃ مخالف العقول
اور ناقص الاصول فاعلم انہ موضوع
اسی کی تشریح ان الفاظ میں ہو چکی ہے کہ
ادیکون مما یدفعہ المحسن والمشاہد
اور مبانی البعض الکتاب والسنۃ
المتواترۃ اور الاجماع القطعی
حیث لا یقبل شیء من ذلک
جس حدیث کو تم باوجود عقول کے مخالف
ہے تو سمجھ لیا کرو کہ وہ موضوع یعنی جعلی اور گھڑی ہوئی ہے
یا حدیث ایسی ہو کہ حواس و مشاہدہ اسے مسترد کر دے
یا اللہ کی کتاب اور متواتر حدیث یا قطعی اجماع کے
مخالف ہو، یعنی کسی تاویل کی گنجائش اس حدیث
میں باقی نہ رہے۔

التاویل (فتح المبلغ للغانی ص ۱۷)

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیش کردہ معیار ہی کی دوسری تعبیر ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مقدمہ صحیح مسلم میں ایک روایت یہ بھی جو منسوب کی گئی ہے کہ جعلی حدیثوں کے فتنہ کا تذکرہ کر کے آپ نے فرمایا کہ

لَمْ نَأْخُذْ مِنْ النَّاسِ إِلَّا مَا نَعْرِفُ ۚ
ہم لوگوں سے نہیں لیتے مگر ان حدیثوں کو جنہیں
ہم جانتے پہچانتے ہیں۔

حالانکہ دوسری روایتوں میں ان ہی ابن عباس کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ اس فتنے کا تذکرہ کر کے کہتے تھے۔
نَزَّلْنَا الْحَدِيثَ عَنْهُ
اسی وجہ سے ہم نے حدیث کو ترک کر دیا

اگر تہذیب و روایت پر ابن عباس کے ان دو مختلف بیانیوں کو محمول کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے
کہ پہلے تو انھوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ آئندہ سے حدیثوں کے سننے سنانے کے قے کو ختم ہی
کر دیا جائے۔ لیکن پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس پیش کردہ معیار کو آپ نے قبول کر لیا اور اسی
کے بعد یہ مسلک اختیار فرمایا کہ صرف ان ہی حدیثوں کو ہم قبول کریں گے جنہیں ہم پہچانتے ہوں یعنی
ما نعرف کو قبول کریں گے، ابن عباس کے اسی قول کی شرح کرتے ہوئے الاستاذ العلامة العثماني
نے بھی لکھا ہے کہ

أَيُّ مَا يُوَافِقُ الْمَعْرُوفَ أَوْ نَعْرِفُ
یعنی ماؤس جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے جو موافق ہوں
فِيهِ أَمَّا سَائِرُ الصَّحِيحَةِ وَسَائِرُ الصَّدَقِ
یا ان میں صحت کی نشانیوں اور سچائی کے علامات لکھا تھا۔
مَعَ نَحْوِ الْمَعْلُومِ

اور یہ سنجیدہ ہی مطلب ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الفاظ سے فقیر سمجھنا چاہتا ہے

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عجیب و غریب فتنے کے مقابلے میں جس کو اگر بڑھتے چلے
یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تو پیغمبر کے صحابیوں اور پیغمبر کی حدیثوں دونوں کا معاملہ ایسے اشتباہی و ساسی
کا شکار ہو جانا، جن کی تاریخوں کا رد کرنا آسان نہ تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان ہی
بے چینیوں اور پریشانیوں میں جن میں آپ کی خلافت کا پورا زمانہ ختم ہوا اس فتنے کی اہمیت کو محسوس
کر کے علماء و علما آپ سے اس کے مقابلے میں جس قسم کی کوشش ممکن تھی کرنے دی ہے جمہور کے
مقابلے میں صحیح معلومات کا ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کی اشاعت فرماتے رہے اور صحیح حدیثوں کو
حلی و مصنوعی روایتوں سے جدا کرنے کے لئے ایک ایسا علمی معیار مسلمانوں کے حوالہ آپ نے کھا

جو اسی زمانے میں نہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا آخر وقت تک اہل علم اس سے کام لیتے رہے اور آئندہ لیتے رہیں گے۔

لیکن سی کے ساتھ یہ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ پیش کردہ معیار بہر حال ایک علمی معیار ہے اس سے صحیح معنوں میں وہی لوگ زیادہ کام لے سکتے تھے یا اب بھی لے سکتے ہیں جن کے متعلق ابنِ دقیق الید نے یہ سچی بات لکھی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی	حصلت لهم لکثرة محاولۃ الفاظ
کثرت استعمال اور ان کے برتنے میں مشغولیت کی	النبي صلی اللہ علیہ وسلم ہیئۃ
شدت ان لوگوں میں ایک خاص قسم کا سلیقہ پیدا	لفسانۃ وملكة قوية بعرفون
کر دیتی ہے اور ایسی غیر معمولی خداقت جس کی وجہ	بها ما يجوز ان يكون من الفاظ
سے وہ اس کو پہچانتے گئے ہیں کہ کون سے الفاظ کا	النبوۃ وعلما يجوز صلا فح الملم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب درست	
ہو سکتا ہے اور کس! انتساب درست نہ ہوگا	

اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہی نہیں اسی زمانہ میں جس وقت یہ معیار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مسلمانوں میں پیش کیا گیا تھا جو اہل علم کا طبقہ تھا، وہ تو اس سے مستفید ہوا، گزر چکا کہ ابن عباس نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا تھا اور ابن عباس نوخیز ابن عباس ہی تھے واقعہ یہ ہے کہ کوڈ کو باہر تخت خلافت مقرر کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہاں جب قیام اختیار فرمایا تو اس سے پہلے اس شہر میں ایک گروہ ان بزرگوں کا پھیل چکا تھا جن کی تعلیم و تربیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں جوئی تھی، یہ وہی لوگ تھے جن کو کوڈ میں باکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا۔

۱ صاحب عبداللہ سر جھنڈا	عبداللہ کی صحبت یافتہ لوگ اس آبادی کوڈ کے
القریۃ ص ۱۲ ابن سعد ج ۶	چراغ ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا کوذ میں کم دہشیں بیس سال تک قیام رہا تھا۔ اور ایک بڑا گروہ آپ کے تلامذہ کا کوذ میں پیدا ہو گیا اہل علم کا یہ گروہ پہلے سے کافی صلاحیتوں کا مالک ہو چکا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تشریف فرمائی نے ان کے لئے وہی کام کیا جو سونے میں سہاگہ کرتا ہے۔ گویا ان کی علمی شراب دو آتشہ ہو گئی، اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی و علمی قیادت کا بہت بڑا حصہ اس وقت تک کوذ کے ان ہی بزرگوں کو حاصل ہے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دوسرے مسائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس غیر مترقبہ صحبت سے اسی طبقہ نے فائدہ اٹھایا تھا اسی طرح آپ نے مدینوں کی جانچ کا جو معیار کوذ والوں کو دیا۔ ایک طرف عبداللہ بن مسعود کے حلقہ کے مشہور رکن مدائنیہ کہتے تھے کہ

ان من الحديث حديثا له ضوع كضوع
مدینوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن
النهار تعرفه وان من الحديث
کی روشنی کے مانند پہچانی جاتی ہو اور ان ہی مدینوں میں بعض
حديثا له ظلمة كظلمة الليل
مدینوں میں ایسی بھی ہیں کہ جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی
تسکرو ۱۲۹۰
ہے جس سے تم مانوس نہ ہو گے۔

یہ اور اس قسم کی بیسیوں عالمانہ باتیں ان بزرگوں سے کتابوں میں منقول ہیں جنہیں ابن مسعود سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد خوش قسمتی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت اتنا قاکوذ میں قیام کی وجہ سے سب سے گہری تھی لیکن اسی کوفہ میں حضرت والکے ارد گرد ایک اور طبقہ بھی جمع ہو گیا تھا جس کو اس ماحول سے استفادہ کا موقعہ نہیں ملا تھا، جو ماحول عہد فاروقی کے ولایت و حکام خصوصاً ابن مسعودؓ کے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمانہ کے ساتھ کوذ بھیجا تھا کہ میں تم لوگوں کے پاس عبداللہ بن مسعود کو معلوم دے دوں یا نہ کر۔ صحیح رہا میں نے یہ قربانی کی ہے کہ جلتے اپنے تم لوگوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے رہا ہوں، چاہئے کہ ان سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو حاصل کرو اب مسعود اس زمانہ کے ساتھ کوذ آئے اور ایک حویلی بنوا رہے ہیں یہاں تک کہ مسعودؓ میں حضرت عثمان کی غفلت کے زمانہ میں مدینہ واپس ہوئے اور مدینہ ہی میں وفات پائی محمد بن ابی بکرؓ نے مدینہ کی طرف ہے جو اس وقت تک روئے زمین کے مسلمانوں کی اکثریت کی دینی زندگی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت کو ذمہ پیداہو گیا تھا، زیادہ تر باوہ عرب کے وہی سادہ دل سپاہی تھے جو مسلمان ہو کر اسلام کی فوجی جہاد میں جنگی اغراض کو پیش نظر رکھ کر آئے دن شریک ہوتے رہتے تھے، یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی جو عام مسلمانوں کے ساتھ گھلے ملے ہوئے تھے اور جس میں صلاحیت پاتے ان کو اپنے خاص خیالات سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ خیالات ہی ایسے تھے کہ جس قسم کی ذہنیت ان خیالات کے قبول کر لینے کے بعد پیدا ہو جاتی تھی اس معیار کے استعمال کی صلاحیت اس ذہنیت والوں میں باقی نہیں رہتی جو صحیح حدیثوں کو غلط روایتوں سے جدا کرنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو دیا تھا خود حضرت علیؑ ہی کے متعلق ان کے خیالات عجیب و غریب تھے اور ان ہی خیالات کی بنیاد پر حضرت والا کے سامنے آپ ہی کو خطاب کر کے ایسی باتیں کہہ دیا کرتے تھے کہ ان کے ذکر سے قلم ہچکچاتا ہے اسی روایت سے اندازہ کیجئے جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے حبیب بن مہیان کے حوالہ سے لسان المیزان میں درج کیا ہے یعنی حبیب کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میرے خطبہ ارشاد فرمایا ہے تھے، اسی سلسلہ میں ذکر دایۃ الارض کا بھی آپ کی زبان مبارک پر آیا اور آپ نے اس کے صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

تاکل یغنیہا وتحدت باستہا منہ سے کھاتا ہے اور جوڑ سے نفع نہ نکالتا ہے

حبیب کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رشید ہجری رجو کو فہ کے فوجیوں میں ایک ممتاز اور نمایاں سپاہی تھا، عین خطبہ کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا، اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ

اشہد انک تلک الدا ابہ ضلۃ میں گواہی دینا ہوں کہ وہ داہم ہی ہو،

ما قرآن مجید کی سورۃ نزل کی مشہور آیت واذا وقع القول علیہم اخرجنا الہم داہۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بایاتنا یومنون میں داہۃ کا لفظ جو آیت ہے اس کے متعلق مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ سے انہی مختلف ہیں کہ صاحب بحر کوکبہ نے انہم اختلافوا فی ما ھیتھا و شکھا داخل خرد جھا وعدا حشر جھا ومقلد ملین جھا منها وما یفعل بالناس وما الذی تخرج بہ اختلافا مضطر با معارضہ بعضہ بعضا فاطم جھا ذکر لادن نقلہ تسوید اللور فی و نصیح لزمان نقلہ۔ اسی لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ جن قتالی نے جس چیز کو جمل رکھا ہے، ہم بھی جمل ہی اس کو رہنے دیں۔ اسی سلسلہ میں بعض اسلامی فرقوں خصوصاً شیعوں کے بعض طبقات کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ رشید ہجری کا بھی غائبانہ یہ عقیدہ تھا ۱۱

اشوس سے کہ عبید بن جریح نے اس کے بعد قصہ کو مختصر کر دیا۔ یعنی گئے صرف یہ بیان کیا کہ
 فقال له علی قولاً شديداً حضرت علی نے یہ سن کر نہایت سخت بات رشید کو کہی
 لیکن اس کی تشریح نہیں کی کہ وہ کیا سخت بات تھی۔

اسی رشید الجہری کے متعلق ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں الشیبی کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ادیب عرب کے ان سادہ لوح سادہ
 کی ذہنیت کتنی بگاڑ دی گئی تھی۔ قصہ قویلاً ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شیبی کو ایک شخص رشید جہری کے پاس
 لے گیا۔ اس شخص کے ساتھ اشعری کو دیکھ کر خاص طریقہ سے رشید نے انگلیاں بند کیں، یہ ایک
 رمزی اشارہ تھا کہ یہ نیا آدمی ہماری جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا کوئی اجنبی شخص ہے۔ شیبی کہ جو لے
 گیا تھا اس نے بھی انگلیوں کی بندش کے اشارے سے جواب دیا جس کا مطلب تھا کہ اپنا آدمی
 ہے، تب رشید نے قصہ سنانا شروع کیا

میں ایک دفعہ حج کے ارادے سے گیا، اور حج سے جب فارغ ہو گیا تو دل میں خیال آیا کہ المؤمنین
 سے تازہ ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے مدینہ چلوں، یہ سوچ کر میں مدینہ پہنچا، اور حضرت علی کے
 دروازے پر حاضر ہو کر میں نے ایک آدمی سے کہا کہ اندر جا کر سید المسلمین سے عرض کرو کہ رشید الجہری
 ملاقات کی اجازت چاہتا ہے اس آدمی نے یہ سن کر کہا کہ وہ تو سوتے ہوئے ہیں (رشید کا بیان ہے کہ
 سید المسلمین کے لفظ سے اس آدمی نے سمجھا کہ میں امام حسن علیہ السلام مراد ہے رہا ہوں اسی لئے ان
 کے سونے کی خبر اس نے دی) تب میں نے کہا کہ حسن سے اجازت لینے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں
 بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ امیر المؤمنین امام المتقین، قائد العزائمین کو اطلاع دوں کہ رشید جہری حاضر ہوا
 ہے میرے ان الفاظ کو سن کر آدمی نے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کی تو وفات ہو چکی، تب میں نے
 اس شخص سے کہا کہ نہیں ان کا انتقال نہیں ہوا ہے وہ زندہ ہیں اور جیسے زندہ آدمی سانس لیتا ہے
 اسی طرح سانس لے رہے ہیں کرم کپڑا آپ کے پیچھے سے اس وقت شرابو رہے۔ اس پر اس شخص
 نے کہا کہ خیر سبب ابو محمد کے حقیقی راز سے تم واقف ہو تو آؤ اندر چلو حاضر ہو کر حمزت کو سلام کر کے

والس ہو جانا، لیکن ان کو پریشان نہ کرنا۔

الستعجبی نے بیان کیا کہ رشید نے اس کے بعد دعویٰ کیا کہ میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا
فلنبانی بأشياء مکتوۃ ^{۹۹ تذکرہ ۱۰} _{۴۶۱ سن ۷۲۰} پھر آئندہ پیش آنے والی بعض چیزوں سے مجھے حیرت
علی نے آگاہ کیا۔

حافظ بن حجر نے ابن حبان کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

کوفی کان یومن بالرجعة ^{۱۰۰} وہ "الرجعة" کے عقیدے کو مانتا تھا
سمجھا آپ نے "الرجعت" کے اس لفظ کا مطلب؟ امام مسلم نے اپنی کتاب صیح کے مقدمہ
میں اس کی تشریح ان الفاظ میں سفیان ثوری کے حوالے سے نقل کی ہے کہ

ان علیانی السحاب فلا یخرج مع حضرت علی بادل میں ہیں بھران کی اولاد میں آسمانی شخص
من یخرج من ولد وحتى یبادی کے ساتھ لوگ نکلیں گے، جس کے متعلق آسمان
مناد من السماء یرید علیاً ^{۱۰۱} سے آواز دینے والا آواز دے گا کہ فلاں کے ساتھ
یبادی اخرجوا مع فلاں ^{۱۰۲} نکلو آسمان سے آواز دینے والے سے مراد حضرت
علی کی ذات۔۔۔ ہوتی تھی۔

سمجھا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کی عقلی اور دہنی سطح اتنی پست اور دماغی حال جن کا اتنا زبوں ہو
صرف یہی نہیں کہ شہید ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی داپسی کی اسی دنیا میں جو منتظر ہو
جا سکتے ہوں بلکہ منوانے والوں نے جن سے یہ تک منوالیا ہو کہ حضرت بادل میں چھپے ہوئے ہیں
بھلا ایسے سادہ لوحوں کے لئے صحیح اور غلط راہیوں کی تمیز کا وہ معیار کیا کارآمد ہو سکتا تھا جس
کے استعمال کے لئے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خاص قسم کی خداقت اور نبوی الفاظ کے شناخت کی
خاص بصیرت ہوتی چاہئے قرآنی کلیات اور اسلامی روح سے مناسبت اور عدم مناسبت کا پتہ

تذکرہ الحفاظ ص ۹۹ میں اور لسان المیزان ص ۱۶۱ میں شعبی کے حوالے سے رشید جبری کا بیان نقل کیا گیا ہے دونوں کتابوں
کی عبارت میں اجزاء کی کمی و بیشی ہائی جاتی ہے میں نے دونوں کتابوں کی عبارت کو پیش نظر رکھ کر رشید کے بیان کا یہاں

ترجمہ درج کر دیا ہے ۱۲

ان غریبوں کو کیا چل سکتا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر پیدا کرنے والوں نے اس عقیدے تک کو پیدا کر دیا تھا، حافظ بن حجر نے لسان المیزان میں ان ہی لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ہم معتقدون الہیۃ علی
 وہ حضرت علی کے متعلق اس کا اعتقاد رکھتے ہیں
 لسان ۲۹۰
 کہ وہ خدا تھے۔

سارے تھے یعنی وفات کے بعد آپ سے ملاقات کا وعدہ، آئندہ ہونے والے واقعات کو حضرت کا انتقال ہونے کے بعد آگاہ کرنا اور بادل پر سوار ہو کر فضا آسمانی میں اس لئے گھومتے رہنا کہ اپنی اولاد میں سے جس کسی کی رفاقت پر لوگوں کو آپ آمادہ فرمانا چاہتے تھے جب وہ اٹھ کھڑا ہو تب بادل ہی سے لوگوں کو آواز دینا کہ میری اولاد میں سے یہ شخص جو کھڑا ہوا ہے، ساتھ دینے والا کو چاہئے کہ اب اس کا ساتھ دیں شاید الہیہیت ہی کے اس عقیدے کے شاخسانے تھے جو عام طور پر بادیہ عرب کے ان سادہ دل فوجیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہ کوئی ایک دو آدمی ہی نہیں تھے بلکہ بن مسین کہا کرتے تھے کہ

قد مری الشعی سہیداً ہجری
 شعی نے اس گروہ کے لوگوں میں رشید ہجری
 وحبہ العرفی و اصبح ابن بناة
 حبش العری اور اصبح بن بناة کو دیکھا تھا کسی چیز
 لیس سیاوی ہولاء شیاً
 کے برابر نہیں تھے (یعنی ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی)
 فتا ۲۷۲ لسان

مکدان ہی عالم شعی جو حدیث اور فقہ دونوں کے امام الامم تابعی ہیں، ان کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس قسم کے تمام لوگوں کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے وہ "اصحاب علی" کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کرتے تھے ان کے متعلق شعی عموماً اچھے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے زکریا بن ابی زائدہ نے جو شعی کے مشہور تلامذہ میں ہیں ایک دفعہ جو چاہی کہ مالک تعیب اصحاب علی وانما
 آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ "اصحاب علی" کی طرف عیوب
 منسوب کرتے ہیں ملائکہ آپ کا علم ان ہی سے اخذ ہے
 علیہم عنہم
 (بانی آئندہ)

تورات کے دس احکام

۱۲۵

تورات کے دس احکام

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان بابۃ ماہِ دین)

”قرآن کے دس احکام“ سے پہلے چونتیس سورۃ بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہیں ان ہی کے متعلق ”تورات کے دس احکام“ اور ان کے سابق و لاحق فقرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ذاتی احساسات یا دہشت کو خاکسار نے اب تک پیش کیا ہے۔

باتی ”قرآن کے دس احکام“ کے بعد اس سورہ میں جو کچھ ہے، تفصیلی بحث اس کی آپ کو قرآن کے مفسرین کی کتابوں میں مل سکتی ہے اور یہ فرض ہی ہو گا کہ یہ بھی جو قرآن کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنے اس مضمون میں صرف بعض اجمالی نقاط نظر کا پیش کرنا اس احکام سے ما قبل کی آیتوں کے متعلق کئی مقصود تھا اور یہی غرض ان دس احکام کی مانعہ آیتوں کے متعلق بھی ہے۔

بظاہر مانعہ کی ان آیتوں کا تعلق قوم یہود سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ خطاب کا رخ عام ہے لیکن یہودیوں کی تاریخ کا مطالعہ جن لوگوں نے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ملک مصر سے جب ان کو نکال لائے اور فلسطین میں آباد ہی ہوئے گا نہیں بلکہ ایک قاصرہ حکومت کے قائم کر لینے کا موقع بنی اسرائیل کو جب مل گیا تو اپنی حکومت کے مختلف ادوار و فردن میں یہودیوں نے باطناً بت پرستی بھی کی ایسی بت پرستی جس میں دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔

بعل جو قدیم بت پرست دنیا کا سب سے زیادہ مشہور دیوتا ہے، سمجھا جاتا تھا کہ عالم محسوس

بل کے بت اور مذبح اور اپنے مقام جو بت پرستی کے لئے مخصوص تھے شانہ نور کے لئے کافی
 نہ تھے، لہذا اس نے نفرت انگیز حرکات پر یہ اعتراف کیا اور اپنے بچوں کو عادی عزم میں قربانی کے طور پر ^{۱۳۹} کھایا
 اسی بل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سب یہودی علامہ پوج رہے تھے۔ کتابِ سلاطین میں ہے
 کہ ابلہہ یعنی حضرت الیاس علیہ السلام یہودیوں میں مبعوث ہو کر فرمایا کرتے تھے

”تم کب تک دھڑکیوں میں ڈالو اور دل رہو گے اگر خداوند خدا ہی خدا ہے تو اس کے پیر ہو جاؤ، اور اگر
 بل ہے تو اس کی پیروی کرو۔“ سلاطین باب ۱۰

قرآن میں حضرت الیاس علیہ السلام کے مواعظ میں یہ فقرہ جو پایا جاتا ہے یعنی
 ”انہوں نے بے لاد و تدبیر احسن کیا تم بل کو بکارتے رہو گے اور احسن الخاقین کو
 الخاقین جھوڑ دو گے۔“

شاید کتابِ سلاطین کے اسی فقرے کی یہ صحیح تعبیر ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہودی اپنی غفلتوں میں تورات کو دباتے ہوئے اور اس کے دس احکام خصوصاً
 پہلا کلم ”کہ میرے حضور غیر مسرور دل کو نہ ماننا اور اپنے لئے ترانہ ہوئی مورت نہ بنانا“ اسی کا جرح چاہی
 کر نہ دیتے تھے اپنے ان احکام پر ان کو ناز بھی تھا لیکن جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب
 وہ چند دنوں کے لئے ان کو چھوڑ کر خدا کے پاس تورات لانے کے لئے گئے، اس قوم نے سونے کا
 بچہ اُنبا کر پوج ڈالا تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی اسی طوائف بچہ کے کاقتہ ان کو یاد آیا، اور
 کس طرح یاد آیا جو سزا اس گناہ عظیم کے بدلہ میں ان کو بیڑی بڑی تھی اسے تو کعبوں گئے اور سلیمان علیہ السلام
 کے بعد یہ بیجام نامی بادشاہ ان پر جب حاکم ہوا تو سلاطین نامی کتاب میں ہے کہ

اس بادشاہ (بیجام) نے مشورۃ لے کر سونے کے دو بچہ لے بنائے اور لوگوں سے کہا کہ بچہ ختم
 جا، تمہاری طاقت سے باہر ہے

پس

۱۷۱ اسرائیل! اپنے دیوتاؤں کو دیکھ جو تجھے مذکورہ صورت نکال لائے۔ سلاطین ۱۲

قرآن میں جو فرمایا گیا ہے کہ واشریوا فی قلوبہم العجیل (اور بلا دیا گیا ان کے دلوں میں سمجھڑا) گویا اس کا عملی ثبوت یہ بھی تھا،

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہئے، یا دل دوزیہ واقعہ ہے کہ تورات عیسائی کتاب کو آسمانی کتاب ماننے والی قوم حاققوں میں ترقی کرتے ہوئے اس نوبت تک بھی پہنچ چکی تھی کہ دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کا عقیدہ بھی میں ان میں پھیل گیا تھا کتاب سلاطین میں ہے کہ خداوند خدا نے دھمکی دیتے ہوئے بنی اسرائیل کو کہلا بھیجا کہ

انھوں نے یہودیوں نے، مجھے ترک کیا اور صیدانیوں کی دیوی عستارات اور موابیوں کے دیوتا کو
اور بنی مومن کے دیوتا ملکوم کی پرستش کی ہے" ۱۱ سلاطین

بلکی صاحب نے ملک بسن جو عروج بن عروق عملیاتی کا ملک تھا اس کے ایک شہر عستارات نام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

یہ شہر عستارات با عستاراتی دیوی کی پوجا کے لئے مشہور تھا جو چاند کی دیوی کہلاتی تھی۔" ص ۱۶۴

ملک حبشہ کو لوگوں نے لکھا بھی ہے کہ العجل (سمجھڑے) کا یہ عارضہ بنی اسرائیل اپنے ساتھ مصر سے لائے تھے جہاں کے معبودوں میں ایک بڑا اہم معبود ساند بھی تھا جسے مہری اپس کہتے تھے جو خاص خاص ملاحتوں سے پجایا جاتا تھا لیکن مصریوں میں یہ خیال کہاں سے آیا زرعی ملک ہونے کی وجہ سے ساند کو اگر پوجے تھے۔ تو ساند کو جب تک بیل نہ بنایا جائے یعنی اس کے بیضوں کو کوئتہ نہ کر لیا جائے بیل میں مشکل ہی سے لگ سکتا ہے خدا جلے یہ قدیم بیل دیوی بیل تھا کیا تھا۔ بہر حال زراعت والی توجہ دل کو پورا نہیں گنتی، کہ سینکڑوں ممالک ایسے ہیں جہاں گھوڑوں سے دھم کا کام لیا جاتا ہے جو کام بیل انجام دیتے ہیں پھر چاہئے تھا کہ لوگ ان ممالک میں گھوڑوں کو پوجتے ہوں اس کے بہتر سے ملک ایسے ہیں جہاں بکائے نہ کے مادہ کا ذرا بہ اضافہ انحراف کی مستحق سمجھی جاتی ہے لیکن نہ اذیت میں اس سے کام نہیں لیا جاتا، دانشاظم باصواب شیخ محمد الدین بن عربی نے لکھا ہے کہ ۱۵ ان عرش میں ایک فرشتے کی شکل بیل کی ہے گویا اسی فرشتے کو لوگ ساند یا گائے وغیرہ کی شکل میں پوجتے ہیں یہ ان ہی کا کشف ہے کہ جب سے بیلوں کی عبادت کا رواج دنیا میں ہوا ہے اس وقت سے اس فرشتہ کی صورت منہوم ہو گئی ہے۔

اب بھی کھنڈر کی شکل میں عسارات فریم کا یہ شہر فلسطین کے نواحی میں موجود ہے، بلکی کاہیان ہے کہ ایک یورپین سیاح ڈاکٹر پورٹر کو اسی شہر کے کھنڈروں میں پتھر کا ترشا ہوا ایک سرسلا تھا جس کی شکل و صورت نوک پلک کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی گئی کہ غالباً یہ وہی چاند کی دیوی کی صورت ہے۔ بہر حال مصر سے واپسی اور فلسطین میں آباد حکمران ہونے کے بعد جب تک اسیری و جلاوطنی اور تقطیع (یعنی تتر ستر) ہونے کی مصیبت میں یہودی مبتلا نہ ہوئے تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد اپنی ہمسایہ قوموں (فلسطی، فنیقی، ارامی وغیرہ) کی ریس میں علانیہ بت پرستی کے شکار ہوتے رہے اور قطعاً ہم فی الارض اہمار اور تتر ستر کر دیا ہم نے یہودیوں کو زمین پر نہرتے نہرتے بنا کر کے مذاب میں جب ریگ رفتار ہوئے تو یورپ کے موزین کا خیال ہے کہ

”اس کے بعد بھر کسی زمانہ میں یہودیوں کی طرف سے بت پرستی کا میلان ظاہر نہ ہوا“ تاہم بائبل لکھتا ہے کہ جس کی توجیہ کرتے ہوئے انھیں لوگوں نے لکھا ہے کہ

یہ تبدیلی بت پرستی کی طرف عدم میلان، کسی روحانی نازگی سے اس تردد و قوع میں نہیں آئی جس حد فطری اسباب کے اثر سے واقع ہوئی۔

فطری اسباب کیا تھے ان ہی لوگوں کا بیان ہے کہ

یعنی یہود، کسبویں (بدیل و دنیا داروں) کی بت پرستی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

کیونکہ ان ہی کسبویوں کا بادشاہ بخت نصر اور اس کے بعد بھی اس علاقے کے متحد دسلاطین اور حکمرانوں نے یہودیوں کے ملک فلسطین کو برباد کیا قتل و غارت کے بعد جو یہودی زندہ باقی رہے تھے ان کو بوندان کی دولت و ثروت کو لوٹ کر کسبویوں کے حکمران اپنے ملک میں لے گئے اپنے وطن سے نکالے ہوئے ان قیدی یہودیوں کے ساتھ ان کے دشمنوں نے جو کچھ کیا تھا آج بھی اس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہر حال ان ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے اس توجیہ کے

الغافلہ میں کہ

لے مگر بت پرستی کا فلسفی نظام بھی عجیب ہے یہی سب سے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کا مولود جس کا نام (حاشیہ علامہ پورصوفی آئندہ)

کیونکہ وہ (ہت پرستی) ان کے (یہودیوں) کے لئے اور براہ کرنے والوں کا مذہب تھا، اور یہ تھا
ہے کہ جو لوگ جلا وطن کئے جاتے ہیں اور جن کی قومی حیثیت جاتی رہتی ہے وہ بڑے جوش و خروش سے
اپنے قومی دستوروں کو قوم کے حلیل کارناموں کو یاد کرتے اور توفیق جان بناتے ہیں "تاریخ بائبل
گویا یہودی اذہنیت اسی مشہور اور دشمن کی تابع ہو گئی کہ
ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ اپنا مذہب چھوڑ کر ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا
ان کی توحید کہنے یا مسلمانی ضد اور ہٹ و دھرم کی مسلمانی تھی
کلمہ کھلا اعنام پرستی اور مورتی پوجا کے لحاظ سے مغربی مورخین کی یہ نکتہ نوازی ممکن ہے کہ درست

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱)

آر تھا، یہ جان دینا کا قدیم نام تھا، اس شہر میں اسی چاند دیوتا کی چونکر پرستش ہوتی تھی اس لئے اُس کے نام سے شہر
ہو گیا۔ بہر حال لکھا ہے کہ آرمین چاند کی پوجا جب ہوئی تھی تو بجائے دد کے یہ زرد پوتا سمجھا جاتا تھا اور سورج پر اس کو
برزی حاصل تھی، سورج کے متعلق خیال تھا کہ چاند کا فرزند ہے، یا کوئی مادہ دہری ہے، مگر خدا جانے کچھ غریب پانڈ
بجائے زکے مادہ دہریوں میں شریک ہو کر عتبات کے نام سے کیسے مشہور ہوا کہتے ہیں کہ سومنات کا مندر بھی چاند
ہی کا مندر تھا، ابن خلدون نے لکھی لکھا ہے "بزرگ" ہیں کے موقع پر سارے ہندوستان سے لوگ سومنات پہنچتے
تہ حضرت تھانوی کے مذہبات کا اس موقع پر ایک لطیف یاد آیا، خود فرماتے تھے کسی شہر میں حضرت کی خدمت میں ایک
صاحب نے اپنے نوجوان صاحبزادے کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ انگریزی پڑھتا ہے اور بے دینی کی باتیں کرتا ہے، حضرت
نے پوچھا کہ کس کالج میں پڑھتا ہے۔ اطلاع دی گئی کہ "اسلامیہ کالج" کہ غالباً علم ہے فرمایا کہ "اسلامیہ کالج" سے نام لکھو اگر اس کو
کسی ایسے کالج میں شریک کر دو جس میں ہر قوم کے بچے پڑھتے ہوں یہی کیا گیا دوسرے سال اسی شہر میں جب حضرت
کی تشریف فرمائی ہوئی تو بڑی مسرت کے ساتھ وہی نوجوان لڑکا یہ کہتے ہوئے پیش کیا گیا کہ اب اس کی وہ نئی حالت درست
ہو گئی ہے۔ حضرت مسکراتے لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کا اگر تیسر کی بنا دیکھا تھی فرمایا کہ لڑکا مجھے کچھ ہندی سامان
ہوا کہ مسلمانوں کی مندر میں بے دینی کی باتیں کرنے لگا میں جس کالج میں اب ہے وہاں صرف مسلمانوں سے معاشرت تھا
خیال ہوا کہ شاید دین دار ہو جائے خیال صحیح ثابت ہوا، آج کل انڈین یونین کے مسلمانوں کے متعلق شکوک و شبہات
لوگ ظاہر کرتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ جب ملی میں یہی بغض معاویہ ہی کی وجہ سے یہ توقع ہے کہ خالص اسلامی
آبادی سے اس ملک کے مسلمان اپنی مسلمانی پر زیادہ اصرار کریں گے ۱۲۔

ہو لیکن حضرت عزیر کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ تمام یہودیوں میں دہسی مگر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے زمانہ میں عرب کے بعض یہودی فرقوں میں پایا جاتا تھا، اور جس قوم کو نعل و عسکارت کی پوجا میں شرم نہ آئی۔ عزیر کو ابن اللہ کہنے سے اگر نہ شرمائی ہو تو کیوں تعجب کیجئے۔ ماسوا اس کے نصاریٰ نے جیسے اپنے رہبان کو اس بابا من دون اللہ بنا لیا تھا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی بھی اپنے احبار کے ساتھ کچھ اسی قسم کا تعلق رکھتے تھے صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے ساتھ یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ

اتخذوا قبوسا بنیائہم مساجد انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا

بہر حال یہ خیال کہ تورات کی پڑھنے والی اور ماننے والی قوم شرک یا بت پرستی میں کیسے مبتلا ہو سکتی ہے اس کی تردید کے لئے مذکورہ بالا شہادتیں کافی ہیں جو یہودی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنہیں عبرت کے مقدس مجموعہ میں ہم پاتے ہیں۔ اور کتابی شہادتوں سے زیادہ آپ کے سامنے ”زندہ گواہ کی شکل میں وہ امت خود کھڑی ہوئی ہے، جس نے قرآن کا پڑھنا ترک نہیں کیا ہے اور اس کو خدا ہی کی کتاب اب تک مانتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن با اس ہم کو یہ کہہ سکتا ہے کہ صحاح کی مشہور حدیث

لتبعن سنن الذین من قبلکم یعنی رسول اللہ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان لوگوں

شبہا لبشیر و ذمہ اعدا بن سراع کی پیروی کر کے رہو گے جو تم سے پہلے گزرے

ایک ایک بالست ایک ایک بالحق۔

حتیٰ کہ فرمایا گیا کہ کسی سوراخ میں پہلے کے لوگ اگر داخل ہوئے ہیں تو تم بھی اس سوراخ میں اٹھو گے، پوچھا گیا کہ ہم سے پہلے گزرنے والوں سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں فرمایا گیا کہ فحش، یعنی نواور کون؟

کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی کے کس شعبہ پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا پیشگوئی منطبق نہیں ہو رہی ہے؟ یہ سچ ہے کہ شاذ بدبت قراشی اور صنم پرستی کی لعنت میں مسلمان اب تک مبتلا نہ ہوئے لیکن اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے لئے لان کے ہر ہر ملک اور علاقہ میں ”استدادی مراکز“ کے

جو حال بچے ہوئے ہیں، وہاں پہنچ کر جانے والے جو کچھ کرتے ہیں دوسروں سے زیادہ یہ خود فیصلہ کرتے ہیں کہ قرآن کا تاریخی فقرہ

مالکم من اللہ غیرہ
نہیں ہے تمہارا اللہ جس کی عبادت مدد طلب کرتے ہوئے کی جائے، اللہ خالق کائنات کے سوا

جو اول سے آخر تک ہر ہر پیغمبر و رسول دینی کے پیغام کا سب سے پہلا اور لازمی رکن ہے یہ فقرہ کس حد تک ان مسلمانوں کے کروتوں سے متاثر ہوا ہے یا ہوتا رہتا ہے۔

غیب میں جانے والوں تک ثواب کے سوغات پہنچانے کا قرآن اگر صرف اکر نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں سے ان کے پیدا کرنے والے نے اس کتاب میں کچھ مطالبہ بھی کیا ہے اور کچھ چیزوں سے ڈکا بھی ہے تو یہ ان کے سوچنے کی بات ہے کہ جن حدود پر رک جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ کیا ہم ان ہی حدود پر ٹھہرے ہوئے ہیں؟

بل الانسان على نفسه بصيرة ولو
بلکہ آدمی اپنے نفس کا دیکھنے والا خود ہے اور گواہ دینا
القی معاذیرہ کے پردے ہی کہوں نہ ڈالتا رہے۔

بہر حال گفتگو قوم یہود کے متعلق جو رہی تھی جن منسخرانہ عوارض میں یہ قوم مختلف زمانوں میں مبتلا ہوتی رہی، یہ تو اس کی ایک اجمالی داستان تھی۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور ان کی کتاب تورات کو خدا کی پیغام تسلیم کرنے والی اس امت کے متعلق تاریخ کی ایک اور شہادت سنئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو ان کو ایک مذہب اور دین دیا تھا۔

اسی دین کا خلاصہ وہ دس احکام تھے جو تورات کے دس احکام کے نام سے مشہور ہوئے، ظاہر ہے نہ ان احکام میں اور نہ ان کے سوا جو دوسرے تفصیلات دین کے تھے کسی میں نہ تو اثراتی کمالات کے پیدا کرنے کی تدبیریں بتائی گئی تھیں اور نہ روحانی ہستیوں کو مسخر کرنے کے ذرائع کی طرف راہنمائی کی گئی تھی، نہ یہ بتایا گیا تھا کہ جو مہرچے ہیں ان کی روحوں سے تعلق قائم کر کے غیب کے بعدیوں

سے آگاہ ہوئے کا کیا طریقہ ہے۔

لیکن قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود و مسلمانوں نامی فرشتوں کے ساتھ ان شیائیں سے جو لوگوں کو سحر سکنے لگے۔ الغرض ملکوتی اور شیطانی دونوں قسم کی ہستیوں سے وہ تعلق قائم کرنے لگے، اور ان روحانی اعمال کو وہ سفلی و علوی یا سفید و سیاہ دو حصوں میں تقسیم کر کے سمجھتے تھے کہ ان روحانی مشغلوں سے ان میں یہ قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک نظر میں دشمن کو بھسم کر کے رکھ دیا جاسکتا ہے یا دشمن ہڈیوں کا صرف خشتک ڈھا چنچر کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح خیال تھا کہ روح کی قوت کو ان اعمال اور مشغلوں کے ذریعہ بیدار کر کے "بیاروں کو اچھا کیا جاسکتا ہے" (دیکھو جوتش انس کلو پیڈیا ج ۸) ^(لفظ "جوتش" غلط ہے) اسی کتاب میں لکھا ہے کہ

"یونانی اور رومی لوگ یہود کو جادوگر کہا کرتے تھے۔"

نیز لفظ "نمبر و منسی" "علی الارواح" کے نیچے اسی کتاب جوتش انس کلو پیڈیا کی جلد ۱۰ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا یہ خیال بھی تھا کہ ارواح سے تعلق پیدا کر کے عیب کے علوم دریافت کئے جاسکتے ہیں۔

جدید عیسائی کے مجموعہ میں سموئل نامی کتاب بھی ہے، اس کے باب میں ایک دل چسپ قصہ اسی سلسلہ میں درج ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ ساؤل دھاتوت کی جنگ فلسطینی قوم سے چھڑنے والی تھی۔ فرمیں طرفین سے اگر ایک دوسرے کے زور و جبر ہو تیں۔ تو ساؤل ڈر گیا۔ اس نے جاہاکر خواہوں کے ذریعہ اس جنگ کے انجام کو جانے سکین کو تی خراب یا غیبی اشارہ اس کو نہ ملتا تب اس نے ایک عورت سے جو ایک بھوت سے تعلق رکھتی تھی، تلاش کر کے یہ خواہش کی کہ سموئل نبی جس نے یہود پرہی کی بادشاہی کے لئے ساؤل دھاتوت کا انتخاب کیا تھا اور فلسطینیوں کی اس پیش آسنے والی جنگ کے زمانے میں سموئل کا انتقال ہو چکا تھا، اسی سموئل کی روح کو ساؤل نے کہا کہ وہ جو گنہگار ہے۔

لکھا ہے کہ جو گن بوجب وہ کیفیت طاری ہوئی جو بعبوت بھرنے کے وقت ہوتی ہے تب ساؤل کے یہ پوچھنے پر کہ تجھے کیا دکھائی دیتا ہے جو گن بولی۔

”مجھے ایک دیوتا زمین سے اِدھر آتے دکھائی دیتا ہے۔“

ساؤل نے پوچھا کہ شکل کیسی ہے؟ جو گن نے کہا

”ایک بڑھاؤ اور کو آ رہا ہے اور جت پہنچے ہے۔“

بیان کیا گیا ہے کہ یہ سننے کے ساتھ ہی ساؤل سمجھ گیا کہ سموئل کی روح آگئی۔ اور

”اس نے منہ کے بل گر کر زمین پر سجدہ کیا۔“

سموئل کی روح نے لکھا ہے تب ساؤل سے کہا کہ

”تو نے کیوں مجھے بے چین کیا کہ مجھے اِدھر بلوایا۔“ باب ۱ سموئل ۱۱

اُسے ہے کہ ساؤل اپنا دکھڑا سموئل کے آگے دہرائے لگا دونوں میں سوال و جواب کا طویل سلسلہ اس کے بعد ہے۔ جس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب اس قصہ کی اصل نوعیت کیا ہے، اگر یہ ساؤل دیہی طاووت ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم پاتے ہیں تو ایسے مومن بنی کے انتخاب کردہ بادشاہ کے متعلق یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ بھٹنے سے تعلق رکھنے والی جو گن سے مدد کا طالب ہوا ہو، تاہم اس سے اس کا پتہ تو چلتا ہے کہ وہ خود کے متعلق حاجرات کا عمل یہود جو کرتے تھے اور اس ذریعہ سے مرے ہوئے لوگوں کی حاضری کا دعویٰ جو کیا جاتا تھا۔ اس کی نوعیت کیا تھی۔

معلوم ہوتا ہے اس قسم کا کاروبار عورتیں بھی کرتی تھیں اور مرد بھی کرتے تھے، جدید ہند نامہ کی کتاب اعمال کے باب میں ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بعض حواری جب فلسطین کے شہر سامریہ میں پہنچے تو وہاں شمعون نامی ایک یہودی کو دیکھا۔

”جو سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں کوئی بڑا شخص ہوں۔“

لکھا ہے کہ اس کے روحانی کرشموں کو دیکھ دیکھ کر

جھوٹے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہی جسے بڑی کہتے ہیں !

بہر حال موجودہ زمانہ میں جن کرشموں کو لوگ ”سپر لیچرزم“ یعنی روح اور روحانی قوتوں کی پیداوار کا نتیجہ سمجھتے ہیں اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہود کی دل چسپیاں نام نہاد روحانیت کے اس قصے سے غیر معمولی طور پر قائم تھیں، وہ سمجھتے تھے کہ روح کی پوشیدہ قوتوں کو مجاہدہ اور ریاضت کی مشقوں سے زرقی کر کے اس حد تک پہنچا دیا جاسکتا ہے کہ غیب کی باتوں کے جاننے کی اور اپنی مرضی کے مطابق غیر معمولی تصرفات کی قدرت آدمی میں پیدا ہو جاتی ہے، اب آپ اپنے سامنے یہود کے مشرکانہ رجحانات اور نام نہاد روحانیت کے مزید بانگ و دعویٰ کے متعلق مذکورہ بالا معلومات کو رکھئے اور اس کے ابدان آیتوں پر غور کیجئے جو قرآن کے دس احکام کے بعد سورہ بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہیں،

جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ بظاہر ان آیتوں کے خطاب کا رخ خاص قوم یہود کی طرف نہیں معلوم ہوتا، لیکن جو باتیں آپ کے علم میں لائی گئی ہیں کیا ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب بھی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان آیتوں کے خطابی دائرے سے یہود خارج ہیں ؟
آپ دیکھ چکے کہ یہودی شرک کے بھی مرتکب ہوئے، شرک کی بدترین شکل بت پرستی تک کا رواج ان میں بار بار ہوتا رہا ہے۔ دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کی پرستش بھی اس قوم نے کی ہے۔

ایسی صورت میں قرآن کے احکام عشرہ کے بعد سب سے پہلے مشرکانہ ذہنیت کی تنقید جن الفاظ میں کی گئی ہے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ یہود کو اس ذہنیت سے پاک اور بری سمجھا جائے بلکہ شرک کی تنقیدی آیتوں کے ساتھ ہی آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

وَإِذْ أَوْفَرْنَا الْفَرَّانَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَالدِّينَ الَّذِي لَدَيْهِ مَوَازِينُ بِالْآخِرَةِ

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو تمہارے درمیان دو

ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے

ہم ایک ایسا پردہ حائل کر دیتے ہیں جو مستور ہے

حجاباً مستوراً

(یعنی دکھائی نہیں دیتا)

مطلب جس کا یہی ہوا کہ قرآنی تعلیمات کو دہی قبول کر سکتے ہیں اور اپنی علی زندگی کو قرآن کے عطا کردہ پروگرام کے مطابق دہی بنا سکتے ہیں۔ جن کے قلوب ”الاخرۃ“ کے یقین سے روشن و منور ہوں ورنہ مرنے کے بعد آنے والی منجی کی زندگی کا ایمان و یقین جس حد تک مفصل ہوتا چلا جائے گا قرآنی پروگرام کی تیس کی ملاحیت بھی اسی نسبت سے گم ہوتی چلی جائے گی اور اسی کے بعد جو یہ ارشاد ہوا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنَا بَعَثْنَا فِي الْقُرْآنِ
وَاحِدًا مِّنْكُمْ عَلَىٰ أَن يَتْلُوَ تَوَاتُؤًا
اور جب تم قرآن میں تمہارا اپنے رب (خالق کائنات)
کا ذکر کرتے ہو، تو اپنی بیٹیوں پر پردہ بکھڑکنے ہوئے
کھا گئے ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ الاخرت کے یقین و ایمان سے محمدی سب سے پہلے جس روگ میں آدمی کو مبتلا کر دیتی ہے، وہ یہی شرک کا خواب پریشاں ہے قرآن کے احکام عشرہ میں پہلا حکم چونکہ یہی تھا کہ ”خالق عالم کے سوا کسی کو اپنا الٰہ نہ بنا“ شاید اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دین کی جو جو ہری روح ہے، ایمان بالآخرت سے خالی ہونے کے ساتھ دہی روح دتوحید، آدمی سے نکل جاتی ہے، یہود چونکہ الاخرت کے عقیدے کو اپنے دین سے خارج کر چکے تھے تو گو ان کا نام بھی مذہبی اقوام کی فہرست میں باقی رہا، لیکن آپ دیکھ چکے کہ عللاً ان کی زندگی میں بجائے توحید کے شرک ہی کے عقیدہ کا اثر زیادہ نمایاں رہا۔

(باقی آئندہ)

مختار بن ابی عبید الشقنی

انہا

(ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم۔ اے۔ بی۔ ایچ۔ ڈی)

(۶)

اس عسکری ناکامی کو مختار نے ایک اعلیٰ ڈپلومیٹک کامیابی میں بدلنے کی تدبیر کی جس سے ایک طرف کوفہ کے شیعوں کی دغا داری کاڑھی ہوئی، دوسری طرف ابن الحنفیہ کی نظر میں اس کی شہنشاہی اہل بیت اور اس کا اخلاص مہربن ہو گیا، ابن الحنفیہ کو اس نے اکھنڈ میں سے آپ کے پاس ایک لشکر بھیجا تھا آپ کے دشمنوں کو سرنگوں کرنے اور ملک حجاز کو آپ کے لئے فتح کرنے، یہ لشکر مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو محمد کی فوج اس سے آگے اور باوجود عہد پیمان مصالحت اس کے ساتھ مکاری کی، اور بے خبری میں اچانک حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اہل مدینہ کے پاس بھاری لشکر روانہ کروں اور آپ اس کے پاس اپنے نائیدہ بھیج دیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں آپ کا مطیع ہوں نیز یہ کہ آپ کے حکم سے میں نے ان کے پاس اپنا لشکر بھیجا ہے اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد و ظالم خاندان زمیر کے مقابل میں یہ لوگ آپ کے اور اہل بیت کے زیادہ حق شناس قدر دان اور دوست ہیں، ابن الحنفیہ نے یہ جواب دیا جس کی غائب مختار کو پہلے سے توقع تھی اور جو اس کی حسب منشاء تھا، تمہارا خطا میں نے پڑھا اس سے معلوم ہوا تمہارے دل میں میرے حق کی کس قدر عظمت ہے اس کی خاطر جو عملی قدم تم نے بڑھایا اور میری خوشنودی کے لئے جو لائحہ عمل تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کا مجھے خوب احساس ہو گیا لیکن

۱۳/۵/۱۳۵۷ انساب ۲/۵

مجھے صرف وہ کام پسند ہیں جن سے خدا کی اطاعت ہو اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی اطاعت کرو ظاہری و باطنی تمام امور میں ہم کو معلوم ہو کہ اگر میں اپنا چاہتا تو بہت سے مددگار میرے پاس جمع ہو جاتے لیکن میں نے ان سے کنارہ کشی کر لی ہے اور اس وقت تک صبر سے حالات کا مطالعہ کرتا ہوں۔ جب تک خدا میرے حق میں فیصلہ فرما دے وہ بہترین منصف ہے۔“

فخار نے مصحفاً اس خط کو شیعوں کے سامنے نہیں پڑھا اس میں جنگ و قتال سے بیزاری ظاہر کی گئی تھی، ممکن تھا اور بہت ممکن کہ شیعہ اس کو سن کر خود بھی جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے یا کم از کم ان کے حوصلہ پست ہو جاتے اس لئے اس نے اپنی ابہامی شان کو کام میں لا کر ان سبہم لیکن خوش آئند الفاظ سے ان کو مطمئن کر دیا: ”ہدی نے مجھے ایسی پالیسی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جس سے نیکی و خوش حالی بچھلے گی اور کفر و بے وفائی کا بیج مارا جائے گا۔“

ابن الحنفیہ سے اس کی ذیل میں ایک فتاویٰ کی ایک مثال اور پیش کر کے ہم اس باب کو ختم کر دیں گے اور اشارہ کیا جا چکا ہے کہ خاندانِ زبیر اور علی میں بڑی رقابت تھی جو دشمنی کی حد تک پہنچ گئی تھی ^۱ میں جب ابنِ زبیر نے خلافت کا دعویٰ کیا تو مکہ و مدینہ کے سب لوگوں نے ان کی بیعت کر لی صرف خاندانِ علی کے افراد باز رہے۔ ابنِ الحنفیہ اور ابنِ عمر نے یہ عذر کیا کہ جب تک سارے مسلمان منفقہ طور پر بیعت تسلیم نہ کر لیں گے ہم بیعت نہ لیں گے۔ ^۲ مصنف مروج الذهب نے عربینِ شیعہ کی روایت نقل کی ہے کہ چالیس دن تک ابنِ زبیر نے اپنی تقریروں میں رسول اللہ پر دودھ نہیں بھجی اور اس کی وجہ یہ پیش کی کہ اس سے اہل بیت کے بیدار خاندانی میں اعتنا ہوتا ہے اور غرور سے ان کی گردنیں تن جاتی ہیں۔ ایک بار ابنِ عباس کی ابنِ زبیر سے جب ملاقات ہوئی تو مؤرخ الذکر نے کہا: ”تم لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانے ہو اور میرے بخل کا پروغند لگاتے ہو ابنِ عباس نے کہا: بے شک میں نے رسول اللہ کو کہتے سنا ہے۔ وہ مسلم نہیں جس کا بیٹ بھڑا رہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے ابنِ زبیر نے میں یہ جیساں ہو کر کہا: اے اہل بیت میں چالیس سال سے تمہاری نفرت دل میں چھپائے ہوئے ہوں ایک موقع پر ابنِ زبیر

نے تقریر کرتے ہوئے حضرت علی بن ابراہیم طعن کی تو محمد بن الحنفیہ کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے جوابی تقریر میں خاندان زبیریہ پر خوب آواز سے کسے۔

مختصر یہ کہ دونوں خاندانوں میں دشمنی تھی اور سبب مادی اقتدار و سیاسی قوت تھا، زبیریہ مروان کے انتقال کے بعد جب ابن زبیری خلافت مستحکم ہو گئی تو انھوں نے بنو ہاشم اور ابن الحنفیہ کو اپنی بیعت کے لئے مختلف قسم کے دباؤ سے ٹھیکہ کرنا شروع کیا۔ ابن الحنفیہ نے بیعت نہ کی اور اس بات پر مصر رہا کہ جب تک سب مسلمان ایک خلیفہ کی بیعت نہ کر لیں گے میں بیعت نہ کروں گا۔ ابن زبیری جن کو خود رسول اللہ کے قرب خاندانی کا زعم رہا حضرت خدیجہ کے بھتیجے اور حضرت عائشہ کے بھانجے تھے، اور اپنی عبادت کا غرہ تھا اس بات کو گوارا نہ کر سکے کہ ایک بار سوخ خاندان پایہ تخت میں ان کی وفاداری سے باہر ہو۔ ابن زبیری کی تہدید آمیز تقریریں اور دوسرے اقتصادی دباؤ جب ناکام ہوئے تو انھوں نے ابن الحنفیہ اور ان کے خاندان کو بقول طبری زہرم میں اور بقول بعض شعب علی میں نظر بند کر دیا اور ایک مہلت مقرر کی کہ اگر اس میں انھوں نے بیعت کر لی تو خیر ورنہ قتل کر کے جلائے جائیں گے۔ لکڑی کا ایک بڑا انبار اس دھمکی کو مؤثر بنانے کے لئے جمع کر دیا گیا۔ ابن الحنفیہ کے ساتھ کوذ کے سترہ شیعی بھی تھے جو ان کی خدمت میں رہتے تھے۔

ابن الحنفیہ نے قس خفیہ قاعدوں کے ہاتھ ایک خط بھیج کر غمناک کو آئے والی تباہی کی خبر دی تھا بہت خوش ہوا اس کے ہاتھ ابن الحنفیہ اور شیعوں سے اپنی ڈیوٹیک و وفاداری جتانے کا نہایت عمدہ موقع آیا، جامع مسجد میں عام جلسہ منعقد کیا گیا، ابن الحنفیہ کا حزن انگیز خط جس میں انھوں نے ابن زبیری کی بدسلوکی کی تفصیلات لکھی تھیں اور آخر میں شیعوں سے اپیل کی تھی کہ پہلے کی طرح اہل بیت کے ساتھ بے وفائی نہ کریں پڑھ کر سنا یا اس کے بعد اشتعال انگیز تقریر کرتے ہوئے کہا: "ہم تمہارے ہمدمی اور تمہارے نبی کے خاندان کے بہترین فرد کا خط ہے ان کو نظر بند کر دیا

دیکھا گیا ہے جس طرح کھیروں کو بارہ میں بند کر دیا جاتا ہے اور یہ منتظر ہیں کہ رات یا دن میں کسی وقت ان کو قتل کر کے جلا دیا جائے گا، میں ابواسحاق نہیں اگر ان کی مدد کا حق ادا نہ کر دوں اگر ان کے پاس رسالوں کا بہیم سیلاب نہ بھیج دوں یہاں تک کہ بن کا مٹیہ یعنی (ابن زبیر) کو تباہی آجڑے۔

چار ہزار شیعہ کو جانتے کے لئے تیار ہو گئے لیکن فتنہ کار کا مقصد نہ تو حجاز جیسے بے آب و گیاہ ملک میں اتنی بڑی فوج بھیج کر اس کے بھاری مصارف برداشت کرنا تھا نہ وہ ابن زبیر سے باقاعدہ عسکری مقابلہ کرنا چاہتا تھا اس کے سامنے زیادہ اہم اور خوفناک دشمن تھے اس کا مقصد ابن الحنفیہ

کو قید سے نکال کر حفاظت کی جگہ منتقل کرنا اور شیعوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ پوری طرح ابن الحنفیہ اور اہل بیت کا وفادار ہے اور اس طرح خود ان کی عقیدت و وفاداری حاصل کرنا تھا۔ تبصریح طبری اس نے پہلے ستر ہزاروں کا ایک دستہ روانہ کیا، اس کے پیچھے چار سو کا تیس سو سو کے دو، پھر چالیس کے دو اور ابن الحنفیہ کو لکھا کہ فوج کا ایک زبردست سیلاب آپ کی مدد کو آ رہا ہے مگر کے قریب قین دستے متحد ہو گئے اور ڈیڑھ سو کی جمعیت کے ساتھ آج ایک کعبہ پر دھاوا کر دیا ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے جن کا نام انھوں نے کافزکوب رکھا تھا تلوار ہاتھ میں لے کر خانہ کعبہ میں داخل ہونا

فتنہ کار کو منظور نہ تھا گو کہ وہ پوری طرح مسلح تھے وہ جموں پر زور کبڑا اور ابن زبیر کا چھپائے ہوئے مخفی۔ کافزکوب سے یاشارات الحسین (علو حسین کا بدلہ لینے، کے غم سے لگاتے وہ زہرم کے اس

بارہ پر پہنچے جہاں ابن الحنفیہ مع اپنے خاندان کے مقید تھے، انھوں نے ابن الحنفیہ سے "دشمن خدا ابن زبیر" سے لڑنے کی اجازت مانگی، انھوں نے رد کیا اور کہا خانہ کعبہ میں لڑنا جائز نہیں ہے۔ ابن زبیر نے جن کا ہیکہ اور خانہ کعبہ تعافرت سے کہا کیا تم لوگ اس خیال خام میں ہو کہ میں ابن الحنفیہ یا اس کے

ساتھیوں سے محبت لئے بغیر چھوڑ دوں گا؟ ہر سال کے کمانڈر نے نہایت درشتی سے کہا: تم کو چھوڑنا پڑے گا ورنہ تلوار میں نیام سے نکل آئیں گی۔ اس کے بعد طرفین میں کافی بدکلامی ہوئی، ابن الحنفیہ

نے اپنے لوگوں کو روک لیا، اس کے بعد چار سو جاں بازوں کے تین دستے بہت سادہ پہن لئے جو تھے آگئے اور مسجد کعبہ میں داخل ہو کر یاشارات الحسین کے خوب غم سے لگاتے۔ ابن زبیر ڈر گئے۔ ابن الحنفیہ

طبری ۴۴۱/۱۶۱۰ مروج الذهب ۵۸۰ تاریخ کامل نے لکھا ہے کہ فتنہ کار نے آٹھ سو سواروں کے دستے

کی مدد کے لئے پے در پے رسالے چلے آ رہے تھے ان لوگوں نے ابن الحنفیہ اور کفر دانوں کو قید سے نکالا اور ابن زبیر کو گالیاں دیتے ہوئے مکہ سے باہر ایک گھاٹی میں جس کا نام خُصْب علی تھا قتل کر دیا۔ ابن الحنفیہ کے پاس مختار کا بھیا ہوا بہت سارے لوگ آگیا تھا اس لئے ان کے پاس چار ہزار عرب جمع ہو گئے اور یہ روپیہ انھوں نے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ مروج الذہب کے مصنف نے لکھا ہے یہ لوگ جو کوفہ سے ابن الحنفیہ کی مدد کو آئے شیعہ کیسا نہ کے نام سے مشہور ہیں یعنی یہ ابن الحنفیہ کی امامت کے قائل ہیں، یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ابن الحنفیہ امام ہیں فرقہ کیسا نہ کے دو گروہ ہو گئے ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ صرف مرتے وقت تک امام تھے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وہ مرے ہی نہیں اور جبال رضوی میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ گروہ ان تمام باطنی شیعہ تحریکوں کا سرچشمہ ہے جن سے مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اور جنہوں نے ان کی مذہبی وحدت کو مسخ کر دیا ہے۔

مشہور ادیب اقصیٰ (متوفی ۱۳۱۲ھ) نے ابو عمرو بن عمار (دوسری صدی ہجری کا محقق لغت و تاریخ عرب متوفی ۱۳۵ھ) کی یہ روایت نقل کی ہے ”ابن الحنفیہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا اور غالباً زمزم کی قید کے بعد تو مختار نے کہا: ”بھئی کی علامت یہ معجزہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان پر تلوار کا وارہ کرے تو ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے“ ابن الحنفیہ کو جب اس رائے کی خبر ہوئی تو انھوں نے کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور مختار سے ناراض ہو گئے مختار کا بہرہ ور اور علی بن حسین کے مشورہ کی صداقت کا ان کو یقین ہو گیا یہی وجہ ہے کہ مختار کے قتل کے بعد جب ابن عباس نے اظہارِ افسوس کیا اور اہل بیت کے انتقام کے لئے اس کو سراہا تو ابن الحنفیہ نے منع کرتے ہوئے کہا ہمیں اس کی حقیقت خوب معلوم ہے اس کے حق میں کوئی کلمہ خیر زبان پر نہ لائیے۔“

(ب) مختار کے تعلقات ابن زبیر کے ساتھ

عربوں کے دانشمند بادشاہ معاویہ (متوفی ۶۴۳ھ) نے مرنے وقت یزید کو وصیت کی تھی بھ

مروج الذہب ۱/۱۶۱ تا ۱۶۲ کتاب ۵/۲۶۶

اور عبداللہ ابن زبیرؓ حسین کے بارے میں مجھے گمان ہے کہ اہل عراق رضی کوذہ کے شیعہ، اس کو نکالے بغیر
 رضی طلب خلافت کے لئے نہیں مانیں گے اگر وہ خلافت طلب کرنے نکلے اور ہمارے قبضہ میں
 آجائے تو اس کو معاف کر دینا، رہا ابن عمرؓ تو وہ فقط عبادت ہے اور اگر خلافت آپ سے آپس
 کو مل جائے تو خیر درہ اس کے لئے جدوجہد نہیں کرے گا، رہا ابن ابی بکرؓ اس میں نہ تو ذاتی اہمیت
 ہے نہ لوگوں میں اس کو رسوخ حاصل ہے جس کے بل پر وہ خلافت کی کوشش کرے الایہ کہ آپ سے
 آپ اس کو مل جائے البتہ جو شیر کی طرح سینہ کے بل گھات میں بیٹھے گا اور یوٹری کی طرح ہتھارے
 سامنے چالیں چلے گا اور موانع ہاتے ہی تم پر کود پڑے گا وہ ہے عبداللہ ابن زبیرؓ اگر وہ ایسا کرے
 اور ہتھارے قبضہ میں آجائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا الایہ کہ تم سے مصالحت کی درخواست
 کرے اس صدمہ میں تم اس کی پیشکش صلح قبول کر لینا اور حتی الامکان اپنی قوم کا خون بہانے سے
 احتراز کرنا پائے

ابن زبیر کے والد زبیرؓ متوفی ۳۲ھ) ان چھ ممتاز عربوں میں تھے جن کو حضرت عمرؓ نے خلافت
 کے لئے نامزد کیا تھا زبیرؓ نے خلافت حاصل کرنے کی لڑے اور بغیر لڑے ہر طرح کوشش کی لیکن
 نہ پاسکے، ان کے لڑنے کے عبداللہؓ دل میں یہ امنگ پالنے لگے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی طرح وہ
 بھی خلافت کے امیدوار ہو گئے، وہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حضرت عائشہ کے بھانجے اور حواری
 رسول کے لڑکے تھے ایک طرف اس قربت رسولؐ پر اور دوسری طرف کثرت عبادت و ریاضت پر
 انھوں نے اپنے استحقاق خلافت کی عمارت استوار کی، معاویہ کی عمر بھر وہ خاموشی سے اپنی غیر معمولی
 ذہدیت سے خلافت کے لئے رائے عامہ اپنے حق میں تیار کرتے رہے مکہ میں دو شخص ان کے مد مقابل تھے
 حضرت حسینؓ اور عبداللہؓ ابن عمرؓ ان میں سے ہر ایک کے طرفدار موجود تھے ابن زبیرؓ نے یہ تجویز پیش
 کی تھی کہ مسئلہ خلافت بذریعہ شوریٰ حل ہو اور جو رسول اللہؐ سے، قربت، عبادت، زہد اور صلاحیت
 میں افضل ہو اس کو خلیفہ بنایا جائے لیکن مضمیٰ طور پر وہ مکہ مدینہ اور دوسرے اسلامی مرکزوں میں اپنی اہوت

۱۰ اخبار الطوال ص ۲۲

پھیلاتے رہے۔ سنہ ۱۱۸۸ھ میں جب معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید نے خلافت سنبھالی تو ابن زبیر اپنی خلافت کے لئے سرگرم عمل ہو گئے یزید کے بُرے ڈھنگوں کا خوب پردہ گنڈا کیا اور کرایا اس کی بیعت سے انکار کر کے خاندان کعبہ میں مقیم ہو گئے اور اپنے لئے عائد البیت اور مستحیر اللہ کے لقب اختیار کئے۔ سنہ ۱۱۸۹ھ میں واقعہ کر بلا پیش آیا اب انھوں نے موقع مناسب دیکھا اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، ان کی عبادت و درپردہ رسول سے کھدینہ کے لوگ متاثر تھے ان کی تحریک سے نبو امیہ کو مدینہ سے نکال باہر کیا گیا اور اہل مدینہ تلوار سے یزید کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرنے لگے، اس موقع پر ایک ہم عصر ابو حرقہ نے عجب سے پوچھا کیا اس لئے ہم نے آپ کا ساتھ دیا تھا؟ آپ مشورہ اور باہمی رضامندی سے یہ خلیفہ بننے کی دعوت دیتے رہے اب آپ سے ناتانہ صبر و ادب آپ نے اصول انتخاب پر عمل کیا کہ ہم آپ کو خلیفہ منتخب کر کے آپ کی بیعت کر لیتے

عائد البیت خاندان کعبہ میں پناہ لینے والا، مستحیر اللہ کی پناہ میں آنے والا سنہ ۱۱۸۸ھ

ابن الحنفیہ در این عمر نے ان کی بیعت نہیں کی نہ ان کی کسی ارادتی میں حصہ لیا، ابن عمر کہتے تھے میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک سارے مسلمان کسی ایک خلیفہ کی بیعت پر متفق نہ ہو جائیں۔ السناب ۱۱۸۸ھ ایک موقع پر جب مصعب نے ان سے اس عدم تعاون کی شکایت کی تو انھوں نے کہا: میں نے عبد الملک کو جہ ۶۵ھ میں خلیفہ ہوا، خدا ترسی اور خلافت سے کنارہ کشی کا مشورہ دیا تو انھوں نے کہا کہ اگر ابن زبیر خلافت سے دست بردار ہو جائے تو میں بھی ایسا کروں گا اور مسئلہ خلافت بذریعہ انتخاب طے کرنے کے لئے تیار ہوں گا میں نے تمہارے بھائی کو لکھا تو انھوں نے جواب دیا کہ تم کو مسئلہ خلافت سے کیا تعلق تم دخل دینے والے کون ہو؟ السناب ۱۱۸۵ھ

ابن زبیر کے ایک ہم عصر علی بن زید نے کہا: اس میں شک نہیں کہ عبد اللہ بہت لمبی عمر پڑھے تھے، کثرت سے روزے رکھتے تھے، ان کی دادیں، مائیں اور خالاتیں نہایت عالی نسب تھیں لیکن ان میں چند ایسے صفات تھے جو خلافت سے میل نہ رکھتے تھے، وہ بخیل تھے، حریص تھے، اور اپنی رائے کے سامنے کسی دوسرے کی رائے کی قدر نہ کرتے تھے (السناب)

ایک دوسرے ہم عصر صحابی ابوہزیمہ (دسلی) نے یہ رائے ظاہر کی جو اس وقت کے اکثر سیاسی و مذہبی لیڈروں کے اصلی رجحانات و نفسیات کی آئینہ دار ہے: عربوں! حبشیا کہ تمہیں معلوم ہے تم فقیر ذلیل اور گمراہ تھے تم کو اللہ نے اسلام و محمد کے ذریعہ بندگی عطا کی یہاں تک کہ تم کو ڈانڈو و خوش حالی حاصل ہوئی جس سے تم بہرہ ور رہے ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت نے تمہاری باہمی تعلقات کو غارت کر دیا ہے، وہ جو شام میں ہے یعنی مروان طلب دنیا کے لئے لڑتا ہے اور اسی طرح وہ جو کوم میں ہے یعنی ابن زبیر، وہ لوگ بھی جن کو قرآن (یعنی قرآنِ حلال) کہتے ہیں محض دنیا طلبی کے لئے لڑتے ہیں ہماری رائے میں تو بہت سے اچھے لوگ وہ ہیں جو عوام کے کدو پیسے اپنا پیٹ نہیں بھرتے جن کے کندھے ان کے خون کے بوجھ سے ہلکے ہیں۔

۳۷۷ء میں مین اس وقت جب زبیر کی فوجیں کسبِ پراگ اور تھیر بر ساری تھیں اور ابن زبیر فتنہ کی فتنی مدد سے اپنے مقصد پر بھر مار کر رہے تھے زبیر کا انتقال ہو گیا در بیع الاول ۳۷۷ء حصاً اٹھایا گیا فوجیں شام لوٹ گئیں، حجاز، عراق، خراسان اور موصل وغیرہ کے گور زوں نے ابن زبیر کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کر لی۔ لیکن شام کے اموی سرداروں نے مروان کو خلیفہ منتخب کیا ۳۷۷ء میں مروان کے حمایتی قبیلوں اور ابن زبیر کے طرفدار قبیلوں میں بمقام مرج راہط ایک ہولناک جنگ ہوئی جس میں مروان فاتح رہا وہ چند ماہ خلیفہ رہ کر رمضان ۳۷۷ء میں مر گیا اور اس کے رشتے کے جلیل القادری نے خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی، خلیفہ ہو کر اس نے ایک نورج ابن زبیر کی خلافت کا خاتمہ کرنے حجاز اور دوسری فتنہ کے تصرف سے کو ذرا اس کے نہایت وسیع اور فتنی ماتحت علاقے نکالنے عراق روانہ کی۔

ہم ذکر کرتے ہیں کہ فتنہ نے ابن زبیر کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد اس کو سب سے اہم منصب عطا کریں گے، یہ اہم منصب غالباً عراق کی گورنری تھی لیکن ابن زبیر نے

۵/المناب ۱۹۶/۵

۵/المناب ۱۹۶/۵ استیعاب حاشیہ اصحاب ۳-۴

صرف یہ کیا کہ سب سے اہم منصب نہیں عطا کیا بلکہ اس کی طرف سے بے اعتنائی برتی، ان کے خلیفہ بننے کے پانچ ماہ بعد تک وہ انتظار کرتا رہا لیکن ابن زبیر نے اس کو کوئی عہدہ نہیں دیا مجبور ہو کر اس نے اہل بیت کی تحریک چلائے کوذ جانے کی ٹھانی اس کی کوذ سے روانگی کے اسباب کے بارے میں دو روایتیں پیش کی گئی ہیں، طبری کے راوی کہتے ہیں کہ اس کو جب کوذ کے شعیبی سحران کا علم ہوا تو اپنے مقاصد کے لئے نفعا ساز کار تصور کر کے وہاں چلا گیا، مسعودی و اصحابہ کے راوی کہتے ہیں کہ وہ ابن زبیر کے تائیدہ کی حیثیت سے گیا تھا مسعودی کے الفاظ یہ ہیں: جب ابن زبیر نے کوذ پر ابن مطیع کو گور زمقر کیا اور مختار کو نہیں کیا تو بطور چال (مختار نے ابن زبیر سے کہا کہ میں کوذ میں ایسے لوگوں سے واقف ہوں جن کا لیڈر اگر ایک ہریان معاملہ فہم شخص ہو جائے تو ان کے ذریعہ آپ کے لئے ایک ایسا لشکر تیار کر سکتا ہے جس سے آپ شامیوں پر فتح حاصل کر لیں گے، ابن زبیر نے پوچھا وہ لوگ کون ہیں؟ تو مختار نے کہا بنو ہاشم کے طرفدار (شعیب، ابن زبیر نے کہا جاذم ہی وہ شخص ہو جاذم اور اس کو کوذ بھیج دیا۔

انساب الاشراف بلا ذری نے باختلاف رواۃ یہ دونوں روایتیں الگ الگ نقل کی ہیں میرا خیال ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں واقعات میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی روایت اس کی روانگی کا سبب اصلی ہے اور دوسری سبب مصلحتی وہ یہ طے کر ہی چکا تھا کہ اہل بیت کی تحریک سے اس کو کامیابی حاصل کرنا ہے لیکن ابن زبیر سے اس کا اظہار کر کے اس کے لئے کوذ جانا ممکن نہ تھا وہ باغی قرار دیا جاتا، اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتے اس لئے اس کے لئے مزدی تھا کہ ابن زبیر کو سبزاغ دکھا کر اس کے خیر خواہ کی حیثیت اختیار کر کے اس پر آشوب شہر میں جانے کی اجازت طلب کرنا، وہاں پہنچ کر اس نے اہل بیت کے انتقام و خلافت کی تحریک سے کوذ پر قبضہ کیا اور ابن زبیر کے گور زمرا بن مطیع کو نکال دیا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، اب اس کی پاسی یہ قرار پائی کہ جب تک ممکن ہو سکے، جب تک اس کی وفاداری اہل بیت اور شعیبوں کی نظر میں

۱۵/۶ انساب الاشراف میں یہ دونوں روایتیں الگ الگ جگہ مذکور ہیں

مشتبہ نہ ہودہ ابن زبیر کا دق دار، دوست یا کم از کم ماسخت بنارہے گا، بنو امیہ اور آل زبیر کے مقابلہ میں وہ آخر الذکر کو دینی و خاندانی اعتبار سے شاید قابل ترجیح سمجھتا تھا اور شیعوں اور اہل بیت کی دشمنی کا مرکز بھی بنو امیہ تھے اس لئے ابن زبیر کی دوستی سے وہ اپنی ساری قوت بنو امیہ سے اہل بیت کی دشمنی نکالنے اور ان کی حکومت پر قبضہ کرنے پر صرف کرنا چاہتا تھا، اس کی نظر میں دشمن نمبر ایک بنو امیہ تھے۔

چنانچہ ابن مطیع کو نکالنے کے بعد اس نے متعدد خطوط ابن زبیر کو بھیجے جن میں شروع کے کئی خطوں کی صحیح ترتیب و سیاق سابق واضح نہیں ہے اور خطوط کی بجائے ان پر تلخیص خطوط کا اطلاق زیادہ بر محل ہے۔ پہلے خط کا خلاصہ یہ ہے: ”ابن مطیع نے آپ کی دق داری کر کے عبدالملک سے ساز باز شروع کر دی تھی آپ عبدالملک کے مقابلہ میں ہم کو زیادہ محبوب تھے اس لئے ہم نے اس کو نکال کر کوڈ کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔“

دوسرے خط کا مضمون یہ ہے ”آپ کو میری خیر اندیشی کا اچھی طرح علم ہے، جس غرض و شجاعت سے میں نے آپ کے دشمنوں سے جنگ کی تھی اس سے بھی آپ خوب واقف ہیں اور آپ کو وہ وعدے بھی یاد ہیں گے جن کو اس خدمت کے عوض پورا کرنے کا آپ نے ذمہ لیا تھا، پھر جب میں نے اپنا وعدہ ائمہ عہد پورا کر دیا اور اپنی ذمہ داریاں پوری کوشش سے پایہ تکمیل کو پہنچا دیں تو آپ نے بد عہدی کی اور اپنا وعدہ توڑ دیا اس کے نتیجہ میں آپ نے دیکھ لیا جو میں نے کیا تاہم اگر آپ اپنے عہد کو اب بھی پورا کر دیں تو میں آپ کی اطاعت کے لئے تیار ہوں اگر آپ میرا بھلا چاہیں گے تو میں بھی آپ کا بھلا چاہوں گا۔“

فخار کی دق داری کی آزمائش کرنے کے لئے ابن زبیر نے ایک مخدومی سردار (عمر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام) کو گورنری حیثیت سے کوڈ بھیجا، فخر کے جاسوسیوں نے جو مکہ اور مدینہ میں موجود تھے اس کا ردائی کی اس کو اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ نامزد گورنر کو سفر خرچ وغیرہ کے مہ انساب ۲۶۶/۵ پیش نظر تاریخوں میں اس خط کا جواب نہیں ملتا ہے یہ دونوں خط انساب لا شرف نے نقل کی ہیں

لئے ابن زبیر نے صرف تیس ہزار درہم منظور کئے ہیں یہ کافی پریشان کن خبر تھی، اگر گورنر کو ذمہ نفل ہو جاتا تو اس کی دقت (پوزیشن) سخت خطرہ میں پڑ جاتی، شیعوں کو ابن زبیر سے اس کی ساز باز کا علم ہو جاتا اور اہل بیت کی وفاداری کا جادو جس سے اس نے ان کو مسحور کیا تھا ٹوٹ بھوٹ جاتا اس نے اپنے والی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک چال سوچی، اپنے عزیز زائدہ بن قوام کو ستر ہزار درہم دے کر جو اس رقم سے دو گئے تھے جو ابن زبیر نے اپنے نایزہ کو سفر خرچ کے لئے دئے تھے کہا: یہ ستر ہزار لو اور کو ذ سے دو صحرا میں مکہ کو ذ کی راہ پر اس کو جا بٹرو، اپنے عقب میں پانچ سو آہن پوش سواروں کا ایک رسالہ مسافر بن سید کی کمان میں مخفی رکھو، پھر اس سے کہنا کہ یہ روپیہ جو تمہارے سفر خرچ سے دو گنا ہے قبول کر دو، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم نے سفر پر تیس ہزار خرچ کئے ہیں ہم ان کا نادان تم پر ڈالنا نہیں چاہتے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بصورتِ واپسی ابن زبیر نادان و معمول کر لیں گے، یہ لو اور لوٹ جاؤ اگر وہ مان جائے تو خیر ورنہ عقب میں چھپا ہوا رسالہ اس کو دکھا دینا اور کہنا کہ ایسے ایسے سو رسالے اس کے پیچھے ہیں، ایسا ہی کیا گیا، پہلے نامزد گورنر نے کہا میں روپیہ نہیں لے سکتا، مجھے امیر المومنین نے گورنر بنا کر بھیجا ہے اور میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا، لیکن جب زائدہ نے چھپا ہوا رسالہ بلایا تو نامزد گورنر ڈر گیا اور بولا اب تو بے شک میں معذوریوں اور میرے لئے مناسب یہی ہے کہ لوٹ جاؤں، لاؤ روپیہ۔ روپیہ لے کر اس نے نصبرہ کا راستہ لیا، ابن زبیر کو صورت دکھانے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔

۵/۲۶۶ نے دانتی کی روایت سے نقل کیا دوسرا خط اور نامزد گورنر کا قصہ طبری اور انساب دونوں میں موجود ہے دونوں کے راوی غالباً ایک ہیں طبری نے راویوں کے نام نہیں دئے انساب نے لفظ "قالوا" پر لکھا کیا ہے الفاظ روایت دونوں کے اچھے ملتے جلتے ہیں کہ اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے راوی ایک ہوں گے پہلے خط کا راوی دانتی ہے اس نے تصریح کی ہے کہ پہلے خط کو پڑھ کر ابن زبیر نے گورنر کو بھیجا تھا۔ اس کے برخلاف طبری کے راویوں کی رائے میں گورنر دوسرے خط کے بعد بھیجا گیا دونوں خطوں کے مضمون کے مقابلہ سے پہلے خط کے بعد آزمائش وفاداری کا اقدام زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے

نامزد گور زکوٰۃ فوج کرنے کے بعد مختار نے ابن زبیر کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ایک نئی چال سوچی جو بلی کے پنجہ کی طرح بظاہر نہایت بے غمراہ لیکن باطن نہایت پر ضرر یعنی عبدالملک بن مردان کی فوجیں مدینہ کے نزدیک دادی القری کے تختستانوں میں فروکش ہو چکی تھیں اور حملہ کی تیاری میں مصروف تھیں، ابن زبیر کی فوجیں تعداد، ہتھیار اور صلاحیت کا راز کر دہائی کے اعتبار سے عبدالملک کی فوجوں سے اتنی ہی مختلف تھیں جتنے خبر حجاز زر خیز شام سے وہ ایک مضبوط سامتی کے شدید محتاج تھے مختار نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابن مردان نے حجاز پر چڑھائی کر دی ہے اگر آپ پسند کریں تو میں فوج بھیج کر آپ کی مدد کروں۔ ابن زبیر نے جواب دیا: اگر تم میرے وفادار ہو تو میں یہ ناپسند نہیں کروں گا۔ کہ تم ایک لشکر میرے ملک میں بھیج دو اور کوڈ کے لوگوں سے میری بیعت لے لو جب اس بیعت کی اطلاع مجھے ملے گی تب ہی میں تم کو سچا سمجھوں گا اور تمہارے ملک پر فوج کشی سے باز رہوں گا، تم بعد اپنا لشکر بھیجو اور اس کو ابن مردان کے مقابلہ کے لئے دادی القری جہاں وہ فروکش ہے جانے کا حکم دو، مختار نے تین ہزار بہادروں کا ایک لشکر جس میں سات سو عربوں کے علاوہ سب مولیٰ اور غلام تھے اپنے ایک وفادار سہدائی سردار (شہر صیل بن ورس) کی قیادت میں دادی القری کی بجائے سمت مدینہ روانہ کیا اور اس سے کہا کہ مدینہ پہنچ کر مجھے مطلع کرنا اور میرے احکامات کے منتظر رہنا، اسکیم یہ تھی کہ جب مدینہ پر قبضہ ہو جائے تو کوڈ سے مزید فوج کے ساتھ مدینہ کا ایک گور زکوٰۃ بھیجے گا اور ابن زبیر کو حاصرہ کرنے کو روانہ کر دے گا اور حجاز پر تائبین ہو کر شام کے غنیمت کا مقابلہ کرے گا ابن زبیر نے کوڈ کا وہیہ جیسے سیاسی دانانے لوٹری کا لقب دیا تھا کتب دھوکے میں آنے والے تھے، وہ تھا کی چالباز ہیں سے خوب واقف تھے اور اس کی اسکیم کو مار گئے تھے، انھوں نے مکہ سے عباس بن سہل کی کمان میں دو ہزار فوج مدینہ روانہ کی اور حکم دیا کہ راستہ میں جو عرب قبیلے ملیں ان کو جنگ میں شرکت کے لئے بلا لے۔ سپہ سالار کو ہدایت تھی کہ اگر مختار کی فوج اس کے احکامات

۲۶ مہری ۱۴۴۱ م بمطابق ۱۹۸۰ء میں اس سے بہت مختلف واقعہ بیان کیا ہے۔ - رغبۃ الامل، ۲۶

بھاگے تو خیر نہ کسی چال کے ذریعہ اس کو تباہ کر دے ابن زبیر کی فوج فختار کی فوج سے رفیم میں ایک چشمہ ہے ٹی عباس بن سہل نے ابن درس سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا کہ ”دشمن دلدلی اور فکری میں حملہ کی تیاری کر رہا ہے میرے ساتھ چل کر اس کا مقابلہ کرو جیسا کہ ابن زبیر نے ہدایت کی ہے ابن درس نے کہا مجھے مدینہ جانے کا حکم ہے یہاں پہنچ کر اپنے حاکم کو لکھوں گا اور ان کے حکم کے مطابق عمل کروں گا“ ابن سہل اس صاحب گذشتہ کا کمانڈر کا باطن باگیا، اس نے کہا بہت خوب آپ جیسا مناسب سمجھیں کیجئے“ پھر اس نے ایک تباہ کن چال چلی، کچھ تختے اٹا اور بکریاں ابن درس کو تختے میں بھینیں اور یگانگت کا اظہار کیا، ابن درس کا لشکر خوراک کی قلت کی وجہ سے بھوکوں مر رہا تھا، بکریاں اور اٹا پا کر فوجی بہت خوش ہوئے اور ہتھیار اُتار کر بکریاں ذبح کرنے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے، ان کی عسکری تنظیم باقی نہ رہی اس وقت ابن سہل کے ایک ہزار بہادروں نے اچانک حملہ کر دیا ابن درس کے غیر مسلح سپاہی بھٹی بکریوں کی طرح بھاگ پڑے اور کاٹ دئے گئے، ابن درس مارا گیا۔ مرنے سے پہلے وہ اپنے آدمیوں کو لکار کر کہتا تھا کہ اے خدائی فوجدارو آؤ ادھر آؤ میرے پاس آؤ، ان ناحق لڑنے والوں اور شیطان کے دوستوں کو قتل کر دے شک تم ہدایت پر مہیوے غدار ہیں نافرمان ہیں جو بچے ان میں سے اکثر بھوک پیاس سے راست میں مر گئے، معدودے چند تباہی کی خبر دینے کو ذہینچے، اس کا مختار پر جو اثر ہوا اور جس طرح اس نے اس کو ایک اول درجہ کی ڈپلومیٹک کامیابی میں بدلنے کی تدبیر کی ہم ابن الخفیف سے اس کے تعلقات کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

فختار نے ابن زبیر کی تالیف قلب اور اس کی ممکن سزا سے بچنے کی ایک چوہنشی کو شش جو غالباً آخری کو شش تھی اور کی، وہ ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے ایک زبردست فوج بھیجنے کی تیاری میں مشغول تھا اور گو کہ وہ کھل کر ابن زبیر کے سامنے دشمن کی طرح نہ آتا تھا ابن زبیر اس کی طرف سے بدظن ہو گئے تھے اور فختار کو یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ مبادا وہ کوئی فوج اس کی سرکوبی کے لئے بھیج دیں۔ اور اس کو دو مورچوں پر لانا پڑے اس خطرہ کو وہ ابن زیاد سے نکلنے تک اپنی

ڈبلومسی سے مانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ایک خط ابن زبیر کو لکھا جس کے بعض حصے تاریخ میں زندہ رہ گئے ہیں میں نے کوڈ کو اپنا گھر بنا لیا ہے اگر آپ یہ گوارا کر لیں (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کوڈ کا حکمراں ہو گیا ہے) اور دس لاکھ درہم کی مجھے منظوری دے دیں تو میں شام پر حملہ کروں گا اور آپ کو اس درہم کی رحمت سے بچا لوں گا۔ یہ خط پڑھ کر ابن زبیر آگ بجولا ہو گئے اور چچ کر بولے ”کب تک میں نفیق کے اس جھوٹے سے مکر کرنا رہوں اور وہ مجھ سے مکر کرتا رہے گا پھر ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے

”وہ ننگے کولھوں والا ہے جس کا تعلق ثمود جیسے حقیر قبیلہ سے ہے، وہ غلام ہے اور دعویٰ کرتا

ہے کہ منور قبیلہ یقیناً سے میرا تعلق ہے“

انہوں نے ایک نہایت سخت خط افتخار کو لکھا جس میں کہا کہ میں ایک درہم کی منظوری تم

کو نہیں دے سکتا۔

اس خط کے بعد افتخار کو یقین ہو گیا کہ مصالحت سے ابن زبیر کے ساتھ نبھاؤ ممکن نہیں ہے اور مصالحتی یا ڈبلومٹیک طریقوں سے کوڈ کی حکومت ان سے لینا اتنا ہی مشکل ہے جتنا پھر سے تیل نکالنا، اس کے علاوہ اب اس کی پوزیشن بھی مضبوط ہو گئی تھی، شام کا خطرہ بڑی حد تک ختم ہو گیا تھا، اس کے سبب سالار ابن اشتر نے ابن زیاد کی ساتھ ہزار فوجوں کے ٹکڑے کر کے اس کا سر اتار لیا تھا اب اس نے یہی مناسب سمجھا کہ ڈبلومٹیک وفاداری کا نقاب اتار کر تنوار سونستے ہوئے اور آنکھیں ڈال کر ابن زبیر کے سامنے آکھڑا ہو، چنانچہ اس نے ابن زبیر کی مخالفت کا پروگنڈا بر ملا شروع کر دیا اور اپنی وفاداریاں کلیتہً اہل بیت کی طرف منتقل کر دیں۔

اس مخالفانہ پالیسی کا مشاہدہ ہم اس طرز عمل میں کر چکے ہیں جو افتخار نے ابن الحنفیہ کی حرارت زمزم کے بعد اختیار کیا۔

(باقی آئندہ)

ابن الجوزی اور تاریخ نویسی

۱۷۱

(جناب مولوی عبدالرحمن خاں صاحب)

(سابق پرنسپل عثمانیہ یونیورسٹی کالج، صدر حیدر آباد، اکیدھی)

جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی کے نام سے ڈیڑھ قرن پہلے ہر مذہب و ملت کا کم از کم شمالی ہند اور دکن کا طالب علم تقریباً اتنا ہی واقف ہوا کرتا تھا جتنا شیخ مسعودی علیہ الرحمہ کے نام سے اس لئے کہ ان کا ذکر گلستان کی ایک حکایت میں بحیثیت استاد و ماریج سماع کیا گیا ہے اور گلستان و بوستان مکتب کے ہر سچے کی درسی کتابوں میں شامل تھے۔ لیکن صرف عربی دال جانے تھے کہ ابن الجوزی کی وسعت و صحت معلومات کا عالم قرون وسطی کے عرب ماہران علوم و حکمت میں بھی شاذ و نادر تھا۔

اس بلند پایہ محقق کا نسب نامہ ابن خلکان (۱۱۲۷ھ - ۱۲۸۲ھ) نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیسیویں سلسلہ میں اس طرح پہنچایا ہے ابوالفرج ابن ابی الحسن علی ابن محمد ابن علی ابن عبید اللہ ابن عبد اللہ ابن حماد ابن احمد ابن محمد ابن حنفیہ الجوزی ابن عبد اللہ ابن القاسم ابن النذر ابن القاسم ابن محمد ابن عبد اللہ ابن عبد الرحمن ابن القاسم ابن محمد ابن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ الجوزی کا لقب شاید مشہور بندر گاہ درز خیر خط زمین الجوز سے منسوب ہے جو بحوالہ ابن خلکان حلب اور البیرا (واقع بالائی خرات) کے مابین تھا یا معروف عام پھل الجوز سے جو اس زمانہ میں واسط میں بطور درہم استعمال ہوتا تھا۔

ابن الاثیر نے تاریخ ولادت ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ھ) بمقام بغداد بتائی ہے۔ دوسرے راویوں نے دو سال قبل (۵۸۵ھ یا ۵۸۴ھ) بیان کی ہے۔ وفات بغداد ہی میں

۱۲ رمضان ۵۹۹ھ (۴ جون ۱۲۰۷ء) کو واقع ہوئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ ۸ یا ۸۰ مسیوی سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔

خود ابن الجوزی نے اپنی تصنیف لفتۃ الکبد فی نصیحة الولد میں اپنی زندگی کے حالات بیان کئے ہیں اور اپنے فرزند ابوالقاسم کو نصیحت کی ہے کہ باپ کی طرح اپنی عمر تحصیلِ علومِ حکمت میں صرف کر دے۔

ابن الجوزی کے والد بہت مقبول تھے ان کو بہترین تعلیم دلائی اور ان کی تربیت پر وہ پیشہ کیا۔ مرتے وقت بہت دولت و مالد مکان چھوڑی۔ ایک میں خود ابن الجوزی رہتے تھے دوسرا کرایہ پر دیا جاتا تھا۔ ابن الجوزی نے بعد کو ساری مترکہ جائیداد کتابوں کی خرید پر صرف کر کے دونوں مکان بھی بیچ ڈالے اور ان کا روپیہ خریدی کتب پر صرف کیا۔

۷ برس کی عمر میں انھوں نے امام احمد ابن حنبلؒ کی مسند پر تقریریں سنیں، دو برس بعد اپنے استاد ابوالاعلیٰ ابن عبداللہ ابن نصر الزاغونی کی جماعتِ درس میں شریک ہوئے (جن کی وفات محرم ۵۲۷ھ میں واقع ہوئی اور جو سنواری تاریخ کی ایک کتاب کے مصنف تھے) ۵۵۵ھ میں ۱۱۵۹ء میں عمر ابن عبدالواحد۔ درس حاصل کئے۔ ان استادوں سے ابن الجوزی غلطی کم سنی میں دینیات اور دیگر علوم کی بہترین تعلیم پائی۔ اپنی ذاتی فصاحت کی وجہ سے اس وقت کے چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہونے لگا بیسویں سال کی عمر میں ان کی فصاحت اور خوش بیانی کا دور دورہ تک چرچا ہوا کرتا تھا۔ خلفاء بغداد، شہزادگان عالی تبار اور وزیر ابن عباس ان کی تقاریر سننے آتے تھے۔ بعض اوقات ان کے سامعین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی، استےڑے مجمع کے لئے مسجد کا صحن یا مکان کیا کافی ہو سکتا تھا بغداد کی شاہراہوں اور میدانوں میں لوگوں کو جمع ہونا پڑتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جب وہ تقریر کرتے تو وہاں بھی شہر کے سید ان میں سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع میں اکثر مباحثے ہو کرتے تھے۔ دونوں فرقوں کے لوگ (سواء ابن خلکان) ابن الجوزی کے فیصلے پر آمادہ

ہو جاتے تھے۔ اپنی تصنیف کتاب انصاف والمذکرین اور قبل ازیں محولہ کتاب میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد مسلمان ان کے اثر سے متقی بن گئے اور مس ہزار مرتبہ شدہ پھر سے دین کی طرف لوٹ آئے۔ اسکی نے ان کی گرانقدر تصنیفات کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ابن الجوزی حنبلی مذہب کے پیرو تھے احادیث کی تحقیق میں بہت محنت کرتے تھے حتیٰ کہ امام غزالی کی احیاء العلوم الدین کی بعض حدیثوں کو ضعیف روایت پر مبنی بتایا۔ ان کی ایک کتاب الموضوعات بھی تیار کی آگے چل کر اسی قدر ملندہ یا یہ کہے ایک دوسرے مشہور عالم عبد الرحمن ابن ابوبکر السیوطی وفات ۷۹۸ھ (۱۳۹۷ء) نے النقط البدیات لکھ کر ابن الجوزی کے ترک کردہ احادیث کو صحیح ثابت کیا۔

اس طرح ابن الجوزی نے عبد المنیث ابن زہیر الحری کی کتاب فی فضائل زید پر بھی اعتراضات کئے۔ گوئذ زہیر (رحمہ اللہ) لکھتا ہے کہ ابن الجوزی حنبلی عقیدہ کی تائید میں تعصب سے طرفداری کرتے تھے۔ اسی تعصب میں انھوں نے عبد الکریم السمعانی مصنف کتاب الانساب (تاریخ وفات ۵۶۲ھ ۱۱۶۷ء) پر اعتراضات کئے ابن الاثیر نے بھی ان کے حنبلی عقیدہ کی بیجا طرفداری کی شکایت کی ہے۔ حنبلی عقیدہ کی خوبیوں سے متعلق انھوں نے البازی الاشہب تصنیف کی۔

اپنی کتاب جامع السانید والاعقاب میں صرف امام احمد ابن حنبل، امام البخاری، مسلم اور الترمذی کو معتبر مانا ہے۔ السنائی اور ابن ماجہ کے پیش کردہ اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ اکثر مصنفین کو ان کی راہوں سے اختلاف تھا۔

تقریر میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ ان کی تصنیفات کی کثرت کی وجہ سے بھی دنیا نے اسلام میں ان کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ زبان عربی میں کثیر المتعدد کتب لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن اس خصوص میں السیوطی ہی کو ان کی برابری کا درجہ نصیب ہوا۔ خود ابن الجوزی نے

اپنی کتابوں کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ برکلمین (Broekalman) اپنی تصنیف *Geschichte der arabischen Literatur* میں ان ۸۱ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ بہت سی کتابیں یقیناً دس ستر و زمانہ سے تلف ہو گئی ہوں گی اسے وسیع پیمانہ پر جو کام ہوا زیادہ تر تالیفات ہی کی حیثیت کا ہو سکتا تھا کیونکہ انسانی معلومات کا کوئی شعبہ اس فہرست سے مراد تھا لسانیات تاریخ، سیرت، دینیات (حدیث، تفسیر، فقہ، لغت، صرف، وعظ و نصیحت، طب، جغرافیہ وغیرہ اس میں شامل تھے۔

لیکن ان کی شہرت زیادہ تر کتب تاریخ علی الخصوص کتاب المتظم ولفظ المتظم فی اخبار الامم پر مبنی ہے۔ برکلمین نے ابن الجوزی کی تصنیف *المتکبیر* تاریخ کا بھی ذکر کیا ہے۔

الذہب المسبوک فی سیر الملوک، شد و سقوط فی تاریخ المسود (سیر الخلفاء) میں یحییٰ اور فرشتوں کا ذکر ہے، عجائب الابرار و تاریخ عجیب القصور کا مجموعہ (تلقبہ فیہم اہل الآثار فی مختصر السیر و الاخبار اور عام سیر پر صفت الصفوہ) ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء کا خلاصہ، کتاب فی اخبار الاولیاء الذین قوت فطنہم و تنقذ زکاتہم بقوت جوہریت عقولہم، کتاب الحکماء و المفضلین، کتاب قصص و المذکرین۔

کتاب المتظم | سنواری ترتیب میں تاریخ عالم پر لکھی گئی ہے جس میں ابتداء عالم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک اور پھر خلیفہ بنی عباس المستضیٰ کے عہد تک کے واقعات شامل ہیں۔ گویا مصنف کی وفات سے کچھ ہی وقت پہلے کتاب اختتام کو پہنچی۔ ابتداء اس کی ۱۲ جلدیں تھیں بعد کے نقل نویسوں نے اس کو قبل اسلامی اور بعد اسلامی حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کتاب کے متعدد نقلی نسخے ممالک مشرق و مغرب کے کتب خانوں میں موجود ہیں (مثلاً: یاصوفیہ، دمشق، برٹش میوزیم، کتب بودھستانی، پیرس، کیو برٹلی زادہ، آسٹریائی، قاہرہ، لائپٹن وغیرہ میں۔ مہربان اس کے کئی خلاصے بھی ہیں۔

کتاب المتظم کا موضوع دراصل نوعیت | اس کتاب میں قدیم طریقہ تاریخ نویسی کے بموجب سنواری واقعات

بیان کئے گئے ہیں۔ حدیث کی کتابوں کی طرح راویوں کے اسناد پیش کئے گئے ہیں یہی طریقہ الطبری نے اخبار الرسل والملوک کے لکھنے میں اختیار کیا تھا۔ بعد کو آنے والے مورخوں (مثلاً عزالدین ابن الاثیرؒ) نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا تھا۔

اہم اسلامی واقعات ابن الجوزی کی تصنیف میں الطبری کی تصنیف سے زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ علی الخصوص قرامطہ کے حالات اور بوہیہ سلاطین کی تاریخ جو ۳۲۲ھ سے شروع کر کے انکال فی تاریخ مصنف ابن الاثیر سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں خلفاء اسلام کے سوانح حیات بھی زیادہ تحقیق اور صراحت سے بیان کئے گئے ہیں خلیفہ کی تخت نشینی کے واقعات۔ اس کا نسب نامہ، حلیہ وغیرہ بھی بتایا گیا ہے۔ ایسے ممتاز مصنفوں کے حالات بھی مضبوط پرکھئے گئے ہیں۔ جن کی تصانیف دستبروز زمانہ سے قفط ہو گئیں اور جن کا پتہ الطبری اور ابن الاثیر کی تاریخوں میں نہیں چلتا۔ خاص سیاسی معلومات کے لئے الطبری کی تاریخ (جس میں ۳۵۷ھ تک کے واقعات درج ہیں) ابن الجوزی کے کتاب المنتظم سے زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح بدر کے زمانہ کے لئے ابن الاثیر کی انکال فی تاریخ بھی زیادہ مفید ہے۔

۳۵۷ھ کے واقعات کے ساتھ ابن الجوزی نے قرامطہ ان کے عقائد اور تاریخی حالات بیان کئے ہیں جو الطبری سے مختلف اور زیادہ قابل اعتماد ہیں اسی طرح بوہیہ سلاطین کے حالات ۳۲۲ھ کے آخر تک بڑی صراحت کے ساتھ بیان کی گئے ہیں۔

ابن الجوزی کی کتاب میں اس امر کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ موسمی تغیرات عجیب و غریب طبعی واقعات اور مناظر سادی کا مصدقہ بیان قارئین کے سامنے پیش کیا جائے کہ جلد و زرات کی طغیانیاں، تند طوفانوں، بارشوں، دباؤں زلزلوں، دمدار تاروں، شہاب ثاقب کی بوجھاڑوں اور غیر معمولی شدید نسائے عقروں کی تفصیل بعض اوقات سیاسی واقعات سے بھی بڑھ کر لکھی گئی ہے۔ بغداد کے باشندے کی حیثیت سے شہر بغداد اور بصرہ کے حالات بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں نئی مساجد کی تعمیر سرکاری وغیرہ سرکاری عمارات

کی ترمیم بغداد بصرہ اور دیگر بلاد اسلام کے انتظامی معاملات حج بیت اللہ کے قافلہ سالاروں، عاملوں، قاضیوں، والیوں وغیرہ کے نام اور امتیازی حالات بھی ظاہر کئے گئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ مکہ مدینہ اور دمشق کے اعیان کا بھی ذکر شامل ہے۔

۵۷۰ھ کے سیاسی کوائف میں بیان کیا گیا ہے کہ عبد الملک بن مروان بنی اموی خلیفہ پہلا حکمران تھا جس نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اس سے پہلے خاص اسلامی کوئی سکہ نہیں تھا۔ سنواری واقعات میں سال زیر بحث میں انتقال کرنے والے خلفاء امراء و علماء کے سوانح حیات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے نام اسجد واری فہرست میں ترتیب دئے گئے ہیں۔ نام کے ساتھ کمینت اور لقب بھی شامل ہیں۔ ہر بیان مکمل اسناد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تقریباً ہر صورت میں (ابو منصور عبد الرحمن ابن محمد القزاز یا ابو الفضل محمد ابن ناصر الحافظ التلسمی کے حوالے درج ہیں چونکہ ان مشہور محدثین کی تصنیفات و تالیفات مفقود ہو گئی ہیں ابن الجوزی کی کتاب میں ان کے حوالے بڑی اہمیت رکھتے ہیں ابن الجوزی نے مشاہیر اسلام کے سوانح حیات بڑی تحقیق اور تفصیل سے لکھے ہیں ان کے وفات کی صحیح تاریخ مشخص کرنے میں بھی بڑی کوشش کی گئی ہے اگرچہ ابو الفرج الاصفہانی (قریب ۵۹۷ھ - ۶۲۶ھ) کی کتاب الاغانی یا السمعی کی کتاب الانساب اور شمس الدین احمد ابن محمد ابن خلکان (۶۲۱ھ - ۶۸۱ھ) کی وفیات الاعیان و ابناء ابناء الزمان سیرت کی مشہور مستند کتابیں ہیں ابن الجوزی کی کتاب المنتظم میں جو مواد اس قسم کا فراہم کیا گیا ہے بعض مستشرقین کی رائے میں مذکورہ بالا کتب پر بھی سبقت لے جاتا ہے اس لحاظ سے کتاب المنتظم کی باضابطہ ادارت بہت ضروری ہے اور وہ بہت مفید ثابت ہوگی اسی وجہ سے زمانہ مابعد کے مصنفین نے مثلاً سبط البوشامہ وغیرہ ابن الجوزی کی بڑی مدح سراہی کی ہے

کتاب المنتظم کے ذرائع معلومات | ظاہر ہے کہ ایسی جامع کتاب لکھنے کے لئے ابن الجوزی کو بہت سے ماہرین تاریخ کی تحریرات کا غائر مطالعہ کرنا پڑا ہوگا الطبری یا ابن الاثیر کی طرح وہ صرف اپنے ذریعہ

معلومات کا نام دینا ہی کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ مکمل اسناد پیش کیا کرتے تھے اس زمانہ کے شہر بغداد کے ممتاز علم سے ان کو اچھی واقفیت تھی اور وہ ان کی تصانیف کا غائر مطالعہ کرتے تھے ان میں سب سے زیادہ سربراہ اور وہ ابو منصور عبد الرحمن ابن محمد الفزاز تھے۔ الطبری کے بعد الفزاز ہی کی معلومات سے انھوں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔ انسوس کہ ایسے بلند پایہ عالم کا ذکر صرف الذہبی کی کتاب (سنواری تاریخ) کے خلاصہ منتقی العبر میں پایا جاتا ہے جس کا لکھنے والا ابو بکر ابن احمد ابن قاضی شہیدہ تاریخ وفات ۳۸۱ھ ہے اور جن میں بیان کیا گیا ہے کہ الفزاز کی وفات ۳۵۲ھ (م ۳۱۲ھ) میں واقع ہوئی اور وہ الخطیب بغدادی کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے۔ الفزاز کے بعد ابن الجوزی ابو الفضل محمد ابن ناصر الحافظ السلاوی کا حوالہ دیتے ہیں جو محدث العراق کے لقب سے مشہور تھے اور سجاد الذہبی ۳۵۵ھ م ۳۱۵ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد تیسرے درجہ میں ابو القاسم اسماعیل ابن احمد ابن اسمرقندی کے حوالے دئے گئے ہیں جو ابن الجوزی کے ہم عصر تھے اور الذہبی کے بیان کے بموجب ۳۳۶ھ (م ۳۱۲ھ) میں انتقال کر گئے وہ بھی الخطیب بغدادی کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے۔

الخطیب البغدادی کا جن کے یہ نامور شاگرد تھے پورا نام ابو بکر احمد ابن علی ابن ثابت تھا۔ ان کی وفات کی تاریخ ۳۸۵ھ مطابق ۳۸۵ھ بتائی گئی ہے۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں خطیب البغدادی سے بھی کئی روایتیں منقول کی ہیں۔ مشاہیر بغداد کی وفات سے متعلق ابن الجوزی نے جو واقعات بیان کئے ہیں ظن غالب ہے کہ الخطیب البغدادی کی تاریخ بغداد سے اخذ کئے گئے ہیں۔

ابن الجوزی کا نواسا جو سبط ابن الجوزی کے لقب سے دنیائے علم میں مشہور ہے ایک ترک کا ترکہ تھا تاریخ ولادت ۳۸۵ھ اور وفات ۴۲۵ھ ہے۔ بغداد میں پیدا ہوا ابن الاثیر کا ہم عصر تھا۔ اپنے نانا کے نقش قدم پر اس نے کئی کتابیں لکھیں جن میں امرأة الزمان فی تاریخ کا سب سے

الایام از ابتدا سے تا ۱۹۲۵ء بہت مشہور ہے۔ اہل مغرب بھی اس سے بخوبی واقف ہیں۔
 راقم الحروف کو نرون وسطی کے مظاہر فلکی کی تحقیق میں پروفیسر ڈی۔ الین مارگوئیو پروفیسر
 عربی جامد آکسفورڈ سے ایک عرصہ تک مراسلت اور تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ چونکہ کتاب
 المنتظم میں سیاسی و عام تاریخی واقعات کے تذکروں کے ساتھ ان مظاہر کا بھی اکثر جگہ ذکر
 آیا ہے اور پروفیسر مارگوئیو پروفیسر کے ایک شریک ریسرچ ڈاکٹر جوزف سوموگنی
 (Joseph Somogyi) ساکن بڈاپسٹ (Budapest) نے
 ابن الجوزی کی کتاب المنتظم پر ایک رسالہ جنرل آف دی رائل ایشیائی سوسائٹی جنوری
 ۱۹۲۲ء میں شائع کیا تھا پروفیسر موصوف نے اس رسالہ کی ایک کاپی میرے پاس تحفہ
 روانہ کی، مگر صرف بالامواد زیادہ اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سوموگنی صاحب عرب مورخین کو ایرانی داستان نرسیوں کا شاگرد بنا کر ہند
 میں لکھتے ہیں کہ عرب تاریخ نویسی سنواری واقعہ نگاری تک ہی محدود رہی اور ان کی کوشش
 زیادہ تر اسناد کی فراہمی اور تحقیق میں صرف ہوتی رہی۔ ممالک مغرب کے اکثر مستشرقین
 کی بھی یہی رائے ہے۔ افسوس کہ مسلم مورخین کی صداقت بیان اور محققانہ تلاش کی بہت کم
 لوگوں نے داد دی۔ مسلم ثقافت کے آخری دور میں مہند پایہ مسلم باہران علم و حکمت کا فقدان اس
 کمی کو پورا نہ کر سکا۔ زمانہ حال کے ممالک مغرب کے مستشرقین اب قرون وسطی کے مسلم علماء کی
 قدر پہچانتے گئے ہیں۔ پرنسٹن (Princeton) یونیورسٹی کے پروفیسر سامی ادب فلپ کے بیٹی
 (Philip K-Hitti) اور ہنٹن اوڈن ہندس کے ایڈیٹر ڈاکٹر جارج سارٹان
 Samson وغیرہ مسلم محققین کے علمی خدمات کے نہ صرف معترف بلکہ مشکور بھی ہیں۔ مسلم مورخین کی
 سب سے بڑی خصوصیت جمہوریت کی طرف کم لوگوں نے توجہ کی ہے ان کی راست گوئی ہے اچھی بات ہو
 کہ بری انھوں نے عموماً بلا کم و کاست بیان کر دی ان کا مطلع نظر بہتہ صداقت رہا۔ بائیس کی خاطر
 انھوں نے واقعات کا رنگ بدل کر کبھی پیش نہیں کیا یہ ایسی خوبیاں ہیں کہ ”مہذب“ دنیا کو ابھی ان
 سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔

امیرالامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱)

واقعات زندگی پر تبصرہ | تاریخ زوال سلطنت مغلیہ مولفہ انج جے لکھن میں تحریر ہے کہ ۱۷۶۱ء میں ابدالی کابل کو واپس گیا اپنے واپسی کے وقت یہ انتظام کرنا گیا کہ مرزا جواں سبخت کو امور سلطنت برائے نام سپرد کئے اور تمام نگرانی و انتظام سلطنت نجیب الدولہ کے ہاتھ میں چھوڑا اس سے بہتر اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ مرزا جواں سبخت ہوشیار اور نیک آدمی تھا اور امیرالامراء نجیب الدولہ ایک ایسا شخص تھا کہ دانا ئی اور ایمان داری میں اپنا نظیر نہیں رکھنا تھا دوندے خان اپنے پرانے ساتھی و رفیق کی ہمیشہ مدد کی اور عمدہ اس سے برتاؤ کیا لیا ہی طرز عمل شجاع الدولہ کے ساتھ اس کا تھا۔

اور ملہاراؤ ملہر کو بھی راضی رکھنا پڑا اس قدر اس کا مطیع تھا کہ اس نے اپنے ملک والوں کی طرف فدا رسی چھوڑ کر پانی پت کی بربادی سے اس کو بچا لے گیا۔

امور سلطنت | نجیب الدولہ نے امور سلطنت کو نہایت قابلیت اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا مرہٹوں کو دو آبے سے نکال دیا اور اگرہ میں صرف جاٹوں کا ایک قلعہ باقی رہ گیا۔

نجیب الدولہ کے آٹھ برس کے زمانہ حکومت میں مرہٹے ہندوستان میں نظر نہ پڑتے تھے البتہ خفیف بھڑ میں رہیں۔

نجیب الدولہ مرہٹوں کے آخر تارے کے تصفیہ میں مشغول تھا کہ اس کو موت آگئی
ہم پر فرض ہے کہ اس شخص نیک بنا دایمان دار کی نسبت اپنی رائے لکھیں اور جو کچھ
ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اس سے اس شخص کی لیاقت اور جرأت ظاہر ہوتی ہے۔ سلطنت
کے واسطے اچھا ہونا کہ اگر اس کے اولاد میں اس کی سی قابلیت ہوتی۔ نجیب الدولہ کی کاروائی
اور طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے اعلیٰ درجہ کا شخص امرائے ہندوستان میں تھا۔

وفات | نجیب الدولہ مرض مزمن میں عرصہ سے مبتلا تھے مرض نے شدت پکڑی تبدیلی آب
ہوا کے لئے علاقہ نجیب گدھ جا کے سکونت اختیار کی غرض سے ایک عرصہ تک بیمار رہ کر
۲۴ ستمبر ۱۸۵۰ء ہاچر کے مقام پر وفات پائی۔

”ناظم ملک بقا“ ان کی تاریخ وفات ہے

لہ باغی

زمیں را شیوہ شیون بپاشد ملک را گریہ دندان نمانشد

بدان قدوسیاں داوداں رزمز نجیب الدولہ واصل باخدا شد

نواب سید علی محمد خاں بہادر

نواب سید علی محمد خاں بہادر سردار داؤد خاں کے نسیب متقی رام پور ریاست کے بانی
مبانی۔ سردار داؤد خاں کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی تمام سرداروں نے
ان کی سرداری کو قبول کیا اور نواب دو ندے خاں نے نواب عظمت اللہ حاکم مراد آباد سے
داؤد خاں کی جائیداد پر ان کو وراثت دلوادیا۔

نواب علی محمد خاں ایک اقبال مند شخص تھے دو ندے خاں جیسے دلیر، جری اور مدبر
کی سب ساداری میں بہت جلد ترقی کی مقبوضات میں اضافہ کیا پر گنہ منو خدا اور آنولہ قابل ذکر
ہیں آنولہ کی فتح سے روہیلوں کی طاقت اور نفوذ میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا نوابی ٹھاٹھ
جم گئے اور ایک وکیل کو مدنی بیچ کر وزیر الممالک قوالدین خاں سے براہ راست آنولہ کی سند

حکومت بھی حاصل کی۔

دربار شاہی میں رسوخ کا ذریعہ یہ ہاتھ لگا کہ ان ایام میں افواج شاہی نے جانتے میں
سادات ہارسہ پر چڑھائی کی اس میں یہ شریک رہے بعد فتح روہیلہ سردار علی محمد خاں کو اس
کے صلہ میں زر مال گزاری سالانہ میں کسی قدر کی خطاب نوابی اور نوبت و علم وغیرہ عطا ہوئے
دوندے خاں نے نواب کے عروج کی اس منزل پر اپنے حقیقی چچا زاد بھائی حافظ
رحمت خاں کو نواب سے دعوت دلوائی یہ بدر اور عالی دماغ فرد تھے۔ یہ شاہ عالم خاں
کے خلف الرشید تھے ہندوستان آئے اور نواب کے یہاں رفاقت اختیار کی ان کی وجہ سے
روہیلوں کا مستقبل روشن نظر آنے لگا۔ ان روہیلہ سرداروں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے
محمد شاہ خوف زدہ ہوا اور ایرانی اہلکار کے کہنے سے ^{۱۷۷۳ء} میں راجہ ہرنند کھتری کو کبھیر
کے منظام اور روہیلوں کی تادیب کے لئے مقرر کیا راجہ ہرنند پچاس ہزار فوج اور بڑے
ساز و سامان سے براہ سہیل مراد آباد میں داخل ہوا۔ دریائے اراں کے کنارے بمیں
ہزار روہیلہ فوج مقابلہ کو تیار ہو گئی ہراول سردار حافظ رحمت خاں اور مینہ کے سردار
دوندے خاں تھے گھمسان کی لڑائی ہوئی جنگ کا خاتمہ ہرنند اور اس کے لڑکے موتی مل
کے قتل پر ہوا۔

(باقی آئندہ)

ایک ضروری تصحیح

مولوی نجم الدین صاحب نہیں مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی۔ برہان بابہ گشت
سلسلہ میں مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں چند ہزوری باتیں ”کے عنوان سے جو سوال نامہ
شائع ہوا ہے وہ مولوی نجم الدین صاحب صلاحی کا نہیں بلکہ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی
رفیق دار المصنفین کا ہے، ناظرین تصحیح کر لیں۔

مشرق و مغرب کی باہم آویزی

۱۸

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

مشرق اور مغرب کے مابین کچھ مدت سے جو سرد و تصادم، اعصابی جنگ یا پھر یوں کہتے کہ جو اختلاف رائے برپا ہے اس میں تخفیف رونما ہونے کی بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس مسئلہ کا تاریک ترین اور امنسوس ناک پہلو یہ ہے کہ کرہ ارض کے ان دو حصوں کے تعلقات کو کشیدہ تر بنانے کا براہ راست یا بالواسطہ موجب و اولیٰ ثابت ہو رہا ہے جسے بین الاقوامی تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنانے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ کرہ ارض کے مذکورہ بالا حصوں کے تعلقات کی کشیدگی کی تاریخ اور ادارہ اقوام متحدہ کے

قیام کے روزِ اول ہی سے اس پر اقتدار یافتہ اقوام و ممالک کے ان مفہموں کی داستان جو اس ادارہ امن و عافیت اور صلح و آشتی کے نام پر کمزور اور خصوصاً مشرق کی کمزور اقوام کو اقتصادی، معاشی اور سیاسی طور پر محکوم رکھنے کے لئے بنائے جاتے رہے ہیں بہت زیادہ طویل اور پیچیدہ ہے لیکن ماضی کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی اگر صرف گزشتہ ماہ کے واقعات ہی کو سامنے رکھا جائے تو دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں اور وہ یہ کہ اول تو مغرب، مشرق کے متعلق اپنی قدیم حکمت عملی پر قائم ہے اور اب اس سے ادارہ اقوام متحدہ کے نام پر یا پھر اس کی زیر حمایت کامیاب بنانا چاہتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ مشرق اب مغرب کے حاکمانہ اور مستعمرانہ اقتدار کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور جاپان سے لے کر مصر تک جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ انہیں دو مختلف نظریات اور اقدامات کے منظر میں۔

جاپان کا معاہدہ | مثال کے طور پر جاپان کے ساتھ معاہدہ صلح کے مسئلہ پر خود فرمائیے۔ دوسری

عالم گیر جنگ سے کچھ مدت قبل یہ ملک مشرق میں شہنشاہیت نامنطائیت کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور جنگ کے زمانہ میں اس نے بھی ناشی جرمنی کی طرح مشرق میں اپنی عسکری قوت کا مظاہر کیا تھا اور اسی لئے جنگ کے بعد سے اس وقت تک اس پر برائے نام اتحادی افواج لیکن درحقیقت امریکی سرمایہ دار منط میں لیکن اب جاپان کے ساتھ معاہدہ صلح کی تکمیل کے لئے سان فرانسسکو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اور اگرچہ ابھی تک شرائط معاہدہ شائع نہیں کی گئیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعہ سے امریکہ جاپان میں اپنی فوجوں کو مقیم رکھ سکے گا۔ ارض جاپان اور اس کے گرد و نواح میں امریکہ کو بعض اہم عسکری اور فضائی مستقر حاصل ہو جائیں گے۔ امریکہ کے صنعتی سرمایہ داروں کے لئے جاپان میں داخلہ کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور امریکہ کی امداد سے جاپان پھر جارحانہ عسکریت کی راہ پر چلنے لگے گا۔

ہندوستان اور برمانے سان فرانسسکو کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا ہے چین کی عوامی جمہوریہ کو اس اجتماع میں شرکت کی دعوت ہی نہیں دی گئی۔ ویٹ کی نمائندگی کا حق فرانس کو دے دیا گیا ہے اور کوریا کے موجودہ حالات میں اس امر کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ امریکہ کے علاوہ کانفرنس میں کوئی اور اس کی نمائندگی کر سکے گا۔ اس طرح ایشیا کے ایک اہم ملک کے ساتھ معاہدہ صلح کی تکمیل کے لئے جو کانفرنس ہو رہی ہے وہ ایشیائی آبادی کی اکثریت کی نمائندگی سے محروم ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جس معاہدہ کی تکمیل کی جائے گی اسے نہ تو ایشیائی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوگی اور نہ وہ جاپان کے ہمسایہ ممالک نیز خود جاپان کے مفاد کے تحفظ کے اصول پر مبنی ہوگا اور اگر جنگ عظیم ثانی کے بعد ایشیا کے معدودے چند ممالک مغربی مستعمرین کی گرفت سے رسمی یا واقعی طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ تو اس معاہدہ کی بدولت ایشیا کا ایک اہم اور عسکری اہمیت کا حامل ملک امریکہ کا محکوم بھی ہو جائے گا۔

کو بیامیں مذاکرات مصالحت | پھر گزشتہ ماہ کے ایک اور مذاق پر غور فرمائیے۔ کوریامیں گزشتہ
چودہ ماہ سے دنیا کی دو متضاد نظریات کی حامل قوتوں کے مابین جو تصادم ہو رہا ہے اگر یہ
فی الحال اس کی حیثیت مقامی ہو کر رہ گئی ہے لیکن اس کے بین الاقوامی شکل اختیار کر لینے
کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اگر کبھی یہ صورت حالات رونما ہوئی تو ظاہر ہے
کہ اس سے ایشیا کو شدید ترین مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اسی لئے
مبشر ایشیائی ممالک اس قضیہ کو مفاہمت کے ذریعہ سے طے کر دینے کے خواہشمند
ہیں۔ لیکن گزشتہ جولائی سے ادارہ اقوام متحدہ کے نام پر امریکہ اور شمالی کوریاء، نیز صی
رضا کاروں کے نمائندہ کے مابین کے سانگ میں جو مذاکرات ہو رہے ہیں انہیں صرف
اس بناء پر ختم کر دینا ایسے کہ شمالی کوریاء نے اتحادی افواج کے خلاف اس امر کی شکایت کی
تھی کہ انھوں نے کیساٹنگ کے علاقہ میں شرائط مفاہمت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اتحادی افواج
کے سپہ سالار اعظم جنرل رجوے اس شکایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے لیکن وہ تحقیقات بھی کرنا
نہیں چاہتے گو یا کہ وہ ایک شکایت کی تحقیقات کرانے سے انکار کر کے ایک ایسے بین الاقوامی
ادارہ کے نام پر جس کے قیام کا بنیادی مقصد ہی بقا اس عالم ہے ایک ایسی جنگ کو جاری رکھنا
چاہتے ہیں جو تیسری عالمگیر جنگ کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر
مستقبل قریب ہی میں کوریاء کے سرحد میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی تو پھر جاپان کے ساتھ
معاہدہ صلح کے بعد اس میں غیر متوقع شدت پیدا ہو جائے گی۔

ایران اور برطانیہ

اگرچہ ایران میں اب انگلو ایرانی آئل کمپنی، اور حکومت ایران کے مابین گزشتہ چھ ماہ
سے جو کشمکش جاری ہے وہ دراصل ایران اور برطانیہ کی براہ راست کشمکش کی حیثیت رکھتی ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کیا گیا تھا بلکہ ان میں برطانیہ اس کے پیش تر حصص کو خرید کر ۵۲
فی صدی کا ملک بن گیا تھا۔ اس کمپنی کے مختلف شعبوں میں کم و بیش ۶۵ ہزار افراد کام کر رہے

ہیں اور کہنی کا علاقہ جنوبی ایران میں عملاً ایک جدا گانہ ریاست کی حیثیت رکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ تیل برآمد کرنے کے اعتبار سے اس کہنی کو بے حد اہمیت حاصل ہے لیکن یہ اہمیت تیل برآمد کرنے ہی تک محدود نہیں بلکہ برآمد شدہ تیل کو خلج فارس اور بحیرہ روم کے مشرقی ساحل تک پہنچانے کے لئے جو پائپ لائنیں تعمیر کی گئی ہیں ان کی حفاظت کے لئے جنوبی ایران اور مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کی سیاسی کشمکش میں اس کہنی کو محوری حیثیت حاصل ہے۔

دوسری مالگیر جنگ کے بعد سے چونکہ مشرق وسطیٰ میں ایک طرف تو امریکہ کا اثر و نفوذ قری کرنا جا رہا ہے اور دوسری طرف عرب ممالک کے عوام اور شعلی ایران کے باشندے سوڈیٹ روس سے بھی متاثر ہو رہے ہیں اور انہیں وجوہ کی بنا پر اب مشرق وسطیٰ میں برطانیہ کے حاکمانہ اقتدار کو بے درجے شدید صدمات پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ ایرلن میں تیل کے چشموں کو قومی ملکیت بنانے کی جو تحریک جاری ہے اس کے پس پردہ بھی یہی عناصر کام کر رہے ہیں اور حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایران اور برطانیہ کے مابین تیل کے مسئلہ پر کوئی ایسا سمجھوتہ نہ ہو سکا جو ایران کے نقطہ نظر سے اطمینان بخش ہو تو یہ تنازعہ نہ صرف طویل ہی پکڑ جائے گا بلکہ اس کا شمار ان مسائل میں بھی ہونے لگے گا جو آج بین الاقوامی امن کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

نہر سوئزر اور برطانیہ | نہر سوئزر کے علاقہ سے برطانوی افواج کے انخلا کا معاملہ گذشتہ چند سال سے مصر اور برطانیہ کے مابین باعث اختلاف بنا ہوا ہے اور مصر اس معاہدہ کو منسوخ کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ہوا تھا لیکن یہاں اس معاہدہ کا تذکرہ مقصود نہیں بلکہ مقصد مصر اور برطانیہ کے اس نئے تنازعہ کو پیش کرنا ہے جس کے متعلق مجلس تحفظ کے اس تازہ ترین فیصلہ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ پر قابو یافتہ گردہ اسے کس طرح اپنے استعماری مقاصد کے حصول کے

نے استعمال کر رہا ہے۔

۱۹۴۷ء کے وسط میں فلسطین سے برطانوی انتداب کے ختم ہونے کے بعد جب یہودی کی ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں آیا تھا تو جن عرب ممالک نے اس ریاست پرورش کی تھی ان میں مصر بھی شامل تھا اور اس وقت سے اب تک مصر اور اسرائیل کے مابین حالت جنگ قائم ہے اور اسی لئے حکومت مصر ان تمام بحری جہازوں کی تاشی لیتی ہے جو نہر سوئز سے گذر کر اسرائیل جاتے ہیں اور چونکہ اسرائیل اور عرب ممالک بالخصوص مصر اور اسرائیل کے تعلقات ابھی تک خوش گو اور نہیں ہو سکے اور مغربی سیاست کی عیارانہ نوعیت کے پیش نظر یہ امر ناممکن نہیں کہ مغرب کے مستعین مشرق وسطیٰ میں اپنا ایک مستقل قائم رکھنے کے لئے اسرائیل کو اسلحہ ہم پہنچانے کی کوشش کریں اس لئے مصر کی مذکورہ بالا احتیاطی تدبیر کو نامناسب اور غیر معقول بھی قرار نہیں دیا جاسکتا مگر مجلس تحفظ نے ایک قرارداد منظور کر کے مصر کو اسرائیل جانے والے جہازوں کی تاشی لینے سے محذور رہنے کی ہدایت کی ہے اور مصر ہی نے نہیں بلکہ تمام عرب ممالک نے مجلس تحفظ کی اس قرارداد کو نظر انداز کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح جہاں ادارہ اقوام متحدہ کے متعلق ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت پیش نظر ہو گئی کہ اس کے تمام تر فیصلے ایک خاص زاویہ نظر کے ماتحت ہوتے ہیں اور ان میں بین الاقوامی مفاد کو نہیں بلکہ ایک خاص گروہ کے مفاد کو سامنے رکھا جاتا ہے وہیں موجودہ بین الاقوامی کشمکش میں اضافہ کا ایک اور سبب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ایران اور عرب ممالک میں جو واقعات اب نمودار ہو رہے ہیں ان میں یہ امر خصوصیت کے ساتھ باعث اطمینان ہے کہ مشرق وسطیٰ کے عوام میں بھی سیاسی شعور پیدا ہوتا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ یہی شعور بلوغت کے مرحلہ میں پہنچ کر ایشیائی نہیں بلکہ پورے مشرق کی سلاسل حکومت کو پارہ پارہ کر دینے کا موجب ثابت ہو سکے گا۔

ادبیات

پروانہ

(جناب الم مظفر نگری)

(۱)

عرشِ حیاتِ عشق کا اخترِ شعلہ گیس ہے تو
سازِ فولکے ورد پر نغمہ آتشیں ہے تو
منزلِ حسن کے قریب سالکِ جلوہ ہیں ہے تو
چشمِ جہانِ شوق میں قابلِ آنسریں ہے تو
شمع کی لو پہ دمب رم رقص یہ تیرا احوذر
ضبط و فنا کو خسر ہو کیوں نہ ترے وجود پر

(۲)

گرچہ ہے نالہِ حسریں وردِ زبانِ عندلیب
قری ہے شاخِ سرو پر صحنِ چین میں غمِ نصیب
سمتِ قمر ہے کبک کا شوقِ صعود بھی عجیب
موجِ رواں ہے مضطرب ساحلِ بحر کے قریب
تیرا یہ دھند ور قصِ غمِ شعلوں کی گود میں مگر
آپ ہی اپنا ہے جوابِ شام سے لیکے تا سحر

(۳۳)

تیرا جمال سوز ہے تاروں میں روشنی نہیں
 تیرے جنوں کا ہے سکوت پھولوں میں مٹا نہیں
 تیری وفا ہے صوفروشن تابشیں مہر کی نہیں
 تیرا مذاق درد ہے برق میں تھڑھکی نہیں
 بخود جلو ازل کیوں نہ ہو تیری ہر نظر
 مثلِ کلیم غش میں ہے شمع کے طورِ حسن پر

(۳۴)

حاصل سوز ہے اگر تیرا کمالِ زندگی
 میرا جگر بھی آشنا ذوقِ تپش سے ہے ابھی
 دادِ طلب ہے شمع سے تیرا شعورِ بخودی
 میری خودی کو ہے مگر رازِ بخت سے آگہی
 آدل کائنات کو ذوقِ الم نواز دیں
 بزم کو مثلِ شمعِ بزم حاصلِ سوز و سائیں

غزل

(جناب انور صابری)

فقاں بدوش و الم در کنار گزری ہے
 جہاں جہان نگہ بے قرار گزری ہے
 قفس نصیب ایڑوں کے سامنے سے ابھی
 محلِ محل کے نسیم بہار گزری ہے
 تری نظر نے جسے بخش دی ہے دولتِ غم
 وہ زندگی خوشی ساز گار گزری ہے
 نئی فسانہ طور و نسیم کا عنوان
 جو اک نظر ترے جلوں پہ بار گزری ہے
 تمام رات ستاروں کو نیند آنہ سکی
 سحر کے ساتھ شب انتظار گزری ہے
 وہ ایک ساعتِ رنگیں جو تیرے ساکھٹی
 بنگاہ و دل کے لئے یادگار گزری ہے
 کوئی تعلق خاطر تو ہے کہ تیری نظر
 بچا کے مجھ سے نظر بار بار گزری ہے
 مصیبتوں پہ بھی کرتے ہوئے گمانِ کرم
 حیاتِ عشق بہر امت بار گزری ہے
 وہی غزل جو نئی نگہ سے ادب انور
 بنگاہِ ناستدیر میں خار گزری ہے

غزل

(جنابے جلال علی رعنائی - اے)

اپنی ہستی کو محبت میں فنا کرتا ہوں میں
 زندگی کو زندگی سے آشنا کرتا ہوں میں
 لالہ و گل کی طرح کرتا ہوں کانٹوں کو قبول
 اس طرح طرہ راہ تسلیم و رضا کرتا ہوں میں
 انکسا شیوہ ہے کہ ہر اک پرستم کرتے ہیں
 میری فطرت ہے کہ لہر کسے فنا کرتا ہوں میں
 زندگی کی تلخیوں میں بھی ہیں کیا شیرینیاں
 مر رہا ہوں پھر بھی جینے کی عا کرتا ہوں میں
 ہے بہت نازک مزاجِ رحمت پروردگار
 کچھ کھجھر سوچ کر اکثر خطا کرتا ہوں میں
 بخش کر ذوقِ نظر، ذوقِ تصور، ذوقِ دل
 اہل عالم کو نئے جذبے عطا کرتا ہوں میں
 اللہ اللہ اضطرابِ شوقِ منزل کے فریب
 راہزن پر بھی گمانِ تنہا کرتا ہوں میں
 سینچتا ہوں خون سے اپنے چمنِ نار و وطن
 آج رعنا زندگی کا حق ادا کرتا ہوں میں

تبصرے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی | از جناب ڈاکٹر حمید اللہ سابق استاذ
کانون جامعہ عثمانیہ دکن۔ تقطیع متوسط ضخامت ۸۰ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد
پانچ روپے۔ ملنے کا پتہ :- ادارہ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

یہ کتاب دراصل ان مقالات و مضامین کا مجموعہ ہے جو فاضل مصنف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی سیاسی زندگی کے پیش نظر وقتاً فوقتاً لکھتے اور مختلف رسائل میں شائع کرانے رہے ہیں اس
طرح انھوں نے سیرت نبوی کے ایک خاص پہلو پر نظر ڈالی ہے اور حیات مقدسہ کا ایک نیا
مگر نہایت اہم اور عظیم الشان خاکہ تیار کیا ہے جو معلومات افزا بھی ہے اور بصیرت افروز بھی جس میں
روح کی تسکین کا سامان بھی ہے اور عقل و خرد کے لئے پیغامِ ہدایت بھی۔ شروع میں پس منظر کے طور
پر فاضل مصنف نے مکہ معظمہ کی جزافانی اہمیت عربوں کے طبعی خصائص۔ بعثت نبوی کے وقت
دنیا کے عام حالات۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت۔ بچپن اور جوانی کے عام واقعات
نزدیکی اور آوازِ نبوت کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد کتاب کا اصل موضوع بحث شروع ہوتا ہے
جس میں صلح حدیبیہ۔ فتح مکہ۔ اور ان کے اثرات و نتائج کا بیان ہے اور پھر آنحضرت کے مکتوبات
اور عہدِ نبوی میں عربوں کے دوسرے ممالک سے سیاسی تعلقات اس عہد کی سیاسی دستاویزات
اور بعثت نبوی کے وقت جو چند عالمگیر گتھیاں تھیں ان کا اسلامی حل۔ انسانیت کا اہم ترین چارٹر۔
یعنی خطبہٴ حجة الوداع ان سب امور و مباحث کا تذکرہ و بیان ہے اس حصہ میں مکتوبات اور خطبات
دستاویزات کا باب اس کا خاصہ ہے بہت قابلِ قدر ہے کہ اس میں فاضل مصنف نے اپنی ذاتی تحقیق و
خاص اور کاوش و تحسس سے بعض نہایت قیمتی معلومات ہم پہنچائی ہیں جن میں معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب

۲ نے یہ مقالات زیادہ تر غیر مسلموں کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش نمایاں کرنے کے لئے لکھے تھے اسی بنا پر ان کا انداز بیان بعض بعض ملک ایسا شوخ و مبیاک ہو گیا جو کسی مسلمان کے لئے مشکل سے ہی قابل برداشت ہو سکتا ہے مثلاً صفحہ ۴۴ پر ان کی یہ تحریر کہ ”یہ کہنا گستاخی کے لئے نہیں اور واقعہ کا اظہار کرنا ہے کہ آنحضرت ایک جو نیر گھڑنے کے جو نیر فرو تھے“ صفحہ ۴۵ پر اہم لوگوں حضرت خدیجہ سے متعلق یہ ریاکار کہ ”تو دل ذنم کے باوجود اعدال و عفاف کی زندگی نے وہ رعنائی باقی رکھی تھی جس کے باعث چراغ حسن کے پردوں کی کمی نہ تھی پھر اسی سلسلہ میں آنحضرت کے سراپا کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۴۷ پر یہ فقرہ ”دوسری طرف ایک بچس سالانہ جوان ہے مست شباب مگر شرمیلہ“ اس کے بعد قبل از نکاح آنحضرت اور حضرت خدیجہ کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے یہ جملہ کہ ”اور پھر وہاں دونوں کو لگی ہوئی ہے یہ اسے جانتے ہیں اور وہ اسے اور اس سے بہتر کیا جوڑ ہو سکتا ہے“ بیان میں اس بے احتیاطی کے ساتھ اس کا بھی افسوس ہے کہ لائق مصنف اگرچہ ہمارے ملک کے نامور محقق اسلامیات ہیں لیکن اس کے باوجود زیر تبصرہ کتاب میں انھوں نے بعض موضوعات پر اتنی کو بھی جگہ دے دی ہے مثلاً صفحہ ۶۲ پر کلبی کی کتاب الاصلنام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ”اسی موقع کا جنرہ کہ آنحضرت نے جاہلیت میں ایک بھوری بیٹھڑ فرمائی دی تھی“ صفحہ ۶۲ پر لکھتے ہیں ”بھو بیباں اتنی لعنہ ہو جس کہ آنحضرت بھی (روایت نامی بت کی سالانہ تقریب میں جس کو ڈاکٹر صاحب زمانہ جاہلیت کی جائز کہتے ہیں) ساتھ جانے پر آمادہ ہوئے“

اور یہ سب نو عمری اور زمانہ جاہلیت کا واقعہ ہے اور فقہائے آیت ماکنت تدری ما الکتب ولا الامیان“ علاوہ بریں پوری کتاب پڑھ جانے کے بعد دل و دماغ پر یہ اثر ضرور ہوتا ہے کہ آنحضرت غیر معمولی صوحتوں کے مالک تھے یعنی عبقری (Insanity) تھے حالانکہ آنحضرت صرف اسی قدر نہیں بلکہ سینیر برحق تھے اور غیر مسلموں کو ان کے انداز فہم کے مطابق آج کل کی فلسفیانہ زبان میں سمجھنے کے لئے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ آپ دل و دماغ کی غیر معمولی بیداری اور تکرر عمل کی حقیقت پڑھی کے اعتبار سے مافوق البشر تھے (مصرعہ مصرعہ ص ۵) تھے۔ پھر حال ان چند لکھنے والوں کے قطع نظر پوری کتاب لائق مطالعہ ہے اور اس قابل ہے کہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔
قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے جلد سات روپے آٹھ آنے میں
اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین
کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش
کیا گیا ہے جو تھو ایڈیشن قیمت پندرہ روپے
اسلام نظام مساجد قیمت پچیس روپے جلد لکھ
مسلمانوں کا عروج و زوال :-
جدید ایڈیشن۔ قیمت للہم جلد ص ۴

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ
لغبت قرآن پر ہے بمثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم
قیمت للہم جلد ص ۴
جلد ثانی قیمت للہم جلد ص ۴
جلد ثالث قیمت للہم جلد ص ۴
جلد رابع (زیر طبع)

مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف
ڈاکٹر حسن ابراہیم کی محققانہ کتاب انظم الاسلامیہ
کا ترجمہ۔ قیمت للہم جلد ص ۴
ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

جلد اول :- اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب

قیمت چار روپے للہم جلد رابع پانچ روپے
جلد ثانی :- قیمت چار روپے للہم جلد پانچ روپے

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر
محققانہ کتاب۔ قیمت ۵۰ - جلد ستہ

ترجمان السنہ جلد اول۔ ارشادات نبوی کا
بے مثل ذخیرہ۔ قیمت تین روپے جلد للہم

ترجمان السنہ جلد دوم۔ اس جلد میں چھ سو کے
قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت للہم جلد للہم

تحفۃ النظر یعنی خلاصہ سفر نامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از ترجمہ و نقشہ سفر قیمت ستہ

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامے

جلد اول۔ قیمت چار روپے جلد ص ۴

جلد دوم قیمت ستہ روپے جلد ص ۴

عرب اور اسلام :-

قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے جلد چار روپے آٹھ آنے میں

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی
محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر اچھے حل پذیر
انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا اجماع اور نزول نکتہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی
گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت پندرہ روپے جلد ستہ

چند

میں جندۃ المصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ **محسن خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادائے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محسنین** جو حضرات یکپس رہتے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معادضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ ”برہان“ بلا کسی معادضہ کے پیش کیا جائیگا۔ جو حضرات اٹھارہ روپے بیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ ۳۔ **معاونین**۔ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **اجتہاد**۔ زور دینے والے ادارے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے اجتہاد میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان (۱) برہان ہر انگریزی ہفتے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔ (۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس لٹا نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتناء نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ تا ۲۵ تاریخ کا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہو۔ (۵) قیمت سالانہ چھ روپے۔ دوسرے ملکوں سے سائے سات روپے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ۔ (۶) مئی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پڑ پبلشر نے حیدرآباد میں طبع کر اگر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتبہ
سعد احمد بک سرآبادی

ندوة المصنفین دہلی کی سیدھی تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے

مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ تاریخ ملت کا ساکسائون

مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات: ۳۰۰

قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین اوپے اٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (دری طرح)

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم

اصناف کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پندرہ روپے

غلامان اسلام انیسویں صدی سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت پندرہ روپے

اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاخلاق پر

ایک بسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ (اور مضامین کی

ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت پندرہ روپے، **جلد چہارم**

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات و

واقعات تک۔ قیمت تین روپے، **جلد دوم**

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوسف سے

حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت تین روپے

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات

کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت تین روپے

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن

جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی

کئے گئے ہیں قیمت تین روپے، **جلد دوم**

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام

کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہو اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر

بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان بکھر اہل اور گفقت

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں

لیکھا گیا ہے۔ قیمت پندرہ روپے

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ،

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان قیمت پندرہ روپے

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ،

قیمت تین روپے اٹھ آنے۔ **جلد تین** روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ،

قیمت دو روپے۔ **جلد دو** روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ، قیمت پندرہ روپے

خلافت عباسیہ (جلد دوم) تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ۔ قیمت پندرہ روپے، **جلد سوم**

جلد سبست و ہفتم بُرْہَانُ شمارہ نمبر ۴

اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|---|--|
| ۱۹۴ | سعید احمد | ۱۔ تقررات |
| ۱۹۷ | حضرت مولانا سعید مناظر احسن صاحب گیلانی | ۲۔ قدین حدیث |
| | | ۳۔ تورات کے دس احکام |
| ۲۱۳ | " " " " " " | ۴۔ قرآن کے دس احکام |
| ۲۲۷ | ڈاکٹر خورشید احمد نازق ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی | ۵۔ مختار بن ابی عبید اللہ |
| ۲۳۷ | جناب مظفر شاہ خاں صاحب ایم۔ اے | ۶۔ اقبال کا فلسفہ خودی اور فلسفہ مغرب |
| ۲۴۳ | جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی | ۷۔ امیر ہزارہا و نواب خجیب اللہ و نائب جنگ |
| ۲۴۷ | جناب اسرار احمد صاحب آزاد | ۸۔ مسلمان کھوجنے کی بات۔ ادارہ اقوام متحدہ ایدلین و منور |
| ۲۵۲ | جناب آلم مظفر بنگری | ۹۔ ادبیات |
| | جناب یحییٰ شاہ جہاں پوری۔ جناب آندھ صاحب | ۱۰۔ ادبیات |
| ۲۵۴ | (ام۔ ش) (س) | ۱۱۔ خیرے |

نَظَرْتُ

اگر ایک شخص آپ کے پاس اپنی کوئی ضرورت اور حاجت لئے کر آئے تو اس کی مدد کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ فوری طور پر اس کی ضرورت کو رفع کر دیں اس کو روپیہ کی ضرورت ہے آپ روپیہ دے دیں اسے نوکری کی جستجو ہے اسے نوکری دلا دیں اسے مکان درکار ہے آپ مکان فراہم کر دیں۔ لیکن اس کے علاوہ مدد کی ایک سری صورت بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ اس شخص کے حالات کو اس طرح تبدیل کر دیں کہ پھر آئندہ کبھی اس کو اس ضرورت سے دوچار ہونے کی فوجت ہی نہ آئے اور وہ کسی کا دست نگر ہوئے بغیر خود اپنے بل بوتہ پر اپنی زندگی بسر کر سکے مثلاً ایک روپیہ کے ضرورت مند کو آپ کسی صنعت و حرفت کی تعلیم دلا دیں کہ پھر اسے نہ روپیہ مانگنے کی حاجت ہو اور نہ نوکری کی جستجو ہو اور اگر اسے مکان نہ ملتا ہو تو وہ خود اپنا مکان بنا سکتا ہو۔ ظاہر ہے شخصی مدد کی ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت بہت زیادہ مؤثر کارگر آمد مدد کی بنیادی و افادہ صورت ہے۔

آج کل ہند میں مسلمانوں کو جو معاملات پیش آ رہے ہیں ان میں حکومت اور کانگریس اور مسلمان زعماء اور خاص طور پر جیتے ممتائے ہند کے اکابر مسلمانوں کی جو مدد کر رہے ہیں وہ زیادہ تر پہلی ہی قسم کی مدد ہے اور کوئی شہ نہیں کہ اس سلسلہ میں جمیہ علماء کی کوششوں کا جو رکارڈ قائم ہوا ہے وہ نہایت عظیم انسان اور ہر طرح لائق تحسین و آفریں ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جن کی جائدادیں کسٹوڈین کے قبضہ سے داغدار ہو گئیں، کتنے ہی مظلوم دستم رسیدہ ہیں جن کو کسی نہ کسی شکل میں ان کی ستم رسیدگی کی دلیل مل گئی۔ کتنے بے روزگار ہیں جن کو روزگار دے بے گھروں کو ان کے گھر واپس مل گئے۔ لیکن مدد کی ان سب کچھ کامیاب مشاغل کے باوجود مسلمانوں میں اب تک اپنے اوپر اور دوسروں پر اعتماد کرنے کی وہ اسپرٹ پیدا نہیں ہو سکی ہے جو ایک قوم کی فہم میں سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے۔ اب تک شعوری یا نیم شعوری طور پر مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے آبائی و اجداد کا وطن کو اپنے حقے پر دیں اور یہاں کے قریم باشندوں کو اجنبی محسوس کرنے لگا ہے اور اس کے برخلاف پڑ گیا میں اسلام کے نام سے جو اسٹیٹ بنی ہے اس کو اپنی اسٹیٹ اور اس اسٹیٹ میں رہنے والوں کو اپنے

ہی لوگ سمجھتا ہے۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جمعیتہ علماء کی باطلہ حکومت و کانگرس مسلمانوں کو ہند میں روکنے کی تمام کوششیں اپنی جگہ پر! اور پاکستان میں عام بے روزگاری، پریشاں حالی، اور کس مہر سی کی داستانیں بھی ”حرفِ نگفتہ شمار لب کو دکاں رسید“ کی مصداق، لیکن اس سب باتوں کے باوجود پاکستان کو بھاگ نکلنے کا عقی بدروازہ کسی وقت سسنان نظر نہیں آتا جس کو جب اور جس طرح موع ملتا ہے۔ جل کھڑا ہوتا ہے اور پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ اس طرح کے جلنے والوں میں کوئی شخص اگر لیڈر سم کا انسان ہوتا ہے تو اپنے خیالی دارالرحم ”میں پہنچ کر وہ ہند اور یہاں کی حکومت کی نسبت اس طرح کے بیانات شائع کرتا ہے جو خود ہند کے مسلمانوں کی پوزیشن کو مشتبہ کر دیتے اور خطرہ میں ڈالتے ہیں۔ یہ صورت حال ظاہر ہے کہ ہند کی حکومت کے لئے تو صبر آزما اور پریشانی کا باعث ہونی ہی چاہئے کیونکہ جب یہاں کے سربراہ درہ مسلمانوں کا معاملہ ہو گا کہ آج وہ حلف داری اٹھاتے ہیں اور کل پہلے ہوا تھا، سے پاکستان کی راہ لیتے ہیں آج پارلیمنٹ میں گورنمنٹ کی حمایت میں بولتے ہیں اور اس کے دوسرے ہی دن اس ملک کو خیر آباد کہہ جاتے ہیں تو گورنمنٹ کے لئے یہ مشکل ہو گا کہ وہ کس پر اعتماد کرے اور کس پر نہ کرے۔ اس طرح اقلیت کے معاملات ہمیشہ حکومت اور اس کے کارکنوں کے لئے ناقابل حل معر بنے رہیں گے اور وہ کبھی صاف دل و دماغ کے ساتھ ان معاملات پر غور نہ کر سکے گی۔ لیکن اگر پاکستان گورنمنٹ کشمیر کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے جذبات سے الگ ہو کر ٹھنڈے دل و دماغ اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو ناخاندہ ہمان کی حیثیت سے ہندی مسلمانوں کے پاکستان پہنچ جانے کی یہ صورت خوبان گورنمنٹ کے لئے بھی ناقابل برداشت ہونی چاہئے کیونکہ اہل قویوں ہی پاکستان میں ابھی لاکھوں ہاجرین پڑے ہوئے ہیں جن کی آبادکاری کا اسے بند و بست کرنا ہے یہ بڑگ وہاں پہنچ کر سوائے اس کے کہ بے گھروں اور بے ربط گاروں کی تعداد میں اضافہ کریں اور کیا کر سکتے ہیں پھر بیاہ گزینی کی زندگی (جیسا کہ ہند اور پاکستان میں اس کا تجربہ ہو رہا ہے) انسان میں غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ افحال و اعمال کی جرأت اور ان کے ازکا بہ میں بے باکی دے خونی پیدا کر دیتی ہے اس بنا پر یہ نئے ہاجرین پاکستان پہنچ کر عناصر شر و فساد کی تقویت کا سامان ہوں گے جو ایک حکومت کے لئے گوارا نہ ہونا چاہئے پاکستان گورنمنٹ کی مخالفت اچھی ہی کیا

کچھ پارٹیاں ہیں جو ان میں اور اضافہ کی اور ان کی تقویت کی ضرورت ہو جو ان سب سے زیادہ اہم اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہندی مسلمانوں کی تعداد پاکستان میں اسی طرح بڑھتی رہی تو اندیشہ ہے کہ آگے چل کر صوبائی عصبیت جواب بھی کچھ کم نہیں ہے ایک انتہائی ناگوار صورت اختیار کر جائے اور گورنمنٹ کو اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ علاوہ بریں اس کا اثر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے غیر مسلم باشندوں پر اس کے ناگوار اثرات پڑیں اور وہ اضطراب یا با اختیار خود ان نو طردوں کے لئے جگہ خالی کر دیں اگر ایسا ہو تو اس کا اثر ہند کے باقی مسلمانوں پر پڑے گا اور انجام کا یہ ہو گا کہ ہند اور پاکستان دونوں پناہ گزینوں کی مشکلات اور ان کے معاملات و مسائل کو حل کرنے میں ہی میں لگے رہیں گے اور دونوں کو کم از کم ایک نسل تک اس کا موقع نہیں ملے گا کہ ملک کے دوسرے اہم اور تعمیری کاموں کی طرف کیسوی کے ساتھ توجہ کریں، لازمی طور پر اس کا اثر یہ بھی ہو گا کہ ملک میں گورنمنٹ کی مخالفت پارٹیوں کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے پناہ گزینوں کی آڑ سے کر پناہ پر گینڈا کرنے کا موقع ملنا رہے گا اور حکومت کو کبھی عوام میں ہر دلیخیزی حاصل نہ ہو سکے گی۔

بہر حال یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے اثرات بہت دور رس ہو سکتے ہیں اور اس کا حل پیدا کرنا دونوں ہی حکومتوں کا فرض ہے لیکن میں یہ کہنے میں شک نہیں ہے کہ جو تقسیم ہند کی بنیاد مطاباً پاکستان ہے اور پاکستان کے منہی یہ ہے کہ اس کے لئے دو تھے جاتیں غیر منقسم ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے اور جب پاکستان کا قیام و وجود میں آجائے تو یہ تین تین ملتی صوبوں کے مسلمانوں کو انتہائی غیر موثر اقلیت کی شکل میں چھوڑ کر ان سے قطع تعلق کر لیا جائے اس بنا پر پاکستان گورنمنٹ کا وہاں کے لوگوں کا اور وہاں کے اجازات و جزائے کا یہ ادھن فرض ہے کہ وہ ہند گورنمنٹ کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ ہند گورنمنٹ اگر اس راہ میں پاکستان کی طرف ایک بانٹ بڑھے تو پاکستان کو دو بانٹ بڑھنا چاہئے۔ پاکستان کی اقلیت کے ساتھ صرف مسافرانہ نہیں بلکہ فیاضانہ اور برابرانہ برتاؤ تو ہونا چاہئے مگر غلط ہونا چاہئے مگر اور غیر ملکی اعتبارات میں ہند کی نسبت جو غلط اور گراؤ کن ہو گینڈا ہو رہا ہے اسے فوراً بند ہونا چاہئے اور احساس کمتری سے جو ہند کی طرف سے محاذ کا خوف دکا رہاں جنگ کی سی تضاد پیدا کر دی ہے حالانکہ ہند کے کسی گوش میں کہیں اس کا نام و نشان بھی نہیں پانہائی مفکرانہ بھی ہے اور سخت تباہ کن بھی۔ اس کی فوری طور پر روک تھام ہونی چاہئے اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ ضرورت ہے کہ یا تو جس طرح مشرقی اور مغربی بحال میں پورٹ سسٹم نہیں ہے اسی طرح پنجاب کے دونوں حصوں سے بھی یہ سسٹم اٹھا دیا جائے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو ایک تاریخ مقرر کر کے اعلان کر دیا جائے کہ اس کے بعد ایک ملک سے دوسرے ملک میں آکر بسنے والوں کو حقوق شہریت نہیں دئے جائیں گے البتہ ایک ملک کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اس ملک کی قوم کو قائم رکھتے ہوئے دوسرے ملک میں عزت یا ماروہ کے سلسلہ میں قیام کر سکتے ہیں۔ دونوں حکومتوں نے اگر ایسا ذرا ہی خواہ

موجودہ کے ساتھ ہیں۔ کسی ایک شکل کا اختیار کیا تو اندیشہ ہے کہ دونوں ملکوں میں بھی دروازے سے چل جائے گا جو سب سے زیادہ ہو جائے گا۔ ہندی قومیت کا کچھ احساس پیدا ہو جائے گا۔ ہندوستان کی قومیت مدنی جس کا ہم نے شری میں ذکر کیا ہے وہ قریب ہے جو صرف حکومتوں کی سرکشی پر اور انھیں براہ راست نہیں ہو سکتا۔

تدوین حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات)

(۲۱)

اس پر الشبی نے کہا کہ میں نے ان میں سے کس کس سے علم حاصل کیا ہے؟ ذکر بائے بطور مثال کے حادث احوال اور مصلحت کا نام لیا حالانکہ اس گروہ کے یہ ممتاز لوگ تھے، لیکن شعی نے ہر ایک کے متعلق اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اچھے خیالات ظاہر نہیں کئے، حادث احوال کے بارے میں کہا کہ حسب ادر الفاضل اگرچہ اسی شخص سے میں نے سیکھا ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص دسواں کے مرض میں گرفتار تھا، مصلحت کے متعلق کہا کہ بڑا اچھا بولنے والا آدمی تھا لیکن دین کی سمجھ اس میں بھی نہ تھی شعی کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

كان خطيباً وله يكن بفقيه
وذا عظم بڑا اچھا تھا لیکن فقیر نہ تھا۔

تذکرۃ الحفاظ

الذی نے اسی کے قریب قریب الشعی کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ کوذ میں عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں و مستفیدوں کے سوا میں نے تو کسی کو فقیر بھی خیال نہیں کیا اس پر ایک شخص نے ٹوکتے ہوئے ان لوگوں کا نام لینا شروع کیا جو ان سے مستفید نہیں ہوئے تھے اور صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت میں شریک ہو گئے تھے، اس فہرست میں بھی حادث، ابن عبیدہ، مصلحت، رشید وغیرہ کا نام ہے اس وقت بھی الشعی نے ہر ایک کے متعلق ان ہی خیالات کا اظہار کیا جن کا ذکر کیا سے کیا تھا بلکہ رشید الحموی

کا وہ قصہ فنی مدینہ پہنچنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وفات کے بعد ملاقات کرنے کا قصہ اسی موقع پر بیان کیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان وغیرہ میں آپ کو ان چیزوں کی تفصیل مل سکتی ہے بہر حال بادیہ عرب کے مختلف گوشوں سے کوئی چھاؤنی میں اس قسم کا ایک خاص طبقہ جو جمع ہو گیا جن کے متنازعہ افراد کا میں نے ذکر کیا ان کے متعلق یہ سمجھنے کی بہ ظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اسلام کو انہوں نے اخلاص و صداقت کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا، ان ہی لوگوں کے دوسرے حالات بھی ان ہی کتابوں میں ملتے ہیں جو ان کی راستبازی اور سرفروشی کی واضح شہادتوں پر مشتمل ہیں بلکہ آگے بڑھ کر میں تو یہاں تک کہنے کے لئے آمادہ ہوں کہ رشید بھری کے اس قصہ کے سوا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں ملاقات کا اس نے دعویٰ کیا ہے جو ظاہر ہے کہ بے اصل واقعہ ہے، اس کے سوا قصہ آغلط بیانی کا انتساب بھی اگر کل کی طرف نہیں تو ان کے سر پر آدودہ افراد کی طرف مشکل ہے، مثلاً حارث اعمد ہی میں آج ہی نہیں، الشعی کے بعض بیانات میں ان کی طرف کذب کے انتساب کو باکر اسی زمانہ میں بعض جلیل القدر بزرگوں نے اس پر اعتراض کیا تھا، حافظ بن عمر نے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ ابراہیم مخفی کے سامنے کسی نے شعی کے اس دعویٰ کا جب ذکر کیا تو کہنے لگے کہ

اظن الشعی عوث بقولہ فی الحارث
میں خیال کرتا ہوں کہ الشعی کو اسی کی سزا ملی جو
حارث کے متعلق وہ کہتے تھے۔

۲۷۱۵۵

اور ہے بھی یہی بات کہ حارث معمولی آدمی نہیں ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلیمی حلقہ کے متنازعہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں حافظ ہی نے لکھا ہے کہ

تعلیم القرآن من علیؑ
فرائض کا علم حضرت علی ہی سے حارث نے سیکھا تھا
اور شعی نے حارث ہی سے اس علم کو سیکھا کہ کوفہ میں اس علم کی اشاعت کی، گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں فرائض کا علم جو پایا جاتا ہے شاید اس کی تعلیمی سند حارث ہی پر ختم ہوتی ہو، ابن سعد کے حوالہ سے خود اسی کتاب میں کسی موقع پر میں نے بھی نقل کیا ہے کہ اپنے دست مبارک

سے کہہ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حارث کو وہ نوشتہ دیا تھا جس میں ”علم کثیر“ تھا۔

اور ایک حارث ہی کا یہ حال نہیں ہے، حارث تو ششی کے استاد تھے۔ کوذ کی اسی جماعت کی مشہور شخصیت جابر بن یزید الجعفی کی ہے۔ شعی سے ہم عصری کا تعلق تھا۔ رائے قائم کرنے والوں کی راتیں اس شخص کے متعلق بھی عجیب ہیں، ایک بڑا طبقہ جابر پر معترض ہے، لیکن جابر کے مداحوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ واللہ اعلم اصل واقعہ کیلئے لیکن جہاں تک اس طبقہ کے حالات کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کردار سے زیادہ ان کا اصلی عیب یہ تھا کہ جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کا معیار یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں جس کی تسبیح کی تھی کہ۔

حد ثوا الناس بما لیس فون ودعوا لوگوں سے وہی باتیں دینی حدیث کے متعلق بیان

ما ینکرون کرو جنہیں لوگ جانتے پہچانتے ہوں، اور جن سے

نامانوس ہوں انہیں چھوڑ دو۔

اس طوی معیار کے استعمال سے اپنی خاص قسم کی دماغی کیفیت کی وجہ سے وہ مفرد رہتے آخر خود سوچنا چاہتے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوا جہ مبارک میں اور وہ بھی بحالت خطیہ ہر مجلس میں بے دھڑک

اشہد انک مملک الداہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ داہم ہی ہو۔

کہنے سے جو نہ سمجھتے ہوں اور اس قسم کے دوسرے رکیک و سخیف خیالات پر جنہیں اصرار ہو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کی عقلیت اس کا فیصلہ کیسے کر سکتی تھی کہ اسلامی تعلیمات سے مانوس وغیرہ مانوس باتیں کون سی ہیں ان کی اسی عقلی سادگی سے نفع اٹھانے والے نفع اٹھاتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے قدرتا حضرت والا کے ساتھ ان کی عقیدت غیر معمولی طور پر چوں کہ بڑھی ہوئی تھی، حریفین نے اسی کو مستعمل بنالیا، حضرت کی طرف منسوب کر کے جس قسم کی باتیں چاہتے ان سے منزا لیتے تھے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ حارث اور ان کے متعلق احمد بن صالح مصری کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی کسی نے احمد کے سامنے

الشعبي کے اعتراض کا ذکر کیا تو جواب میں احمد نے کہا

لعمريٰ كذب في الحديث إنما
كان كذبه في سرائره ۱۲۷
اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث کی روایت
میں غلط بیانی سے کام لیتے تھے بلکہ رائے کی غلطی
ان کی مراد ہے ۔

تقریباً یہی توجیہ ہے جسے میں پیش کر رہا ہوں کہ قصداً حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف جموع منسرب کرنے کی جرأت یہ لوگ نہیں کر سکتے تھے، ان کے دوسرے دینی حالات
سے اس کی تردید ہوتی ہے، البتہ ان لوگوں کی رائے یعنی عقاید و خیالات غلط تھے جن میں مبتلا ہو جانے
کے بعد پھر صحیح و غیر صحیح روایتوں میں تمیز کی صلاحیت ہی آدمی میں باقی نہیں رہ سکتی آخر اہل دل سے
حضرت علی کی آواز سننے کا جو انتظار کر سکتے ہوں، آپ ان سے کیا چیز نہیں منوا سکتے الشعمبی ہی سے
براہ راست ذہبی نے حارث کے متعلق جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ

تخصیبت علی نفسی منہ الوسواس
مجھے اس شخص کے متعلق اس کا اندیشہ ہے کہ وہ
دوسرا اس کے مرض میں مبتلا تھے ۔

تذکرہ ص ۱۲۷

اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ شعبی کو حارث عور کی عقلیت پر بھروسہ نہ تھا
میں جو کچھ کہتا چاہتا ہوں ایک دوسری مثال سے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں مذکورہ بالا طبقہ کی ممتاز
اد نامائیں شخصیتوں کی فہرست جو میں نے پیش کی ہے دیکھئے اسی میں ایک صاحب میں جبر العونی
جن کا بھی نام ہے ابن معین کے حوالہ سے لسان المیزان کا وہ فقرہ ابھی گزرا ہے جس میں دوسروں
کے ساتھ حجب کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ لایسا دی شیشا (کسی چیز کے برابر نہیں ہے) لیکن اسی
کے ساتھ حافظ بن حجر نے ہی تہذیب میں سلم بن اکسل جسی باوقار و مستند بزرگ ہستی کی یہ چشم دید
شہادت بھی نقل کی ہے ۔

ما لم تہ قطعاً لا نقول سبحان اللہ والمجد
لہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر الا ان
میں نے کہی اس کو نہیں دیکھا مگر اسی حال میں پایا
کہ سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہو

یصلیٰ اوجھل ثنا ص ۱۶۹ تہذیب اللہ تہذیب ہے بول یا ہم لوگوں سے حدیث

بیان کرتے ہوں،

علاؤ اسی قسم کی شخصیت کے متعلق یہ خیال کہ قصدِ اوہ جعلی روایتیں بنا بنا کر حضرت علیؓ کے بارگاہِ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، شاید صحیح نہیں ہو سکتا اور یہی سوال ہے کہ نقد رجال کے اندر آخر حبہ کی روایتوں کی ایک حقیقت بھی ثبت جو نہیں لگاتے۔ ابن معین ہی نہیں، دوری جوزجانی، نسائی، ابن خراش اور ان کے سوا بھی اس راہ کے اور بابِ تحقیق کی یہی رائے نقل کی گئی ہے کہ حدیث میں وہ کچھ نہ تھے۔ دیکھئے تہذیب لفظ حبہ العربی ص ۱۶۹ ج ۲ اور اب میں اسی سؤل کا جواب دینا چاہتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد عثمانی کے آخری سالوں میں غلط اور بے سرو پا بے مبادروایتوں کا سیلاب مسلمانوں میں پیدا دیا گیا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جیسا کہ تفصیل بتایا جا چکا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے ذاتی معلومات کی اشاعت سے اس طوفان کا مقابلہ مناسب خیال فرمایا، اور اسی کے ساتھ صحیح اور غلط روایتوں کے جانچنے کا فطری اور عقلی معیار یعنی معروف مانوس اور منکر وغیر مانوس باتوں میں تمیز کی جو کسٹنی مسلمانوں کو آپ نے عطا فرمائی اس کو دیکھ کر حریفوں کو دوسری چال سمجھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی زندگی کی حد تک تو خاموش رہے اور گوشت کے سرخوئوں کو بھی جہاں تک آپ سے ہو سکا ختم کر چکے تھے۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد آپ کی شہادت کا حادثہ نا جہ پیش آیا، حکومت کی باگ جن ہاتھوں میں چلی گئی، سیاسی دہات کی مسئولیت نے دوسری طرف متوجہ ہونے کا موقع ان کے لئے باقی نہ رکھا تھا چھپی دبی جگاریاں فساد کی ملک کے مختلف گوشوں میں جو باقی رہ گئی تھیں، ان کو بکڑ کئے اور چمکنے کا ایک منظم موقعتہ لگایا، واقعات بتاتے ہیں کہ بقیۃ السیف افراد فقہ پر وازندوں کے جو پوشیدہ تھے وہ پھر باہر نکل آئے۔ جیسا کہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فوجیوں میں گھلے ملے تھے وہ حضرت کی فوج اور آپ کے طرفداروں کے حالات سے بھی خوب واقف تھے جانتے تھے اور ان کی ذہنی اور

دماغی کیفیتوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے بہت جھا اور کافی تجربہ رکھتے تھے جیسا کہ معلوم ہے حضرت کے ساتھ دینے والوں میں غالب تعداد کو مذکی چھاؤنی کے فوجیوں کی تھی کوئٹہ والوں میں عبداللہ بن مسعود کے زمانہ کے جو لوگ تھے ان کو متاثر کرنا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ البتہ بادیہ عرب کے ان سادہ دل سپاہیوں میں کام کرنے کی کافی گنجائش نظر آتی، خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ اقدس سے جو زیادہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے غلبہ مخالفوں کی سیاسی کامیابیوں اور اپنی ناکامیوں سے جیسا کہ چاہئے تھا محزون و مغموم تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امامِ برحق کے مقابلہ میں مخالفتِ عات کیسے کامیاب ہو گئی۔ بہر حال اسی جماعت کے مختلف افراد کا انتخاب کیا گیا، اور کسی دوسرے کے نام سے نہیں، بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر کے ان بے چاروں میں اپنی خود نشاندہی رواں تہوں کی تردید میں نفسیاتی اصول کے تحت جن میں وہ غیر معمولی مہارت رکھتے تھے بند کج کوشش شروع کی۔ پھر زیادہ دن گذر گئے نہ پاتے تھے کہ دیکھا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی واقعی روایت کو وہ حدیثوں کے ساتھ مصنوعی اور جعلی روایتوں کا ایک استار ان ہی لوگوں میں جمع ہو گیا جن کو اپنے اس عمل کے لئے فتنہ پردازوں کی اس ٹوٹی نے چنا تھا۔ خیال تو کیجئے کہ جابر بن یزید الجعفی جو تقریباً اسی زمانہ کا آدمی ہے یعنی استہمی عکرمہ و غیرہ کا شاگرد ہے۔ ابتدا میں بے چارے کی دہنجی حالتِ فہمی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بہتر تھی اچھے اچھے لوگ اس کے مداح تھے۔ سفیان ثوری، شعبہ، وکیع جیسے اکابر اس کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے، لیکن خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ اسی آسیب زدہ جماعت سے اس کا تعلق ہو گیا کہتے ہیں کہ جابر کے استاد شعیب کو جب اس کی تکلیف لگی تو بطور فہمائش کے اس کو سمجھایا بھی کہ جابر دیکھ! میں خیال کر رہا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ کر مرے گا۔ ”(میزان ۱۱۱ ج ۱) مگر قسمتِ جابر فتنہ کا شکار ہو گیا اسی کے بعد یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو علم تھا،

وہ حضرت علی تک منتقل ہوا اور علی سے تمام حق

انتقل العلم الذی کان فی النبی

صلی اللہ علیہ وسلم الی علی ثم

من علی الی الحسن ثم لم یزل
حق بلغ جعفرؑ میزان ۱۵۵ ج ۱
تک یوں ہی وہ منتقل ہوتا ہوا جعفر تک یعنی اسی
شخص تک پہنچا

ان روایتوں کی تعداد جن کے متعلق جابر مدعی تھا کہ امام جعفر کے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ
سے اس کو پہنچی میں جو کچھ بتانا تھا خود اس کی زبان سے بجاہ راست سننے والوں کا بیان ہے، امام مسلم
نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں باہر الفاظ نقل کیا ہے کہ

سمعت جابرا یقول عندی سبعون
الف حدیث عن ابی جعفر عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما
مقدم صحیح مسلم ۱۳۵
میں نے سنا ہے جابر کہتا تھا کہ میرے پاس ستر ہزار
ایسی روایتیں ہیں جو کل کی کل ابو جعفر (امام باقر علیہ السلام)
کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچیں

مسلم کے اسی مقدمہ میں ایک روایت پچاس ہزار کی بھی ہے، امام ابو حنیفہ تک کے سامنے
اس نے تیس ہزار روایتوں کا دعویٰ کیا تھا تہذیب میں ہے

ان عندہ ثلاثین الف حدیث
لم ینظھرها منہ تہذیب
واللہ اعلم بالصواب جابر کے یہ دعویٰ اس کے خود تراشیدہ دعویٰ تھے یا جس جماعت میں
وہ شریک ہو گیا تھا یعنی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن حبان نے لکھا ہے کہ
کلن مسابا من اصحاب عبد اللہ
بن سبا ۱۵۵ میزان ج ۱
تیس ہزار روایتیں اسی میں دجے کہتا تھا، کہ اس
نے دینی جابر نے لوگوں پر ظاہر کیا
میں سے تھا۔

ان لوگوں سے یہ چیزیں اس تک پہنچی تھیں، اس کے ابتدائی حالات جو بیان کئے گئے ہیں ان کو
میں نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین عقل و قیاس یہی ہے کہ جھوٹ کا یہ طویار دوسروں ہی سے اس
لعاسی مقصد کو کہی ان الفاظ میں اور اگر تاکہ رسول اللہ نے حضرت علی کو یا اور جو کچھ آپ کو خدا سے علم یا تعاسب
آپ کو سکھایا حضرت علی نے امام حسن کو امام حسن نے امام حسین کو حسین نے بیٹے کو تاہم کہ امام جعفر و علی تک اس
تعداد کو پہنچا۔ میزان ۱۵۵ ج ۱

تک پہنچا تھا دانشدار علم بالصواب

میری عرض تو صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے پھیلانے والوں نے محبوب کے جس سمندر کو اندھیل دیا تھا، اس کا اندازہ آپ کو صرف اسی ایک قطرے سے ہو سکتا ہے، آخر جب ایک آدمی اپنے پاس ستر ستر ہزار، پچاس پچاس ہزار روایتوں کا پشتارہ رکھتا ہو تو مجموعی طور پر ان روایتوں کی مقدار کیا ہوگی، جو حضرت دلا کے اسم مبارک کی طرف منسوب کر کے اسی قسم کے مفتون لوگوں میں پھیلا دی گئی ہوں گی۔

انتہایہ ہے کہ جیسے حضرت دلا کی طرف سے تحریری شکل میں بعض روایتوں کی اشاعت عمل میں آئی تھی، ان لوگوں نے اس سے بھی نفع اٹھا یا یعنی سنیوں سے سنیوں میں جو کچھ وہ منتقل کر رہے تھے وہ تو خیر کر رہے تھے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نوشتوں کو دیکھ کر کھد کھد کر جی روایتوں کی کتابوں کو حضرت دلا کے اسم گرامی کی طرف منسوب کر کے پھیلانے والے پھیلا رہے تھے امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ

انی ابن عباس بکتاب فیہ قضاء
علی فیہ الاطلاق واشارہ سفیان
ابن عباس کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس
میں لکھا جاتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے
ہیں، حضرت ابن عباس نے اس کتاب کو لے کر
حفاظہ شریعہ کیا مگر ان سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ

کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر کتاب کو لائی رکھا۔

مگر ظاہر ہے کہ ابن عباس ہی جیسی ہستی اس کی جرأت کر سکتی تھی، بلکہ قاضی ابن ابی علیہ جو حافظ

نہ آخر وہ خلیل کیجئے دیکھ بن ابی جراح جیسے امام ہک جس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ خواہ اور کسی چیز میں تم شک کر دیکھ جاو
مستند و ثقہ آدمی ہے اس میں شک نہ کرنا چاہئے سفیان ثوری کی حقیقت کا حال ابتداء میں اسی کے متعلق اس حد کو پہنچا
ہوا تھا کہ نقد جلال کے امام شعبہ نے جابر پر جب جرح کا راہ کیا تو سفیان نے کہلا بیجا تھا کہ جابر پر اگر تم کلام کو لگے
تو میں پیر کر پیر کلام کر دوں گا۔ ۱۱

کے قاضی تھے ان کے جس قصہ کا ذکر اسی مقدمہ میں امام مسلم نے کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباس کو ابن ابی ملیک نے کھد بھگا کہ آپ میری راہ نمائی کے لئے کوئی کتاب لکھ کر بھیج دیجئے حضرت ابن عباس نے اسی ”قصۃ علی“ نامی کتاب کو منگوایا آپ نے چاہا کہ اسی کی نقل کر کے بھیج دوں، لیکن جب لکھنے بیٹھے تو راوی کا بیان ہے

بما یہ الشیخ فیقول واللہ ما فتنی من کے سامنے کوئی بات آئی، تو زمانے قسم ہے خدا
جہذا علی الا ان یکون قد حصل لہ کی نہ فیصلہ کیا علی نے یہ گرہ کردہ راہ سے بھٹک گئے

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ قطعاً تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کی طرف عنایت اور تشکیک جانے کا اعلیٰ ذابطہ الزام لگا رہے تھے بلکہ اس کی مثال تشکیک ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے یہ دعویٰ تو یہی کر سکتا ہے جو اسلام کا منکر ہو گیا ہو، ظاہر ہے کہ مقصد اس قسم کے طرز بیان سے یہ ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے یہ دین اسلام کا ایسا بدیہی اور واضح عقیدہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے کوئی اس دعویٰ کا مدعی نہیں ہو سکتا اسی طرح ابن عباس کا مقصد بھی مذکورہ بالا تعبیر سے محض ان جعلی اقوال کی نوعیت کا اظہار ہے یعنی ان کا مصنوعی ہونا اتنا واضح ہے کہ گمراہ ہوئے بغیر ایسا فیصلہ حضرت علیؓ کی ہی نہیں سکتے، الغرض روایت کا وہی معیار جس سے خود حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے روایات کی تنقید میں کام لینے کی ہدایت فرمائی تھی اور آپ سن چکے کہ ابن عباس نے بھی

فلا نأخذ إلا ما عرفت اب ہم نہیں قبول کرتے مگر ان ہی روایتوں کو جو جانی چاہائی

مانوس ہیں۔

کے الفاظ سے اسی طریقہ کار کا اظہار بھی فرمایا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ابن عباس ہونا تو خیر بڑی بات ہے جس قسم کی بصیرت اور بختہ نظری کثرت مشق اور مزاومت و نیز دوسرے اسباب کے تحت ان میں پیدا ہو گئی تھی یہ بات ہر کس و نا کس کو کیسے مبہر سکتی تھی خیر بڑی ہوا جو بدلتے نشیوں نے سرا جاتا تھا، یہی نہیں کہ جھوٹ کا ایک سبب سارے اسلامی علاقوں میں پھیل گیا، عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک مدنی خطبہ میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ

وقد سالت علينا احاديث من قبل المشرق وراق و غيره من مي كوفه بغيره وغيره الاما
هذه المشرق ولا نعرفها تھے ہاں سے حدیثوں کا ایسا سیلاب برکھاری طوف
ابن سعد ص ۱۶۷ ۵۸ آگیا ہے جنہیں ہم نہیں پہچانتے۔

ظاہر ہے کہ ہذا المشرق "سے عبد الملک کا اشارہ اسی مشرقی شمالی حصہ کی طرف تھا جہاں سے
یہ طوفان اٹھایا گیا تھا، شاید پہلے بھی اس کا کہیں ذکر آچکا ہے کہ یہ اموی فرماں روا عبد الملک زمانہ تک علم
حدیث کا طالب العلم رہ چکا تھا اور ممتاز دنیاوی طلب میں اس کا شمار تھا اس لئے اس کے قول کو میں نے نقل
بھی کیا کہ اس وقت وہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حدیث کے ایک طالب العلم کی حیثیت سے
گفتگو کر رہا تھا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد اس فتنہ کے نتائج و آثار کو کتنی
دنوں تک اور کتنے اندر دور ناخصلوں پر لوگ محسوس کر رہے تھے۔

اور فقہ صرف اسی پر ختم ہو جاتا تو سمجھا جانا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے
آخری سالوں میں جو مصیبت در اندازوں کے ہاتھوں حدیث کے اس علم پر نازل ہوئی تھی، یعنی دینی مصیبت
جس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حبشہ کا گزر چکا ترک الناحیۃ عنہ (یعنی رسول اللہ سے
حدیثوں کی روایت کو ہم نے چھوڑ دیا، کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گویا یہی مصیبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت
کے بعد پھر واپس ہو گئی لیکن اس مصیبت کے مقابلہ کے لئے عوام کے لئے ذہنی مگر خواص کے لئے
تولعناخذ من الناس الاما نعرفت ہم نہیں قبول کریں گے لوگوں سے گراں حدیثوں کو جنہیں ہم جانتے
پہچانتے ہیں، کامیاب طور پر لیا تھا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے جن مہربان
اور مسکرمات کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی تھی ظاہر ہے کہ وہ معمولی معلومات نہ تھے یوں بھی سوچنا چاہئے
کہ حضرت علی جو آٹھ سو سال کی عمر سے آخر وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور
بقول شخصے اسی وقت بہ ظاہر علیہ ہوئے۔ جب دیکھا گیا کہ فن کر کے روئے پاک سے وہ باہر نکل رہے
ہیں اس دوامی رفاقت و استمراری محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ان کے جو گونا گوں رد وابط تھے اور ان رد وابط کی وجہ سے نبوت کے متعلق مطوعات کا جو قیمتی سرمایہ ان کے پاس جمع ہو گیا تھا خیال کرنے کی بات ہے کہ مطوعات کا یہی سرمایہ جب وقفہ عام کر دیا گیا ہو تو اس غیر مترقبہ نعمت کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے بقول حافظ الدین شیخ ابن حجر کہ سنیہ کے متعلق جس شخص کے مطوعات کا یہ حال ہو کہ

هذه عائشة اخص ائراج النبي
يماثل صدقہ جو رسول اللہ کی تمام بیویوں میں سب سے
صلی اللہ علیہ وسلم بقول لسانہا
زائدہ خصوصیت رکھتی ہیں، جب ان سے رسول اللہ
عن شئ من احوال النبي صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے متعلق کوئی کچھ دریافت
علیہ وسلم صلی علیا تہذیب چہ ملا
کرنا تو فرما تیں کہ ملی سے پوچھو

یہ آخری ہر توفیق اس علم کی وسعت کے متعلق ہو سکتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھا لیکن اس علم کا انجام بھی کیا ہوا کسی دوسری جماعت کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص نے جو صحابیؓ میں شمار ہوتے تھے ان ہی سے مشہور کوئی امام ابو اسحاق السبعی نے براہ راست یہ شہادت سنی، امام مسلم ہی نے اپنے مقدمہ میں اس کو بھی نقل کیا ہے یعنی

عن ابی اسحاق قال لما احدثوا
ابو اسحاق سے ان کا یہ بیان نقل کیا جاتا ہے وہ کہتے
فلك الاشياء بعد علی قال سراجہ
تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد
من اصحاب علی قالہم اللہ ای علم
جو نئی باتیں لوگوں نے پھیلوائیں تو ایک شخص جو حضرت
افسد ما ملا
علی کرم اللہ وجہہ کے صحبت یافتوں میں تھا کہا کرتا تھا

کس علم کو ان لوگوں نے غارت کیا۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جن مطوعات کی اشاعت کو قبضہ پر فرمائی تھی وہ ان جملی اقول اور خود زائیدہ روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو کر جنہیں مفسدوں کے اس گروہ نے حضرت والا کی طرف منسوب کر کے زبانی اور کتابی دونوں شکلوں میں پھیلا دیا تھا ان ہی میں گم ہو گئے یا شارح علامہ کے الفاظ میں مذکورہ قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

تقولوا علیہ الاباطیل و اضا فوالہ
 الروایات والاقادیل المفصلة والمختصة
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مہجولی حکمت خود
 ساخته روایتیں ان لوگوں نے منسوب کیں مہج
 و خلطوہ بالحق فلم یقلین ما هو صحیح
 صحیح روایتیں یقین اس حق کے ساتھ مہجوت کو انھوں
 عنہ ما اختلفوا فیہ فی العلم ۱۲۰
 نے ملایا نتیجہ ہوا کہ حضرت علی کی صحیح روایتوں اور ان

کی جعلی روایتوں میں ایسا اشتباہ پیدا ہو گیا کہ دونوں گھٹتے ہوئے
 اور میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ حق کی اشاعت باطل کے زور کو توڑنے کے لئے کی گئی تھی لیکن باطل
 والوں نے اسی اشاعت حق کو باطل اور خرافات کی زینج کا ذریعہ بنالیا۔ اس کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا تھا
 کہ کوئی بیچ کر حضرت والا نے اپنے جدید معلومات کی اشاعت کی ہے پانچ سہی باتوں کے ساتھ سچا سچ
 روایتوں کا انتساب اسی لئے آسان ہو گیا ورنہ سرے سے حضرت کی طرف سے اگر کسی چیز کی اشاعت
 عمل میں نہ آتی تو شاید اتنی آسانی کے ساتھ اپنی مختلفہ و خود تراشیدہ من گھڑت روایتوں کے منوالینے میں
 ان کو کامیابی نہیں ہوتی گو یا شاعر کی وہی بات ایک حقیقت سے صلاح آئی کہ

شد غلے کہ آب جو آرد آب جو آمد و ظلم ببرد

تفیک اس کی مثال وہی ہے جس کا ذکر مودھن نے سوئی مسائل کے متعلق کیا ہے یعنی ابولاسو
 دوئی کو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خو کے چند بنیادی کلیات کی طرف جو رہنما
 فرمائی تھی ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن اسحاق الزجاجی کی امالی میں حضرت علی
 کے بتائے ہوئے یہ کلیات

مخومن عشرة اسطر ۱۲۷ ۲۷ تقریباً دس سطروں سے

سے زیادہ نہ تھے لیکن ابراہیم بن عقیل نے جوابی اگرماتی کی نسبت سے مشہور تھے ان حضرت
 نے دس سطروں کو دس درون میں پھیلا کر سب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر دیا اور اس
 کا نام التحلیف رکھ دیا تھا، ابن عساکر کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ ان ہی دس سطروں کو

جعل هذا الشيخ ابراہیم قریامین انہیں شیخ ابراہیم نے ان ہی دس سطروں کو دس بوق

حشرۃ اور رازی تاریخ دمشق ۱۳۲۲ء بتلائے۔

اور ایک یہ کیا زندگی کے کن کن شعبوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسم مبارک سے بچھونے والوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں بھیدا یا ہے جس کی داستان طویل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کابہ حد اس حد سے کہیں زیادہ تباہ کن اور زیادہ سخت تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں علم حدیث پر کیا گیا تھا، ایسی گہری احتیاج تاریکیوں بھید دی گئیں کہ حق و باطل کے امتیاز کی کوئی شکل باقی نہ رہی تھی اور قریب تھا کہ مہمبت کے لئے اس علم کا جواز عقاب ہی ہو جاوے، اے دے کے روایت کا وہی ایک معیار رہ گیا تھا، لیکن بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہر شخص میں اس کے استعمال کا صحیح سلیقہ ہونا آسان نہیں ہے اور دشواری اسی پر پہنچ کر ختم نہیں ہو گئی تھی، اس سے بھی بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ دوسرا تھا، اور اب اسی کی میں تفصیل کرنا چاہتا ہوں اور یہ مسئلہ بجائے خود جتنا بھی دشوار ہو لیکن درحقیقت ہر گئی ضابطہ کی یہ عام دشواری ہے، مشق و محنت، تکرار و کثرت، تجربہ سے پیدا ہونے والی بصیرت و خداقت، سلیقہ و ملکہ کی ضرورت جیسے روایت کے اس معیار کے استعمال میں پیش آتی ہے جیسے انہی امور کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی فن کے جزئیات پر کلیات کو منطبق کر کے نتیجہ کو لوگ پہنچانا چاہتے ہیں۔ طب ہی کو لیجئے تحقیق امراض کے کلی علامات و آثار اسباب خواص کے ہاں لینے کے ساتھ ہی کیا آدی طبیب حافظ بن جلتا ہے الغرض

بسیار سفر باید تا بختہ شود خامے

اس قسم کی تمام چیزوں کا عام قاعدہ ہے اسی میں درایت اور عقل کے وہ قوانین بھی شریک ہیں جن سے روایات کی تنقید و تنقیح یا چھان بین یا پانچ پڑیل میں کام لیا جاتا ہے، اصطلاحاً حائون ہی قوانین کا نام ”معیار روایت“ رکھ دیا گیا ہے، پس مسئلہ اگر عام روایتوں اور خبروں کا ہوتا تو اس پر قابو پالینے میں چنداں دشواری پیش نہ آتی، لیکن یہاں سوال روایتوں کے اس خاص ذخیرے کے متعلق ہے جسے کسی دین یا مذہب کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہو۔

یوں کہنے کے لئے جس کے جی میں آئے جو کچھ جاسے کہ دسے لیکن درایت کا یہ غریب معیار ان مذہبی روایتوں کے رد و قبولی کے لئے اگر کافی ہوتا تو آج دنیا کے اکثر مذاہب و ادیان کی بیشتر متانویں یا دیوبالابا سا طبر و دہن جیسے خرافاتی اڈام کے ان پشتلوں سے عملی اور دینی نظر نہ آتی، خرافات اعدا و کاماوی پشمارہ جس کی بدولت آج مذاہب و ادیان ہمارے عقیدہ یا اصول کا اطفال بنے ہوئے ہیں۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی طرف منسوب ہو جانے کے ساتھ ہی روایتوں کے اس ذخیرے میں ہمیشہ ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا تھا، ایسا تقدس جس کے بعد پوچھنے والوں کے لئے یہ پوچھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی کہ آخر ان کے منسوب کرنے والے کون لوگ ہیں، انھوں نے مذہب کی طرف ان روایتوں کو کس بنیاد پر منسوب کیا؟ کب منسوب کیا؟ کیوں منسوب کیا؟ پس اتنی بات کہ مذہب میں یوں ہی آیا ہے، مذہب ہی کہتا ہے، مذہبی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، مذہب کے علماء ہی کہتے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے چند گھنے چنے ڈھلے ڈھلائے تقویوں میں اتنا زور تھا کہ منہ اور زبان ہی نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں پر خاموشی طاری ہو جاتی تھی ان کے مقابلے میں کچھ کہنا تو خیر تری بات تھی، ایسا مظلوم ہوتا ہے کچھ سوچنا بھی تو ہوا کرتا تھا باقی ان روایتوں کی راہ سے مذہب کے عقائد و مسلمات میں جو چیزیں شریک ہوتی رہتی تھیں، ایک تو مذہبی روایت کا تقدس غلامان پر چڑھا ہوا تھا، دوسری دھمکی بن کر ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا، جو کسی قسم کا سوال ان کے متعلق کرنا چاہتے تھے، اور دوسری بات یہ تھی کہ مذہبی روایات کے اس غلاف سے نکل کر ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتی تھیں، جہاں حواس کے ہاتھ کوتاہ، اور عقل کا چراغ گل ہو جاتا تھا، یعنی غیب کے اس عالم میں داخل ہو جاتی تھیں جس کا مذہب عالم کے اس محسوس نظام میں تنہا سفیر اور ترجمان ہے اور اہمیت کے معیار پر رد و گدہ کر غیب میں شریک ہو جانے والے ان عقائد و مسلمات کے پر کھنے اور جاسمیت کی شکل ہی کیا تھی؟ غیب سے مذاہب کا جو جبری تعلق ہے اس سے قطع نظر کہ اگر ان کی تنقید میں ہی وہی طریق اختیار کیا جاتا جس سے دنیا کے عام حوادث و واقعات کی خبروں کی جہاں جہاں میں کام لیا جاتا ہے وہ غیب سے بے تعلق ہو جانے کے بعد مذہب مذہب ہی باقی نہیں رہتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہبی حقائق اور دین کے فنی امور کی جانچ پڑتال میں جن لوگوں نے یہ راہ جس زمانہ میں بھی

مختیار کی ہے۔ آخری انجام ان کی کوششوں کا یہی ہوا ہے کہ مذہبِ چندبے جان مادی رسوم کا صرف ایک ایسا خشک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے کہ غیر خود متعقد کرنے والوں کے لئے یہی اس نام نہاد مذہب میں کوئی دل آفرینی اور دل چسپی باقی نہیں رہی ہے، اس قسم کی کوششوں کا نتیجہ بھی جیسا کہ یہی انجام ہوا ہے اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی انجام ان کا جو رہا ہے۔

مذہب کے اس غبی غفلت کو زندہ و تازہ رکھنے والے روئے دریافت کے اس معیار کو مذہبی روئے اور ان کے شکیات کی تنقید کے لئے جنہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے میں اٹھانے کے ساتھ ہی ان کو خود بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اچھٹے والے ایک دلچسپ ہتھیار سے زیادہ کوئی کام وہ انجام نہیں دے سکتا۔ اس کا فرق کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن ہوتا یہی ہے کہ خداوند کی جو صورت مذہب میں ہے اس کا یہ انسانی نتیجہ ہے۔ دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کا خزانہ اس قسم کے خرافات سے جو بنا ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ روایت کے اس معیار سے وہ ناواقف تھے میرے خیال میں یہ واقعہ کا انکار ہو گا بغیر اس کا یہاں موقع نہیں ہے بلکہ اعمال انسا اشارہ کافی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے خرافاتی مذاہب میں یہی عقائد تھے جن کے حامی ہرے ہوئے ہوئے ہیں ان کے ماننے والوں نے دنیا کے حادث و اتفاقات کی تحقیر و تنقیح و ادایت کے اسی معیار کی مدد سے کی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف ان کا مذہب صرف غوث کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے نہ وہ سری طرف ایسے بے شمار علوم و فنون کے دہائی نظر آتے ہیں جن میں حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے درست کو نادرست سے ٹھیک کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئی ہیں۔ بھلا ان ہی لوگوں کے متعلق کسی حقیقت سے بھی یہ دعویٰ کیجیجے ہو سکتا ہے کہ واقعات کی تنقیح میں روایت کے اس معیار سے کام لینا وہ نہیں جانتے تھے یا اس معیار سے انہوں نے کام نہیں لیا تھا یا نہیں بے غلو خلاصہ یہ ہے کہ روایت کا یہ معیار جو اسے خود جتنا بھی اسم پر مبین زیادہ تر اس کی اہمیت کا متفق دینا کے عام حرافت و واقعات سے بے بلا شبہ ان کی متعلقہ خبروں کی تصدیق میں اس کی گرفت سخت ہوتی ہے لیکن بات جب غیب میں چلی جاتے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت ایک معمولی اور چھ ہتھیار سے زیادہ نتائج کے اس معیار کی وقت باقی نہیں رہتی اسی لئے مذہبی روایات جو بہر حال غیبی حقائق کا سہارا لے رہے

تورات کے دس احکام

۱۵

تورآن کے دس احکام

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی محدث شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ)

۶

میری سمجھ میں تو یہی آئے کہ مسلمانوں کو بھی چونکا دیا گیا ہے کہ جیسے یہود کو احکام عشرہ شہرہ دے گئے تھے اسی طرح تمہارے والد بھی قرآن کے ۱۰ احکام عشرہ کئے جاتے ہیں لیکن اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان احکام کے ساتھ زندگی کا حقیقی تعلق اسی وقت تک رہتا ہے جب تک کہ ”الآخرۃ“ کا یقین نہ ہو کہ اللہ ربیع منوں میں زندہ رہے گا لیکن جس حد تک آخرت کا یقین سرورہ، یا فرمودہ ہوتا چلا جائے گا کی حد تک دین کی حقیقی روح تو جس سے بھی تم دوہو ہونے چاہئے جائے گی یہ تو یہ عادت گذر چکا ہے۔ تاریخی ہونہ تمہارے سامنے ہے، چاہئے کہ اس نمونہ سے عبرت و بصیرت کا سبق حاصل کیا جائے۔

اور ہے بھی یہی بات، خالق کائنات ہی کو الٰہ بنا کر اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرنے کی ہمت تو اسی میں پیدا ہو سکتی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ زندگی صرف شکم اور اندام شکم خیر کے درمیانی دفتوں کے اندر محدود ہو کر ختم نہیں ہو جاتی، ورنہ جس کے حوصلہ میں اس محدود وقت کے سوا زندگی کے تصور کی گنجائش ہی نہیں ہے وہ اس وقت تک تو ممکن ہے کہ خالق کائنات ہی کو نہ مانے اور چارہ ہے اور اسی کے دو پر ڈٹا رہے جب تک کہ اس کی آرزوں کی تکمیل کا سامان قدرت کی طرف سے نہیں ملتا ہے۔ لیکن جاہل نا عاقبت اندیش انسان کی طرف سے خدا کے دربار میں ایسی آرزو کے پیش کرنے کا سلسلہ جب شروع ہوا جو خود آرزو رکھنے والے کے لئے بالآخر نقصان رساں ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں بندوں پر جو سب سے زیادہ بہرہاں ہے

..... اپنے علم کو آمدد کرنے والے کے جہل و نادانی کا نا بچ کیسے بنا سکتے ہیں؟
 رقت و تسہل جب آخرت پر یقین رکھنے والے کو اللہ ہی کی دیوڑھی پر دھوئی راتے ہوئے رہتے ہیں
 وہ جانتے ہیں کہ زندگی مادد و قبر کے دو پیشوں کے درمیان ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اس آسمان و زمین کے
 آگے اور بھی آسمانوں اور زمینوں کا وسیع نظام ہے۔

خود ہمارے نفع کے لئے اور کسی نقصان سے بچانے کے لئے پروردگار کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ
 اس منزل میں بیماری جا بجا نہ آئے و پوری نہ ہو، لیکن زندگی اسی منزل تک محدود کب ہے جو جزیرہاں نہیں ملے
 کہیں اور ملے گی۔

مردہ غریب کیا کرے جو موجودہ زندگی کے محدود وقفہ سے زیادہ زندگی کے تصور کی علامت ہی
 اپنے اندر سے کھڑا ہے بجز اس کے کہ اس دربار میں نہیں ملاؤ کسی اور دربار یا جگہ یا جگہ سے بھی شرک کی
 بنیاد ہے جس پر ایمان و خیالات کی بھول جھلیلی بنتی چلی جاتی ہیں اور ان دیکھی باتوں میں آدمی کی دیکھی کاریگریاں بن
 دیکھی باتوں کا اعادہ کرتی چلی جاتی ہیں، جن میں ایک دل چسپ لطیفہ وہ بھی ہے کہ خدا کے دربار میں موجود یہاں
 کے ساتھ نسوانی عوامات رکھنے والی دیویوں کا براہمی مشرکانہ ذہنیت رکھنے والوں کو مختلف زمانوں میں نظر آیا
 ہے حتیٰ کہ آپؐ پر بھی دیکھی دیکھی قوم بھی مشرکوں کے اس انفرادی دہم کے شکار ہونے سے محفوظ
 نہ رہ سکی اس موقع پر قرآن نے عقیدہ شرک پر تنقید کرتے ہوئے محمد اور باتوں کے دیویوں کے مشرکانہ ذہن
 کا بھی ذکر کرتے ہوئے اسے ”قول عظیم“ یعنی بڑی بات قرار دیا ہے ”اللہ اللہ خدا ہے“ قدس کو ان دیوانوں
 نے شاید دو کا وہ شاعر فرض کر لیا جس نے اپنی سب سے بڑی آمد نہ۔

حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں

کو قرار دے رکھا تھا۔

اسی سلسلہ میں حد سے زیادہ سادہ لیکن دل آویز پیرایہ میں سمجھا یا گیا ہے کہ یہ ساری مصیبت اپنے
 مشرکوں نے صرف اس لئے کی ہے کہ بلا وجہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ”موجودہ زندگی“ کے دائرہ سے باہر زندگی کا

تصورین کے احساسات کے لئے ناقابل برداشت یا ناممکن ہے قرآن نے جو بھی ہے کہ زندگی سے جو
معلوم تعجب اسباب کو وہ خود زندہ پارہ ہے اور صبح و شام دیکھ رہا ہے کہ جو زندہ نہ تھے وہ مسلسل
زندگی پا کر کھڑے ہو رہے ہیں چل رہے ہیں پھر رہے ہیں آخر ان کھلے کھلے مشاہدات نے ہر حق پرست
وہ اسی دیکھنے کے لئے واقعہ یعنی زندگی سے محرومی کے بعد زندہ ہونے کو اپنے لئے ناقابل برداشت
خیال کیوں کر کر دے رہا ہے آخرت کے مشکوک کا یہ سوال کرشمہ بیدار (میں دوبارہ کون جلانے گا)
اسی کا جواب اس موقع پر بھی قل الذی فطر کبر اول و اخر ذلیل اگر وہی جلائے گا جس نے پہلی دفعہ ہمیں پیدا
کیا، جو دیا گیا ہے اور دوسرے الفاظ میں یہی جواب قرآن کے مختلف مقامات میں چوایا جاتا ہے اس کا
مطلب یہی ہے کہ جانی پہچانی ہوئی حقیقت جس کا تجربہ و مشاہدہ شب و روز ہم میں ہر ایک خود اپنے متعلق
بھی اور دوسروں کے متعلق بھی کر رہا ہے جب کہا جاتا ہے کہ یہی صورت پھر تیارے سامنے نہیں ہوگی تو اسے
وہ تعجب سے کیوں دیکھتا ہے۔

پھر مسلمانوں کو اس کی نفی انش کرتے ہوئے کہنا سننے والوں کو نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہئے گویا
تفہیم کا جو سادہ طریقہ ایمان بالآخرت کے متعلق اختیار کیا گیا اشارہ کیا گیا ہے کہ اسی مثال کو ان موانع میں چاہئے
کہ مسلمان اپنے لئے نور بنائیں قرآنی الفاظ قل لعلادی یقولوا الحق ہی احسن یعنی کہہ دو مرے بندوں
سے کہ بولا کریں (اچھی باتیں) بظاہر شاید اسی طرز عمل کی طرف ان سے اشارہ کیا گیا ہے۔ ان حاصل خواہ خواہ
دلوں میں نفرت پیدا کر کے دایہ نفروں سے بچنے قریب کرنے کے لوگوں کو بھڑکانا چاہئے۔ حتیٰ کہ اس
قسم کا فیصلہ کہ خدا کس پر رحم کرے گا، اور کسے سزا دے گا۔ کسی خاص قوم یا شخصیت کے لئے ایسے
موانع پر جاتے مفید ہونے کے معنی ہوتا ہے یا اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کو دوسری قوموں کے
بزرگوں سے غیب نام کر کے ان کی حقیر و ذلیل کا شبیہ بھی غلط شبیہ ہے فرمایا گیا ہے کہ اور تو اور خود پیغمبریں
اور نبیوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت بخشی گئی ہے یہودیوں کے پیغمبر مکران حضرت داؤد علیہ السلام کا نام
لے تو حلت کی میں شیخ اکبر نے علاوہ دوسری وصیوں کے ایک وصیت یہ بھی فرمائی ہے کہ جس کے خاں کا علم نہ ہو خواہ
وہ غیر مسلم کی بھی نہ ہو اس کی ذات سے عداوت نہ رہنی چاہئے ہیں بے اعلیٰ خواہ مسلم کے ہوں یا غیر مسلم کے قابل نفرت
ہیں انوارات جہنم علامہ

بطور مثال کے لیا گیا ہے کہ تیرہ کی دل دوزخ عاؤں کی نعمت سے ان کو سرفرازی بخشی گئی تھی۔ حاصل جس کا بغیر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی گناہ دہ دلی، فراخ چشتی کے ساتھ دوسرے اقوام و اہم کے بزرگوں کے فکا کا مسلمانوں کو اعزاز کرنا جائز تھا تو ان سے قریب ہونے کا گریہ ہے۔

بشر شرک ہی کی طرف توجہ کر کے ہوتے سمجھایا گیا ہے کہ یہاں آرزو پوری نہ ہوئی تو وہاں ہوگی۔ تم خود بناؤ کہ کیا اس مقصد میں ہر کام ہو سکتا ہے۔ لاکھوں در پر بھٹکنے اور درد کی ٹوکروں کھانے والوں میں بھی کتنے میں جو سانسے پائے جاتے تھے، یہی یقیناً بھی کہیں گے کہ ان کے دکھ ہی کا ازالہ ہوا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی۔ اس واقعہ کی افکار کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا جن کو تم نے معبود بنالیا ہے ان میں خود تراشیدہ اوہام کے سوا کچھ نہیں ہے۔ فرشتے یا بزرگوں کی رد میں جو بساط قرب سے بہت نیاؤ نزدیک ہیں لیکن باوجود اس فرسکے، عاؤں سے وہ خود مستغنی نہیں ہیں، خدا کی رحمت کے سوا ان کا بھی سرمایہ اور کچھ نہیں ہے۔ وہ ان کی سبجوں رستے میں کہ حق تعالیٰ جن باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان ہی کو دسید بنا کر ان کی رضا مندی حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں تم ان ہی کا طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتے لیکن بجائے اس کے تم کو پورج کر خدا سے بھی دور ہو رہے ہو اور ان بزرگوں سے بھی۔

پھر دوسری آخرت کا ایمان دھتیں جس کی محرومی نے شرک کو پیدا کیا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ ساری آباؤاں جو آج کہ زمین پر نظر آرہی ہیں، بہر حال فنا ہو کر رہیں گی خود مشرکوں کے قدرت اور ان کو ختم کر سکا یا ان کا عام قانون ان کو ناپید کرے لیکن ہے بہر صورت یہ مقررہ فیصلہ اور مسطور کتاب اگر موجود نہ ہو، ان کے بعد دوسری زندگی نہ ہو، تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ عالم کا یہ سلا نظام لا حاصل اور بے نتیجہ ہو کر رہ گیا اور اچھے برے عالم و مظلوم سب ہی برابر ہو گئے۔

اس موقع پر یہ سوال دلوں میں اگر پیدا ہوا، کہ ایسی سیدھی سادی دل نشین، عقل گیر باتیں جن سے آدمی کی فطرت، اس کے اندرونی احساسات سب کے سب مطمئن ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی نہ اتنے معلوم کا اصرار ان کے انکار ہی پر کیوں باقی رہا آپ چاہیں تو اس سوال کا جواب ان آیتوں میں پا سکتے ہیں جن میں اطلاع دی گئی ہے کہ نہ ماننے والوں نے تو ان سے بھی زیادہ روشن آیات اور نشانیوں کو دیکھ کر۔

انکار ہی پر اصرار کیا، مثلاً وہ مشہور تاریخی واقعہ یاد دلا گیا، جب خدا کے پیغمبر نے پتھر سے سب کے سامنے زندہ جیتی جاگتی اڑتی کو نکال کر دکھانے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ سب سے بڑی قدرت واسے خدا کا وہ نامزد ہے لیکن جو طے کئے ہوئے تھے کہ ہم نہ مانیں گے، انھوں نے اس آیت مبصرہ دیکھی کھول دینے والی نشانی کو بھی دیکھ کر پیغمبر کو خدا کا نامزد اور پیغام پہنچانے والا مانا، اور یہ تو قدیم عرب کے قابلِ تاریخ دور کا ایک واقعہ تھا۔ قرآنِ مجید لوگوں میں نازل ہو رہا تھا ان ہی کو دھمکیاں دی گئیں تم گھبرائے جاؤ گے قرآن جن پر نازل ہو رہا تھا ان کو خواب دکھا یا گیا کہ جس شہر سے تم کو نکالا گیا ہے اسی شہر میں تمہارا شاندار فاسخانہ داخل ہو گا، اور قرآن ہی میں اطلاع دی گئی، کہ جس شجر درخت کو قرآن میں گندہ اور ضیث قرار دیا گیا ہے جس سے گھن آتی ہے یعنی شرک و کفر کی باتیں اس ملعون و ضیث درخت کو اکھاڑ دیا جائے گا۔ اور یہ ساری دھمکیاں اسی پیغمبر کی طرف سے پیش ہوئیں جن کے متعلق سننے والوں کا یہ دواغی تجربہ تھا کہ جوابات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوتی ہے اور جو اطلاع دیتے ہیں کبھی غلط نہیں ہوتی مگر باوجود ان دھمکیوں سے بجائے ڈرنے کے سننے والوں کی طغیانوں اور سرکشوں ہی میں اضافہ ہو گیا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک دلچسپ سوال اس مقام کا ہے لیکن کسی رنگین و منور شکوہ سے ہلکے آنکھیں اگر نہ دیکھیں تو بے شک یہ بات محلِ حیرت ہو سکتی ہے لیکن اسی نگاہ میں جو آنکھ کی سیال سے ماؤت ہوں ان کے نہ سوچنے پر تعجب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

اب دیکھئے، سوال تو آپ کے دل میں پیدا ہوا اور چاہتے تو اس کے جواب کو شیطان اور آدم کے اس قصے سے آپ سمجھ سکتے ہیں جس کا خاص الفاظ میں یہاں بھی اعادہ کیا گیا ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ غیر اللہ کے کعبہ رسد اور اعتماد کی الائنس جس دل میں باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے اندر اسی الائنس کی راہ سے شیطان گھس جاتا ہے اور سارے عقلی احساسات پر شیطان مسلط ہو کر صحیح حقائق کی یافت سے ان کو محروم کر دیتا ہے اور یہی جواب ہے اس سوال کا کہ اتنی کھلی کھلی واضح باتیں آخر انکار کرنے والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہیں۔ قصہ کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

اِنَّ عِبَادِي لَکَیْنٌ لَّاکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ
میرے بندوں پر تیرا (اے شیطان) بس نہیں

دکھی بڑبڑا دیکھی
 چل سکتا، اور شیر اب ان کی پشت پناہی کے لئے
 کافی ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کی زندگی، خالص زندگی کے دائرہ سے باہر ہونے کی یہ قدرتی سزا مقرر کی گئی ہے کہ شیطان کو مسلط ہو جانے کا حکم باہر ہو جلنے والوں پر دے دیا جاتا ہے اور اسی باطنی سزا کا یہ اثر کہ حق و صداقت کے سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت ان لوگوں میں باقی نہیں رہتی۔

ربا یہ خیال کہ اسباب کی زنجیروں میں بکری ہوتی موجودہ زمینی زندگی میں فیر اللہ کے بھروسے اور اعتماد کی اوشنوں سے دلوں کو پاک و صاف رکھنے میں کیا آدمی کامیاب ہو سکتا ہے؟ اس کو سمجھاتے ہوئے پہلے تو یاد دہایا گیا ہے کہ اسی زندگی میں بسا اوقات ایسی گھڑیاں بھی گزرتی ہیں کہ تہ تا خالق کے سوا کسی دوسرے بھروسے کا نشانہ بھی دلوں میں باقی نہیں رہتا۔ خال میں دریائی سفر کے اس حادثے کو پیش کیا گیا ہے، جب جہاز کسی ایسے خطرے میں پھنس جاتا ہے، جب

صَلِّ مَعَنَا نَدْعُوكَ اِلَّا بِآثَا
 کہو گیا وہ سب جسے تم پکارتے تھے اللہ کے سوا

اس تجربہ کے سوا بنایا گیا ہے کہ اسباب حق پر عام حالات میں بھروسہ کرنے کا آدمی عادی ہے اور ان کو نہ پا کر گھبرائے لگتا ہے۔ ان اسباب کے متعلق یہ حکیمانہ فہم عطا فرمایا گیا ہے، کہ غرر کر دے تو حادثات اور نواح کے سوا غیر اللہ کے اس اعتماد کے نیچے نہیں اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ آخر دیکھئے سمندر میں بے اطمینانی کی جس کیفیت کو ہم اپنے اندر پاتے ہیں زمین پر پہنچ جانے کے بعد یہ کیفیت ہمارے دل میں کیوں باقی نہیں رہتی بظاہر یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ زمین تو ایک ٹکوس اور کثیف مادہ ہے جس پر پہنچنے کے بعد دوبارہ جانے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

لیکن خشکی اور تری۔ یا زمین اور سمندر کے دو مہیاں یہ فرق و امتیاز جسے ہم محسوس کرتے ہیں۔ کیا کوئی واقعہ ہے گیا در حقیقت زمین پر پہنچ جانے کے بعد اطمینان و عافیت کی واقعی ضمانت آدمی کو مل جاتی ہے۔

اس موقع پر قرآن نے سمجھایا ہے کہ آئے دن زمین پر بھی تم دیکھتے رہتے ہو کہ زلزلہ کے حوادث

پیش آتے رہتے ہیں اس وقت زمین بھی چیزوں کو اسی طرح بھگنے لگتی ہے جیسے سمندر کا پانی اپنی سطح پر بہنے والی چیزوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے۔ یا یہی زمین ہوتی ہے۔ آدمی اس پر چلتا پھرتا رہتا ہے، اچانک اسی ہوا اور فضا سے اُلوٹوں کی شکل میں سنگریزوں کی بارش ہونے لگتی ہے، قدرت پانی اور ہوا سے مرکب تجارت میں اتنی سختی اور صلابت پیدا کر دیتی ہے کہ ان کی چوٹ سے آدمی اسی حد تک متاثر ہوتا ہے جس حد تک پتھر اور سنگریزوں سے ہو سکتا ہے۔ کھوڑی چور چور ہو جاتی ہے اگر اتفاقاً کسی کھلمیدان میں اُلوٹوں کی بارش کے اندر آدمی بھنس جاتا ہے پھر سمندر اور دریا میں بے اطمینانی اور زمین پراطمینان کی کیفیت کی توجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ صرف عادت کا یہ کرشمہ ہے میری سمجھ میں تو قرآن کے ان الفاظ سے ہی آتا ہے یعنی فرمایا گیا ہے کہ

اَنَا مَتَمُّ اَنْ يُّخْشِفَ بِكُمُ جَابِلٌ
اَوْ يُمْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا
لَكُمْ كُوْنًا

کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ خشکی کے کنارے
کے ساتھ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر دلوں کی
بارش بھیج دی جائے پھر اس وقت نہ پاؤ گے تم اپنے

لے دکن اور ٹیک

بلکہ اس سے آگے بھی اگر سوچا جائے تو زندگی کے یہ تجربات یہ بتا سکتے ہیں کہ اپنے خاندان آدمی
لاکھ اقتدار و اختیار محسوس کرتا ہو لیکن اس اقتدار و اختیار پر کب اسے اختیار ہے وہ خشکی پراطمینان کی
اور سمندر و دریا میں پہنچ کر بے اطمینانی کی کیفیت اپنے اندر پاتا بھی ہو لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ حالات
پھر سمندر کے سفر پر اس کو مجبور کر کے پھر اسی بے اطمینانی کا شکار اسے نہ بنا دیں گے، پس عادت کے

۱۰ را اشارہ "حاصب" کے لفظ کی طرف ہے، عام طور پر ارباب تفسیر اس کا ترجمہ سنگریزوں یا پتھروں وغیرہ سے لیا
سے کرتے ہیں لیکن جب عربی زبان میں اُلوٹوں کو بھی حاصب کہتے ہیں تو جہاں تک میرا خیال ہے حاصب سے اُلے
گرواد لے جائیں تو عام طور پر پیش آنے والے حوادث سے یہ تفسیر زیادہ قریب ہوگی فرزدق کا شعر

مستقبلین جب الی الشام تقریبا بحاصب کذا لیت الفل منثور

اہل لغت نے حاصب کا لفظ جو اس شعر میں ہے اس سے اُلے ہی مراد لئے ہیں ۱۲

تفہن کے تحت باہر میں اطمینان کی ضمانت بھی حاصل کر لی جائے لیکن اندر کے اقتضاؤں کا کیا کرتے جو مجبور کر کے اطمینان کی حالت سے نکال کر بے اطمینانی کے ماحول میں اس کو دھکیل دیا کرتے ہیں

ذاتی الفاظ

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يَّعِدَّ كُمْ ذٰلِكَ نَارًا اٰخِرًا
مِّنْ سُلٰلٰتِ حٰلِكُمْ فَاصْبِرُوْا لِمَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ
نَبِيْرًا مَّا كُنْتُمْ تَعِدُّوْا اَلَمْ
عَلَيْنَا يَّ بَعِيْعًا

کیا تم بے خوف ہو کہ پھر اسی سلسلہ میں خدا تمہیں دہلا
داس کرے مگر وہ بھی دے پھر تم پر کوئی طوفانی چرا
پھر تمہاری ناشکری کی سزا میں نہیں اسی سلسلہ میں
دہلا دے پھر تمہارا اپنے لئے پروکار ہمارے مقابلہ میں

ان میں غور کرنے سے آپ بھی اسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ جن اسباب پر بھر دس کر کے اطمینان کی سانس لینے کا آدمی عادی ہے یہ سارا قصہ صرف عدم فکر ذائل کا نتیجہ ہے اور اطمینان دسکون کا پتہ
سرشتہ حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے، اسی کی ذات اور اسی کا ارادہ ہے جس کے فیضاً اقتدار میں
وہ سب کچھ ہے جو ہمارے باہر ہے اور وہ سب کچھ جو ہمارے اندر ہے یہی واقعہ کہ جو سمجھتے ہیں وہ بھی
جو نہیں سمجھتے ہیں وہ بھی ہر ایک کی ٹیکہ، حق تعالیٰ کی ذات مبارک ہے اسی واقعہ کے احساس کو اپنے
اندر پیدا کرنا اور اسی احساس کو مسلسل اپنے اندر زندہ اور بیدار رکھنا، یقین کی یہی کیفیت آدمی کو عبادت
(موسے بندوں) یعنی حق تعالیٰ پر بھر دس کرنے والے یا استیاز، مخلص بندوں کے دائرے میں داخل کر دیتا
ہے وعدہ کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی پسندو گیل بنا ہوا ہر حال میں پائیں گے۔ دُکُلٰی بِاللّٰہِ دُکُلٰی

آگے اسی حقیقت کا پہلے کائنات کے ایک کھلے مشاہدے کی روشنی میں نظارہ کرایا گیا ہے
یعنی آدم زاد دیکھنے میں تین ساٹھ تین ہاتھ کا ڈھانچہ پٹیوں کا ایسا ڈھانچہ نظر آتا ہے جس پر نرم نرم وخت
تذکرہ پوست کا غلاف مڑھ دیا گیا ہے۔ اس غلاف کی بال اور اون وغیرہ سے حفاظت بھی نہیں کی گئی ہے
وہ سے زیادہ نازک کہ کانٹے کی ٹکی سی ٹوک کی چھین بھی آدمی برداشت نہیں کر سکتا لیکن اسی کے ساتھ
یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی منعیف دوزار، کمزور دوزاروں وجود کائنات کے دیو مہیکل، فیل بیکر مہیتوں
پر قبضہ جاتے ہوئے ہے، پہاڑوں کو توڑ رہا ہے، سمندر کے جگر کو چاک کر رہا ہے، اونٹوں کی نھنوں

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اس کے بعد پھر ”کفی باللہ دکیلا“ یعنی وکالت و کار سازی کے لئے اللہ ہی کافی ہے اسی حقیقت کی تائید ایک کائناتی مشاہدہ یعنی بنی آدم کی عام برتری کے تماشے کو دکھا کر جو کی گئی تھی، اسی سلسلہ میں نزولِ قرآن کے زمانہ میں جو تاریخ بن رہی تھی اسی تاریخ کا ایک ورق پیش کر کے بنایا جا رہا ہے کہ پڑھنا چاہو تو اس میں بھی ”کفی باللہ دکیلا“ کی تجلیوں کے سوا دیکھو کچھ اور نظر آ رہا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو لے کر جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر زمین عرب میں کھڑے ہوئے، کون نہیں جانتا کہ تنہا کھڑے ہوئے تھے۔ بہ تدریج ساتھ دینے والوں نے کچھ ساتھ بھی دیا تو ان کی تعداد ان لوگوں کے مقابل میں کیا تھی جو قرآن کو خدا کا پیغام ماننا نہیں چاہتے تھے پھر ان نے ماننے والوں کی طرف سے اس کی بھی کوشش کی گئی کہ قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا دیا جائے، اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تب چاہا گیا کہ اس قرآن کے پیش کرنے والے ہی کو اپنے علاقہ سے سرکادیا جائے۔

مگر جن کے پاس سب کچھ تھا، وہی ناکام ہوئے، اور سمجھا جاتا تھا کہ جس کے پاس کچھ نہیں ہے دیکھا گیا کہ اسی کے گیت گانے والوں اور اس کی مدح و ستائش کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی جاتی رہے اور ترنی کرتے ہوئے وہ ہر دلعزیزی اور محبوبیت عامہ کے اسی مقام تک پہنچ گیا کہ چاہا جلتے تو محمودیت کے جس مقام عالی پر جسے کل دیکھا جلتے گا وہی ”مقام محمود“ پر آج بھی کھڑا نظر آ رہا ہے، نہ نئے والے اس کی بھوکرتے تھے بچا ہتے تھے کہ اس کی مذمت سے دنیا کے کانوں کو بھر دیں لیکن روزِ بعد اسی کی تعریف کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی، اور کون کہہ سکتا ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں عَسَىٰ اَنْ يَّيْتَنَّكَ مِنْكَ مَقَامًا“ قریب ہے کہ کھڑا کرے تیرا بھجھو کہ ”مقام محمود پر محمود“

کی جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ اس دنیا میں بھی اسی طرح پوری ہوئی کہ عرب تو عرب زمین کے کہہ کا شاہد ہی کوئی خطہ ہوگا جہاں اس کی ستائش کرنے والے اور اس کی نعت پڑھنے والوں کی کافی جات نہ پائی جاتی ہو اور حق کے مقابل میں باطل کی جس رسوائی کی خبر

قل جاء الحق و زهق الباطل ان بول بک حق آگیا اور محوٹ مٹ گیا، اور محوٹ مٹنے

عرب کی حد تک تو نزول قرآن ہی کے زمانہ میں یہ خبر واقعہ بن چکی تھی۔ اور یوں تاریخ نے پھر بیکارڈ کیا کہ اللہ کے سوا اسباب کے اند جو بھر دسوار اعتماد کی قوتیں تلاش کر رہے ہیں انھوں نے نہ دیا ہی کو سمجھا، اور جس قانون کے تحت یہ دنیا چل رہی ہے، اس قانون کی بھی صحیح یافت ان کو نہ ہوئی۔

ذیلی طور پر اسی تاریخی شہادت کے اند اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ قرآن کے نام سے جن لاہوتی علوم، افردال معارف و حقائق کو دفع عام کیا گیا ہے اور ہر کس ذاکس کی دسترس میں آج نظر آ رہا ہے ان کی یہ عمومیت کسی کو دھوکہ میں نہ ڈالے واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے پہنچانے کے لئے انھیں جیسی سیرت الی ہستی کا انتخاب قدرت کی طرف سے کیا گیا تھا خود اس پر عمل تو خیر کیا کرتے لیکن اس کے قریب جوتے تھے کہ تصور ہی بہت "مشقیں" کی حد تک ان لوگوں کی رعایت کی جائے جو قرآن ہی سے پیغمبر کو شہادینا چاہتے تھے مگر قدرت نے اس ارادے کے قریب ہونے میں بھی خود مزاحمت کی جس کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ دوسرے ہی بن کر رعایت کا یہ بلکا سا خیال بھی رہ گیا۔ پھر اطلاع دی گئی ہے کہ اس شے قلیل "پر عمل تو عمل اس خیال کے نزدیک بھی خدا نخواستہ اگر پیغمبر ہو جاتے تو ضعف المحیۃ و ضعف الممانۃ" کی سزا ان کو چکھائی جاتی یعنی اس جرم کی سزا دوسروں کو جو مل سکتی تھی اسی سزا کو ڈبل اور دو ٹوک کے قدرت ان کو چکھائی اور پیغمبر کے بلند مرتبہ کا انقضا رہے کہ نزدیکوں را پیش بود حیرانی کہنے والے نے اسی لئے تو کہا ہے کہ جن کے رہتے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے کسی وزیر کی ملکی سی اثری بھی یقیناً ایک عامی آدمی کے بدترین جرم سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر کے غیر معمولی احترام کی جو روح دھمکی کے ان الفاظ میں پوشیدہ ہے، شاید اس کے سوا اس کے اظہار کی کوئی دوسری صورت ہو بھی نہیں سکتی تھی، کوئی بڑی رعایت نہیں، بلکہ ممانت کے شے قلیل، بلکہ سے خیال اور خیال بھی نہیں بلکہ اس خیال سے صرف نزدیک پر غیر معمولی دھمکی کے ان الفاظ سے خود قرآن کی اہمیت کو جس طرح واضح کیا گیا ہے اور ایک ہی فقرے کے چند الفاظ میں قرآن اور قرآن کے پہنچانے والی کی رحمت و عظمت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے قرآنی تعبیروں کے بھی

وہ پہلو میں جن کو اعجاز کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا لینے کی کوشش کا ذکر جن الفاظ میں کیا گیا ہے۔ یہ نیچے تو ان سے پیدا ہوتے ہیں باقی زمانے والوں نے جب یہ ارادہ کیا کہ پیغمبر قرآن سے اگر نہیں ہٹتے تو ملک بدر کر کے پیغمبر ہی کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا جائے تو اس کا نتیجہ جو کچھ دکھا گیا اسے تو خیر قیامت تک پیدا ہونے والے دیکھتے اور سنتے رہیں گے لیکن ما سوا اس کے ملک بدر کرنے کے اس ارادے کے مقابلہ میں پیغمبر کو جس عمل کی تلقین اس خاص موقع پر کی گئی تھی وہ آج کل کے مسلمانوں کی خاص توجہ کا مستحق ہے۔

بڑھتے قرآن میں پیغمبر کو ملک بدر اور صلا وطن کرنے کا ارادہ جب زمانے والوں کی طرف سے کیا گیا تو پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ کیا کافرنس بلائی جائے اخبار نکالے جائیں تقریریں کی جائیں ریزولوشن پاس کئے جائیں۔ صدرائے احتجاج بلند کی جائے۔ نان کو اپریشن کی دھمکی دی جائے، سنئے، میں ترجمہ قرآن کے الفاظ کا کر دیتا ہوں

”اور قریب تھا کہ تجھے اس سرزمین میں دق کرنے میں، تاکہ نکال دیں تجھے اس سے اور تب نہ ٹھیریں گے تیری مخالفت میں مگر تھوڑے ہی دنوں میں ان لوگوں کا جنہیں ہم نے رسول بنا کر تعجب سے پہلے بھیجا اور مرے دستور میں تو غیر تبدیل نہ پاؤ گے“

ان الفاظ میں تو ان کے اس ارادے کی اطلاع دی گئی جب انھوں نے جابا کہ پیغمبر ہی کو سامنے سے ہٹا دیا جائے اب سنئے اس کے بعد فرمایا جاتا ہے

”تم نماز قائم کرتے ہو آفتاب کے ڈھلنے کے وقت سے رات کی تاریکی تک، اور پڑھو، فجر کے قرآن کو بلاشبہ فجر کا قرآن مشہور ہے۔“

”مشہور“ ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ نماز میں جو چیزیں حاضر ہو سکتی ہیں، فجر کی نماز سب کا مشہور و حضور ہوتا ہے اس میں خود نمازیوں کے قلوب اور ملائکہ دن اور رات کی نمازوں میں جن کی حضوری کا خبر حدیثوں میں دی گئی ہے ان میں سب کی حضوری کا وقت ہوتا ہے۔

بہر حال ان الفاظ میں ظہر اور رات کی تاریکی کے درمیان عصر اور مغرب کا وقت بھی آجاتا ہے۔ پانچویں

فان فہر کی ہے۔ اور صرف یہی نہیں آگے ہے۔

اولیات کے حصہ میں بھی تہجد اور تیرے لئے یہ ایک زائد کام ہے۔

الغرض ملک بدر کرنے کا ارادہ پیغمبر کے متعلق جب کہا گیا تھا تو جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے
اقم الصلوٰۃ لذیٰلہ الشمس الیٰ عتس اللیل و قرآن المغیر ان ذلک الخیر کان مشہور و اذن
اللیل فتجد بہ ناقذۃ لک کا حکم دیا گیا تھا اور اسی کے بعد نبیارت دی گئی تھی کہ محمودیت کے مقام
تک توفیق کرنی چاہئے کہ تمہارا مالک نہیں پہنچا دے لہٰذا تہجد لسنۃ اللہ محمولہ اور ”نہ بدلتے والا دستور“
قرار دیتے ہوئے قرآن میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے کیا صرف اس لئے کہا گیا تھا کہ پڑھنے والے پڑھ لیا کریں؟
اللہ ہی کو سب سے بڑا یقین کہتے ہوئے جو نمازوں میں داخل ہوتے ہیں، اور ”السلام علیکم“
کہتے ہوئے، نمازوں سے اس طرح نکلتے ہیں، کو گویا کہیں گئے ہوئے تھے اور وہاں سے واپس ہوتے
ہیں۔ اس طریقہ سے نماز پڑھنے والے کاش بخور کرتے اس دعا کے الفاظ پر جو نمازوں کے مذکور بالا
حکم کے بعد سکھائی گئی ہے ترجمہ جس کا یہ ہے۔

اے پروردگار! سچے داخل کر راستی کے داخل کے ساتھ اور باہر نکال راستی کے باہر نکالنے کے ساتھ

اور میرے لئے مقرر فرما اپنے حضور سے ایسی غائب آنے والی قوت جو میری مددگار ہو۔

یعنی سراج ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک
سلطاناً نصیراً کی مشہور دعا کو سرہا جانا اور سمجھا جانا کہ غلبہ بخشنے والی قوت کے حاصل کرنے

نے جیسا کہ قاعدہ ہے ہمارے مفسرین نے دخول و خروج کے سلسلہ میں کہ مدینہ قبراخت کے ساتھ ان قبول
کا بھی ذکر کیا ہے کہ مشرکوں کے درمیان سے خروج اہل مقام امن میں دخول و غیرہ بیسیوں چیزیں تفسیر کی کتابوں
میں مٹی ہیں لیکن ان سادے احتمالات میں اس کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا جس پر چاہئے تھا کہ سب سے پہلے نظر ثانی
آخر نماز اور نماز کے اوقات کے بعد اس دعا کو جب ہم پڑھتے ہیں تو کیوں یہ سمجھیں کہ اللہ ہی کو سب سے بڑا قرار
دے کر نازی فاذی میں جب داخل ہوتا ہے اور سورہ فاتحہ کی شکل میں اپنی درخواست بارگاہِ الہی میں پیش کرتا ہے
پھر قرآن کے کسی حصہ کو پڑھ کر اپنی درخواست کا جواب پاتا ہے۔ پھر اپنے مالک کے سامنے جھکتا اور اس کے
دقیقہ حاشیہ پر غور آندہ

کا قرآنی طریقہ کیا ہے جس کے بعد خبر دی گئی ہے کہ سچ آجاتا ہے اور جھوٹ مٹ جاتا ہے اور جھوٹ تو شیئہ نبی کے لئے ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قدموں پر سر ڈالتا ہے۔ دربار کی حضور کی سی کیفیت سامنے آتی ہے جیسے دربار میں لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں وہ بھی بیٹھتا ہے صاحب دربار یعنی حق تعالیٰ کے سامنے تحیات و سلام کو پیش کرتا ہے اس دربار میں رسائی جس ذات کے طفیل میں میرا آئی ان کو سلام کرنا ہے پھر سلام کا جواب حق تعالیٰ سے ملتا ہے آخر میں وہ اسی پیر اور ان کے لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے جن کی بدولت قرب کے اس مقام تک اسے رسائی حاصل ہوئی، اسی پر ناز و خرم پیدا ہوتا ہے جس کے بعد پیر ان ہی لوگوں میں جانا آتا ہے جن کے یوں سے سفر کر کے ہر حق عالم میں چلا گیا تھا سب کو سلام دے گا، دخول و خروج کی یہ کتنی عادت واضح شکل ہے لیکن ہم مگر کتنے ہیں جو ناز میں اس طرح داخل ہوتے ہیں ان سے مطالبہ صرف یہ کیا گیا کہ کسی غیر کو نہیں صرف اپنے رب کو خندہ منہ کے لئے اس دنیا سے ہٹا کر حق تعالیٰ کے سامنے کرکھڑا کریں لیکن آؤ کہ درجہ نہیں سمجھتے وہ آنکھیں بند کر کے شاید خدا کو اپنے سامنے لانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کس سے غائب ہے ہاں ہم اپنی ناز سے غائب ہو جاتے ہیں پس دخولِ صدق کی دعا کی سب سے زیادہ ضرورت غالباً ناز ہی میں ہے۔ ۱۷

ایک مفید اعلان طبی بورڈ

دئی کے تجربہ کار اور مشہور خاندانی حکیموں کا یہ بورڈ صرف اس لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ آپ گھر بیٹھے دئی کے قابل حکیموں کے مشورہ اور ان کی متفقہ رائے سے اپنے مرض کا صحیح علاج کرا سکیں۔ اور طبی بورڈ کے متفقہ فیصلہ کے بعد جو بہترین دوا تجویز ہوگی اس کو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ ۱۔ مشورہ کی کوئی فیس نہیں۔ ۲۔ خط و کتابت پوشیدہ رہے گی۔ ۳۔ اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے۔

طبی بورڈ۔ نور گنج۔ دہلی ۷

مختار بن ابی عبید الشقی

(ڈاکٹر خورشید احمد فاروق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

(ج) بصرہ میں مختار کی تحریک

قواہن خمیسوں کا جو رمضان ۴۰ھ میں ابن زیاد سے لڑنے سلیمان بن مرثد کی قیادت میں کوفہ سے روانہ ہوئے تھے پہلے فکر ہو چکا ہے، ان لوگوں کا ابن زیاد سے عین وردہ پر مقابلہ ہوا سلیمان بن مرثد اور اکثر قواہن مارے گئے۔ سلیمان کا نائب اور خلیفہ منشی ابن مخزوم عبید بن جراح تھا۔ بقیۃ السیف نو ابن کے ساتھ کوفہ لوٹ آیا اس ہم پر بصرہ کے شیعوں کی بھی ایک جماعت گئی تھی اس میں سے بھی کچھ لوگ بچ گئے اور بصرہ لوٹ آئے۔ منشی جب وہاں پہنچا تو مختار کو کوفہ کی قید میں تھا اور اس کی تحریک خلافت و انتقام اہل بیت سرعت کے ساتھ پھیل رہی تھی، منشی مع اپنے ساتھیوں اس تحریک میں غم نہ ہو گیا، قید خانہ میں مختار سے مل کر بیعت کی اور اس کا سرگرم کارکن بن گیا۔ قید سے نکل کر مختار نے اس کو بصرہ جا کر شیعوں میں نئی تحریک اہل بیت کی اشاعت پر مامور کیا، منشی کا بصرہ کے شیعوں نے خیر مقدم کیا اس نے ایک شیعہ مسجد کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا، وہاں شیعوں کی امت کو تار اور مختار کے مشن کی اشاعت بصرہ کے اکثر لوگ عثمانی میلان کے تھے اور اہل بیت کی نسبت مل کو بیجا سے زیادہ لگاؤ تھا پھر بھی ایک اقلیت میمان اہل بیت کی وہاں تھی۔ منشی کے ہم خیال بڑھ گئے اور وہ بصرہ کی حکومت الٹنے کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا جب کوفہ میں مختار کو کامیابی ہوئی اور حکومت اس کے ہاتھ میں آگئی تو منشی حکومت الٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ ابن زبیر کے گورنر حارث بن عبد اللہ معروف بقبایع کو جب اس کے باغیانہ ارادوں کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے پولیس افسر کو ایک ہر سالہ کے ساتھ

مثنیٰ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے بھیا مختار کی مثال کی پر دی کرتے ہوئے مثنیٰ نے اپنا ایک افسر غالبہ کے لئے مامور کیا جس نے پولیس افسر کو شکست دی (کوڈ میں ابن اشتر نے پولیس افسر کو قتل کر دیا تھا) اب معاملہ سنگین ہو گیا بصرہ میں جگی نفا پیدا ہو گئی، بصرہ میں کوڈ سے زیادہ قبائلی نزاع اور رقابتیں تھیں رجبہ اور نزار، شمالی عرب و جنوبی عرب کے امتیازات عربوں کی زندگی کو زیر و زبر کرتے ہوئے تھے، مثنیٰ کے شیعوں میں قبیلہ عبدالقیس کے ہیبت سے لوگ تھے مشہور عاقل سردار احف بن قیس کو قبیلہ مغویہ کے سپاہیوں کے ساتھ گورنر نے مثنیٰ سے لڑنے بھیا اور رجبہ اور بکر بن وائل میں بڑی عداوت تھی، مثنیٰ کو شکست ہوئی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے عبدالقیس (بکر بن وائل کے حصہ) میں پناہ لی بکر بن وائل کے نامور سردار مالک بن مسیع یہ کہاں برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے قبیلہ کی پناہ میں آئے نہ انوں سے قرض کیا جائے، چنانچہ وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ احف کے مقابلہ پر نکل آیا اس کو شہر کی تحریک سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن عربوں میں ہمان، پروسی اور بالخصوص ہم نسب ہمان و پروسی کے حقوق ہر حق سے زیادہ تھے اور بکر بن وائل کے مالک بن مسیع کی قیادت میں نکلنے کا سب سے بڑا محرک یہی تھا۔ قریب تھا کہ بصرہ کے قبائلی عناصر ایک ہونک باہمی آویزش میں گرفتار ہو جائے کہ کوڈ کے سابق گورنر ابن مطیع (جس کو مختار نے نکال دیا تھا) ابن زبیر کے نامزد گورنر زحارث (جو ابن زبیر کے در سے ملوث ہونے کی بجائے بصرہ آگیا تھا) اور دوسرے مقامی مجتہد رولوگوں نے مصالحت کرادی مثنیٰ اور اس کے ساتھیوں سے کہہ دیا گیا کہ چونکہ ^{عامہ} شہر کی تحریک سے دلچسپی نہیں رکھتی اور نہ ہماری قوت کم ہے نہ شہر چھوڑ کر کوڈ چلے جائے، مثنیٰ شکست کھا کر خود یہ محسوس کر چکا تھا چنانچہ وہ کوڈ چلا گیا اور اپنی طبیعت موت کر گیا، کوڈ جا کر اس نے احف کی جو گورنر بصرہ کے حکم سے فوج لے کر میدان میں آگیا تھا مختار سے شکایت کی اور مالک بن مسیع کی جس نے شکست کے بعد اس کو اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دی تھی ترغیب کی۔

مختار کو مثنیٰ کی ناکامی کا افسوس ہوا، بصرہ اور کوڈ بہن بھائی تھے، دونوں قبائلی عرب قوت کے سب سے بڑے مرکز تھے، عراق و فارس کے ابتدائی ماسخوں نے ان کو آباد کیا تھا بصرہ کو اسلام میں کوڈ کو شہر میں ان میں سے ہر ایک کے تحت میں مشرق کے بڑے بڑے صوبے تھے جن کے محصولات سے

یہاں کے کئی لاکھ عرب فاتحانہ شان سے زلف کی گزارنے تھے اور مفتوحہ علاقوں میں اکثر واقع ہوئے والی بناؤں کو فرو کرنے یا نئے علاقوں کو فتح کرنے جاتے رہتے تھے ان کی عسکری و قبائلی اہمیت مملکت عرب میں سب سے زیادہ تھی بصرہ نے حبشہ اک پہلے بیان ہوا ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی، پچھلے آٹھ دس سالوں یعنی ۷۱۵ء اور ۷۱۶ء کے درمیان دونوں ایک گورنر کے ماتحت رہتے تھے زبیر کی موت کے بعد بصرہ اور ماتحت علاقوں نے ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی اور ابن زبیر سے محمد کے تعلقات محض ڈپلومیٹک تھے مختار کو سب سے بڑا خطرہ بصرہ سے تھا جازیں اول تو کسی بڑی لشکر کشی کی صلاحیت نہ تھی (عربیت کی وجہ سے) دوسرے ابن زبیر کو شام کا ہولناک دشمن اس کی اجازت نہ دیتا اور تیسرے جاز سے عہدہ براہو نامہ نسبتاً آسان تھا اس کو لفظ نشہ و حقیقت یہ تھا کہ ابن زبیر کے حکم سے بصرہ کا گورنر کوئی فوج بھیجے جس سے نہ صرف یہ کہ مقابلہ ہائیت سخت ہو نہ صرف یہ کہ جس سے لڑنے کی کوفہ کے عربوں میں سچی انگ نہ ہو بلکہ جن سے لڑ کر وہ خود اتنا کمزور ہو جائے کہ شامی دشمن پر غلبہ نہ پاسکے

مثنیٰ کی ناکامی کو مکمل تھی گو کہ بصرہ میں اس کے ہم خیال اتنے کم تھے کہ وہاں اس کا قیام ناممکن ہو گیا تاہم مختار نے اپنی اہامی شان، اپنے روحانی جلال سے وہاں کے لوگوں کو تھپکتے رہنا مناسب سمجھا اگر وہ عملی طور پر اس کا ساتھ نہ دے سکے تو عملی طور پر اس کی مخالفت بھی نہ کریں، اس کے لئے یہی کافی تھا اس کو مثنیٰ سے معلوم ہوا تھا کہ آصف بن قیس اپنا قبیلہ لے کر اس کے مقابلہ کو آگیا تھا، اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جریر بن وائل کے قبائلی سردار مالک بن مسیع اور زیاد بن عمرو عکلی نے اس کو پناہ دی اور آخر وقت تک اس کی حفاظت کی۔ اس نے ان قبائلی سرداروں کی وفاداری حاصل کرنے یا کم از کم ان کو بے ضرر رکھنے کے لئے انہیں منصوبوں پر لے بیٹھنے ان کی کچھ تفصیل تاریخ میں محفوظ رہ گئی ہے، آصف کو جو تنبیہ مفر کا سردار تھا ذیل کا حفظ قرآنی اسلوب میں بھیجا: ربیعہ اور مضر کی ماں کا برابر اس برے کام کی وجہ سے جو دغا ہوا مثنیٰ کے مقابلہ میں ان کے خروج کی طرف اشارہ ہے، بلاشبہ آصف اپنی قوم کو سفر (دور رخ) کی طرف لئے جا رہا ہے اور تقدیر کو بدل نہیں سکتا اور نہ اس پیشین گوئی کو جو آسمانی کتابوں میں ہو چکی ہے میری جان کی قسم، اگر تم نے مجھ سے لڑائی کی اور مجھے کذاب کہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، مجھ سے پہلے بہت سے برگزیدہ (انبیاء) لوگوں

کو چھوڑا گیا ہے اور میں ان سے بہتر کب ہوں؟

مالک بن شمع اور زیاد بن عمروؓ کی کڑھیں ہوئے خطوط کے یہ الفاظ زندہ رہ گئے ہیں: میری بات مانو اور اطاعت کرو اور جو کچھ بتایا جائے اس کے بہترین حصہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہو اگر تم نے ایسا کیا تو دنیا میں جو چاہو گے تم کو دوں گا اور جب مرو گے تو تمہارے لئے جنت کا صاف منہ ہوں گا۔ مالک یہ خط پڑھ کر ہنسنا اور زیاد سے بولا: "تقیق کا بھائی (فخار) ہمارے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آیا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں دے رہا ہے۔" یہ سن کر زیاد ہنسنا اور مسخر سے کہنے لگا: "ہم ادھار کے وعدہ پر نہیں لڑتے (یعنی فخر کے ساتھ ہو کر) جو نقد دے گا اس کے ساتھ لڑیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا فخر کے پلٹنے کا گرنہ ہوئے اور سال بھر بعد جب مصعب بن زبیر جس نے بھرہ آئے ہی بے مثال فیاضی سے کام لیا اور سال میں ایک عطائی بجلے دے عطا کر دینے کی رسم طوائف فخر سے لڑنے لگے تو مالک کے حبيب سے تلے مجبور وائل کا قبیلہ اور زیاد بن عمروؓ کی قیادت میں بھرہ کا زوق پیدا ہوا، مصعب کے نقد ہونے فخر کے ادوار پر غلبہ پایا۔"

(۳) فخر کی لڑائیاں اور عسکری تدبیر

فخر کا دور اقتدار بقول مصنف استیجاب (حاشیہ اصناف ۳/۵۳۶) سولہ ماہ بحساب طبری مصنف اخبار الطوال: شمارہ ماہ اور تبصریح بقدری مصنف انسب الاسترات چھپیس ماہ ہے اس مختصر عرصہ میں اس کی فوہیں آٹھ سو چوں پر لڑیں اور دو پر محض ڈبل میٹیک کامیابی حاصل کر کے لوٹ آئیں ان میں سے پہلی لڑائی اس کے قبائل کاؤینہ بنی اور آخری اس کی تباہی کا۔ ان لڑائیوں کے اسباب اور سباق و سباق پہلے ذکر ہو چکے ہیں یہاں ان کے متعلق دو سری مفید و اہم تفصیلات پیش کی جاتیں گی اور فخر کی عسکری تدبیر پر ریویو ہو گا، ان لڑائیوں کے عنوانات اور جزئیاتی موقوفے یہ ہیں۔

۱۔ کوذ کی جنگ جس میں فخر نے موالی اور شعیوں کی مدد سے ابن زبیر کے گورنار ابن مطیع کو نکال کر حکومت پر قبضہ کیا یہ سال ۶۷۱ء میں واقع ہوئی۔

۲۔ زید بن انس اور ابن زیاد کی جنگ جو جزیرہ میں واقع ہوئی جس میں زید ہارثہ بیماری مرا اور اس

باہمی جنگ کا سرغذ ہے اور اول و آخر ہے اس کو ہٹنے کا موقع نہ دیا جائے حتیٰ کہ قتل ہوا ابن درس نے عباد سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا محبوبہ عباد نے اپنے غلاموں اور موالیٰ کو جن کی تعداد سات سو تھی ساتھ لے کر تیار کیا اور کہا: ان لوگوں سے لڑنے چلو کہ جو نہ محصور ہو کر ہر قوم شکست کھاتی ہے! لڑائی ہوئی جس میں ابن درس کے ہزار سے زیادہ سپاہی مارے گئے اور عباد کے ساتھیوں میں سے صرف ایک موالیٰ کام آیا ابن درس شکست کھا کر بھاگتا تو ارد گرد کے بدو قبیلے اس پر ٹوٹ پڑے اس کو ہار لیا اور اس کی بیویوں کو غلاموں کے گھاٹ تار دیا، ابن درس بھد خرابی کو ذیہیچہ۔ غمار کے دو ہزار سے زیادہ منتخب سوار اس جنگ میں ضائع ہوئے۔

۷۔ جنگ مذار۔ یہ زیریں عراق کے ضلع میسان کا جگہ سمیت رکھنے والا ایک شہر تھا جو بیڑ اور واسط کے درمیان واقع تھا۔ غمار کو جب علم ہوا کہ کوذ کے مفرد قبائلی سردار بصرہ میں مصعب بن زبیر اور جہنب کی قیادت میں ایک زبردست فوج لے کر کوذ پر حملہ کرنے والے ہیں تو اس نے عسکری مصلحت کے ماسمت خود بصرہ پر اپنی قدیم زمین مخلص اور مجرب فوجی افسران کی کمان میں بروایت الساب ۳/۴۷۵ جالس ہزار فوج اور بقول مصنف اخبار الطول ۷/۳۰۰ ساٹھ ہزار فوج بھیجی تاکہ دشمن کو اس کے مرکز ہی میں شکست دے دی جائے اس فوج میں غیر عربوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی یہ فوج بری طرح شکست کھا کر بپا ہوئی، پسپا ہونے کے بعد مفرد کوذ نے اس کا تعاقب کیا اور اکثر کوذ تیغ کر ڈالا اس جنگ میں عبید اللہ بن علیؓ (بقول بعض عمر بن علیؓ) جو غمار سے ناراض ہو کر مصعب سے جا ملے تھے کوذ کی فوجوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے یا قوت نے معجم البلدان ۸۳/۴ پر لکھا ہے کہ مذار میں عبید اللہ بن علیؓ کی قبر ہے جس کی زیارت کرنے در در دور سے لوگ آتے ہیں۔

۸۔ جنگ سیحون۔ سردار کوذ، یہ جنگ مذار کا تہ ہے سیحون کوذ اور قادسیہ کے درمیان ایک فوجی اجتماع رکھنے والی جگہ تھی جہاں اسلام سے پہلے کسروی شاہنشاہوں کے مسلم دشمنے رکھے جاتے تھے سردار کوذ کے بہر دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا کوذ کی سھلا

۹۔ الساب ۵/۶۶۸ معجم البلدان ۸۳/۴۷۵ لکھا ہے ۲/۲۵۶ عبد اللہ بن علیؓ نے ایں ۱۹۰/۵۰ ایضاً ۲/۲۵۶

کمل کرنے کے بعد مختلف نے یہاں اپنا کیمپ نصب کیا تھا، مصعب کی فوجیں چھ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم تھیں قلب زیر کمان مصعب، مسیرہ، سمینہ زیر کمان ہشام بن علی صفرو، رسالہ زیر کمان عباد بن حصین، پیادے زیر کمان مقابل بن مسیح کو ذکے مفردین زیر کمان محمد بن اشعث، مختار نے مقابلہ کیا پھر کو ذکے قلعہ میں محصور ہو گیا اور بقول بعض چالیس دن تک محصور رہ کر جب الٹا گیا تو نکل کر مقابلہ کیا اور لڑا ہوا مارا گیا۔

ان آٹھ لڑائیوں کے علاوہ مختار کی طرف سے چھوٹی چھوٹی متعدد پیشقدمیاں ہوئیں، کچھ تو قاضی بن حسین کی گرفتاری کے لئے، دوسرے مختار کے مقابلہ میں باسچو آہن پوشوں کا ایک رسالہ ابن زبیر کے ہمدرد کو ذکے کو ذکے کو ذکے کرنے اور دوسرا ابن الحنفیہ کو قید زمرہ سے رہا کرنے روانہ کیا گیا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ان آٹھ لڑائیوں میں سے تین کو ذکے واقع ہوئیں، دوسرے جزیرہ میں، ایک بصرہ کے قریب، اور دوسرے قازم بنان میں جنگ خازر اور جنگ مذار نہ صرف یہ کہ اپنی شدت اور طرفین کی تباہی کے اعتبار سے بقیہ سب جنگوں سے بازی لے گئیں بلکہ اس لحاظ سے بھی ان کی اہمیت بہت ہے کہ ختم خازر مختار کے دنیا کی اقتدار اور روحانی فتح کا نصف الٹا ہے اور شکست مذار ان کے زوال کی شام، فتح خازر نے نہ صرف یہ کہ بنو امیہ اور ابن زیاد سے قتل حسین کا بدلہ لیا بلکہ اس کی روحانی دماغ کی بنیادیں بری طرح ہلا دیں اور ان کی مشین گولی اور جھنڈے کی خواری کا قصہ ہم پڑھ چکے ہیں) اس کے مخالفین کے حوصلے بڑھا دیئے، اس کے معتقدین کے حوصلے بہت کر دئے اور خود اس کی اپنی خود اعتمادی پر کاری ضرب لگائی۔

ان جنگوں میں اور یہ اٹھارہ ماہ کے مختصر عرصہ میں فی جنگ دو ماہ کے حساب سے روٹا ہوا تھا کہ تقریباً نوے ہزار آدمی کام آئے جن میں غالباً موالی اور غلاموں کی اکثریت تھی اور شاید اسی قدر جانفروغ نانی کی بھی صنائع ہوئیں، اعداد و شمار ہم کو حیرت ناک نظر آئے ہیں لیکن حقیقت میں ایسے نہیں ہیں، غلاموں کے بے قید و بند کے زیر اثر آبادی اس سرعت سے بڑھ رہی تھی کہ اس کی روک تھام کا ایک قدرتی ذریعہ (مہینہ، طاعون اور قحط کے علاوہ) جنگ اور اس کی انسانی قربانی میں تھک سٹھ میں جب بصرہ آبلو ہوا تو چند ہزار عربوں پر مشتمل تھک سٹھ میں جب کو ذکے آباد ہوا تو اس کی آبادی جس ہزار کے انداز میں تھی آباد

بن سمیت کی گورنری بصرہ اور کوٹہ کے زمانہ میں (۱۹۳۴ء) بصرہ کی آبادی دو لاکھ اور کوٹہ کی ایک لاکھ پچاس ہزار تھیں۔ ان میں ایک بہت بڑی تعداد غلاموں اور غلاموں کی بیٹیوں اور کنزیت ایسے لوگوں کی وجہ سے باپ اور غیر عرب (غلام) ماں سے پیدا ہوئے تھے عربوں کے باہمی جھگڑے قبائلی دشمنیوں اور حسدوں کی بنا پر ابتدائے اسلام سے بڑی کثرت سے ہوتے رہے اور یہ غیر ہندوئی افزائش ان جھگڑوں کی آگ کو آسانی بخش کا تھی اور پھر ان کا ایندھن بنتی صرف جنگ صفتین میں جو حضرت علی اور معاویہ کے مابین شکست میں ہوئی قدرت نے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ لوگوں کو لٹکانے لگا کر آبادی کے اس خوفناک سیلاب کی تباہ کاریوں کو روکا۔

ان جگہوں میں صرف پہلی اور آخری جنگ ہمارے خود لڑی بغیر سب اس کے فوجی جنروں کے ماتحت ہوئیں اور یہ عجیب بات ہے کہ پہلی جنگ کی کمان سے اس نے فوت حاصل کی اور دوسری دائری کی کمان میں وہ فوت سے محروم ہوا جہاں تک اس کی لڑائیوں کا ذکر تاریخ میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس فن میں ماہر تھا، جنگ میں وہ محض قہوار، ہتھیار باقاعدہ نہیں پرچھوڑتا بلکہ ٹھہر کر بھی کام میں آتا اور دشمن فوجوں کی نفسیات کو مد نظر رکھ کر عسکری چالیں چلتا تھا پہلی جنگ میں جو اس کی زیر کمان کوٹہ میں ہوئی اس کی عسکری تدبیر کی وہ مثالیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے ماتحت افسروں کو چھوٹے چھوٹے نیرنگام دستوں سے دشمن کا مقابلہ کرنے کی تاکید کرتا تھا اور کسی ایک مورچہ پر فوج اکٹھا کرنے کی بجائے چھوٹے چھوٹے دستوں سے یکے بعد دیگرے دشمن کی مقاومت اور قوت کا ارکڑی کو کمزور کرنے کی پالیسی پر عمل کرتا تھا، دوسرے یہ کہ فوج کوٹہ کی جنگ میں جب دشمن کا دباؤ اس کے شہر سے باہر کی فوجوں پر بڑھنے لگا تو اس نے متعدد دوسرے دشمن کی پیش قدمی کرنے والی فوجوں سے شکرہ وغیرہ شہر جا کر عساکر کا حاصرہ کرنے اور محنت سے ٹھکرانے بھیجے اور یہ تدبیر نہایت کارآمد ثابت ہوئی ایک طرف دشمن دستوں سے ٹھکر گیا دوسری طرف تمام اس کے ہتھیاروں کی نزدیکی آگیا اور بہت جلد شہر پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس لڑائی میں اپنی قوت برحق نے اور دشمن کی قوت پر ضرب لگا کر اس نے ایک اور

انوکھی تدبیر اختیار کی جو آنحضرتؐ طائف کے محاصرہ (مشہور) کے موقع پر استعمال کر چکے تھے اور وہ تدبیر یہ تھی کہ اس نے شہر میں منادی کرادی کہ جو غلام ہم سے آئے گا وہ آزاد ہے۔ اس پیغامِ رحمت کو سُن کر ہزاروں غلام بھاگ آئے اور آزادی و مساویہ حقوق کی دلولہ انگیز امید میں دل و جان سے اس کی اطاعت میں شریک ہو گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آنحضرتؐ اور مختار کے علاوہ کسی نے اس طریقے پر عمل کیا ہو۔

میدانِ جنگ کو بھیجنے وقت وہ بالعموم اپنی فوج کے سب سالاروں کو عسکری تدبیر اور طرزِ عمل کے بارے میں ہدایت دیتا تھا، جزیرہ کی پہلی طرانی میں ابن زیاد کے مقابلہ میں بھیجتے وقت اس نے اپنے سب سالارِ زیرِ بنِ انس کو یہ ہدایت کی تھی۔

۱۔ میدانِ جنگ میں پہنچ کر دشمن سے زیادہ بحث مباحثہ نہ کرنا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فریقین لڑنے سے پہلے ایک دوسرے کو اپنے ملک کی حقانیت بنا کر اپنی جانب مائل کرتے یا فوجوں میں بد لطیفی پھیلانے کی کوشش کرتے جیسا کہ جنگِ صفین میں لَاتَحْکُمُ إِلَّا بِاللّٰہِ کا نعرہ بلند کر کے کی گئی تھی اس طرزِ عمل سے دشمن کو تیرہ کی قوت کا اندازہ لگانے اور اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے اس کی فوجوں کے حوصلے سست کرنے کا موقع مل جاتا، مختار کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو اپنی تعداد اور ہتھیاروں سے باخبر کئے بغیر اندھا دھند جارحانہ حملہ کر کے اس کی قوت کا رک رک دگی کو مفلوج کر دیا جائے، اور جارحانہ اقدام کا موقع اپنے ہاتھ میں رکھنا۔

۲۔ دشمن کو کامیابی سے حملہ کرنے کا موقع نہ دینا۔

۳۔ میں فوجی دستے یکے بعد دیگرے مسلسل تہارے پاس بھیجا رہوں گا اس سے تہاری قوت میں اضافہ ہوگا، تہاری فوج کے حوصلے بڑھیں گے اور تہارے دشمن کے حوصلے سست ہوں گے ابن زیاد سے جزیرہ کی دوسری حبیب جنگ لڑنے پر اس میں اقتدار کو بھیجتے وقت اس نے کہا میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ

۱- اپنے ہر ظاہر و مخفی کام میں خدا سے ڈرنے رہنا۔

۲- بہت تیز تیر جاؤ تاکہ کوڈ کے حدود سے بہت دور دشمن سے مقابلہ ہو مختار اپنے خانگی محاذ کی سلامتی اور غیر شہمی عناصر کی ممکن بغاوت سے بچنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرنا تھا کہ دشمن کا مقابلہ کوڈ سے دور ہو، اس پالیسی کے پیش نظر اس نے بھرہ کی فوجی جھاڑی تزار پر مقابلہ کرنے میں پیش قدمی کی تھی اور یہ پسند نہ کیا تھا کہ مقصد کوڈ کے باہر اس سے لڑے۔

۳- جب دشمن کے پاس پہنچ جاؤ تو جتنا خیر اس پر حملہ کرو، مگر رات کو اس کے پاس پہنچو اور ممکن ہو قورات ہی میں اس پر شب خون مارو، مگر دن میں مقابلہ ہو تو اس کو رات آنے کی جہالت دو دینے ان ہدایتوں کا مقصد دشمن کے ہاتھ پر پھلانا اور اس کو بدحواس کر کے اس کی عسکری تنظیم کا کڑی کو درہم برہم کرنا تھا، اس قسم کی طوفانی لڑائی ہمیشہ اُس فزیتی کے لئے مفید ہوتی ہے جس کی تعداد فزیتی مخالف سے کم ہو جیسا کہ شام کی دو فزیتیوں میں مختار کی کم ہمتی اس کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ زیادہ قتل و غارت ہوئے بغیر جنگ کا جلد فیصلہ ہو جاتا تھا یا طوفانی شان سے بڑھنے والا فزیتی دشمن کو بدحواس کر کے فرار پر مجبور کرتا یا خود کٹ جاتا، اس عسکری طرز عمل میں پہلی قسم کے امکانات زیادہ تھے جیسا کہ جزیرہ کی دونوں جنگوں میں ہوا اور دوسری قسم کی صورت حال جنگ نزار اور جنگ کوڈ میں مختار کے خلاف رد ہوا۔

۶ مہری ۱۴۰۰ھ

سلسلہ تالیف و جملت بنی عربیہ صلیم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید ایڈیشن جس میں اخلاق سرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب مہر علی شاہ کا سلام بد درگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے قیمت

۱۲ روپے
عمر محمد علی بقیہ حصص خلافت راشدہ ہے خلافت بنی امیہ ہے خلافت ہنسیا، خلافت عباسیہ اول
تاریخ مغل خلافت عثمانیہ
۲۲

اقبال کا فلسفہ خودی اور فلاسفہ مغرب

از

(جناب مظفر شاہ خاں صاحب ایم۔ اے)

علامہ کی شاعری، فلسفیانہ نکات کے توہمیں و تشریحی نوٹ ہیں ان کا پیام خودی و حقیقت ایک زبردست مابعد الطبیعیاتی نظریہ ہے جو اس سے قبل مغربی فلسفہ میں مستحکم ارتقا کے نام سے موسوم رہا ہے، اقبال نے اسے اساسی طور پر تو اسی کی اتباع کی ہے مگر اس کو اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے۔

قرآن حکیم فرمانا ہے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْقًا ۚ فَرَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّفْثَةَ عِلْقَةً خَلَقْنَا الْعِلْقَةَ مِصْقَةً فَخَلَقْنَا الْمِصْقَةَ عِظًا نَكْسَرُهَا الْعِظَاطُ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا خَلْقُكُمْ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْقَةٍ ثُمَّ مِنْ عِلْقَةٍ ثُمَّ مِنْ مِصْقَةٍ وَقَدْ رَفِيَ الْأَسْحَابُ مَا أَنشَأْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ خَرَجْنَاكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِيَبْلُوَكُمْ أَتَّخَذْتُمْ خُلَاقًا آخَرَ ۚ چنانچہ ان آیات کی تفسیر مولانا روم اس طرح کرتے ہیں۔

آدمی اول بہ اقصیم جمادِ وز جمادی و زبانی اوفناد

سالمہ اندر بنائی عمر... کردِ جمادی یا وھا درد از نبرد

دو زبانی جو بہ حیوان اوفناد نامدش حالِ بنائی هیچ یاد

خبر، یہاں میں کہ دارد سوتے حق خاصہ دردِ وقتِ بہاراں صبریاں

باز از حیوان سوتے انسانیش ہی کشد آن خاصے کہ دانیش

ہم چنین اقصیم تا اقصیم رقت تا نشد کنوں عاقل و دانا و رقت

عقل ہائے اولیش یاد نیست ہم ازین عفتش بچوں کرد نیست

کاربردِ ربی عقل بجز طرحی و طلب نقد ہزاراں عقل بیدار بوالعجب

منشی مولوی دتتر جام

اقبال اپنے مرشدِ رومی کی طرح اس کے متقدم ہیں کہ انسان متعدد منازل طے کرتا ہوا اس حلقہٴ انسانیت پر فائز ہوا ہے اور وہ ابھی برابر ترقی کر رہا ہے ”ہم ازیں عقلش تحول کردنی ست“ یہاں تک کہ وہ آئندہ نئی کرتے کرتے ایک ملکوتی درجہ (فوق البشر) پر پہنچ جائے گا جو روحانیت و جسمانیت کا مجموعہ ہوگا اسی باعث وہ انسان کے مادی و جسمانی عنصر کو خالی اندر دھانی کو ابدی تصور کرتے ہیں۔

جو ہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں خاک ہونا ہو مقدر جس کا وہ گھوٹ نہیں

ہاں اس درجہ پر فائز ہونے کے لئے فرد کو کمال ہونا چاہئے، اس مرتبے کے حصول کا فدیہ وہ

خودی کو بتائے ہیں، اس کی تربیتِ حیاتِ انسانی کا سب سے عظیم نصب العین ہے، انسان جس قدر اس کے حصول کی کوشش کرتا جاتا ہے، اسی قدر وہ اس مرتبے سے قریب تر ہوتا جاتا ہے اور ملکوتی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اہل حق اس سے دور ہوتا ہے تا ہی حیوانیت میں پھنسا جاتا ہے۔

علامہ کے اہل دونوں نظریوں کی بنیاد فلسفہ مغرب کے عظیم ترین نظریہ ”ارتقا“ پر مبنی ہے، وہ پہلے اس نظریہ ارتقا اور فوق البشر کی توجیہ خود ان الفاظ میں کر چکے ہیں۔

لیکن وہ (انسان) ابھی فردِ کامل نہیں ہے، اگرچہ فی الحال ایسے افراد کا وجود ہمارے تخیل کے علاوہ دوسری جگہ نہیں پایا جاتا لیکن انسانیت کا تاریخی نشوونما اس بات کی دلیل ہے کہ مادہ آئندہ میں افزو بکثرت کی ایسی نسل پیدا ہوگی جو حقیقی معنی میں خلافتِ دنیا بیتِ الہیہ کی اہل ہوگی۔

اقبال کا نظریہ تاریخی ارتقا اگرچہ بظاہر مغربی فلسفہ کے اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں برگساں اور نیٹشے سے کہیں پہلے سے مرشدِ کامل (رومی) کے یہاں دیکھ چکے تھے چنانچہ وہ ڈاکٹر نکلسن کے موصومہ خط میں لکھتے ہیں ”وہ انسانِ کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا یہ وہ ہے کہ اس نے غلط بحث کر کے مرے انسانِ کامل اور جرمِ منکر کے فوق انسان کو ایک ہی چیز زمین کر دیا ہے میں نے آج سے تقریباً بیس سال قبل انسانِ کامل کے منصوبہٴ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ دو فائدہ ہے جب نہ تو نیٹشے کے عقاید کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظروں سے گزرتی تھیں“ یہاں اقبال کے فردِ کامل اور نیٹشے کے فوق البشر پر کوئی تاریخی بحث و نظر مفصود نہیں ہے بلکہ

جس منکر اور ہندی منکر کے نظریات پر تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

پیشینہ دھرم موت مرد اس نے برگسن ہی کے تخلیقی ارتقاء سے اپنے فوق البشر کو اخذ کیا ہے۔ برگسن کا نظریہ تخلیقی ارتقاء حقیقتاً اس کے فلسفہ تفسیر کی ایک اہم کڑی ہے جس پر اس کے تمام فلسفیانہ نظریات کی علامت کھڑی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

”حیات اپنی ترقی کی مناسبت سے بے شمار مظاہر میں رونما ہوتی ہے یہ مظاہر اپنے مشترک ماضی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔“

تو اسے پیمانہ امرزد و فردا سے مذاہب جادواں، ہیہم دواں، ہرہم جواں کی زندگی (اقبال) بھی بھی ایک دوسرے کے مخالف و متضاد ہیں اسی وجہ سے انواع کا اختلاف بڑھتا ہی رہتا ہے بعض انواع کی ترقی مسدود ہو گئی ہے، بعض انواع رجعت کر رہی ہیں ارتقاء محض ایک استدراجی حرکت نہیں ہے۔ گھڑ سوروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حرکت مسدود ہو جاتی ہے بلکہ اس میں انحراف اور رجعت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ترقی جو رہی ہے۔“ (برگسن)

اقبال کے فرد کمال کی بنیاد بھی اسی تخلیقی ارتقاء پر ہے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ انسانیت کا تدبیک فساد و فنا اس بات کی دلیل ہے کہ زمانہ آئندہ میں افراد یکساں کی ایسی نسل پیدا ہوگی جو حقیقی معنوں میں خلافت و نبیت الہیہ کی اہل ہوگی۔ یہیں سے اقبال کے فرد کمال اور پیشینہ کے فوق البشر کے مباحث کا آغاز ہوتا ہے لیکن برگسن کے تخلیقی ارتقاء پر پیشینہ کے فوق البشر اور اقبال کے فرد کمال کے درمیان ایک اہم کڑی لادہی ہے اور وہ غلط مزج کا نظریہ حیانت ہے جس کو اگرچہ مخصوص طریق سے برگسن کے تخلیقی ارتقاء نے۔ و شانس کرایا مگر گویا شید، مہیبہ مارگن بھی اس کی اشاعت میں کافی حصہ لے چکے ہیں۔ البتہ ان کا نقش نقش ثانی ہے۔ ہاں برگسن اپنے ان دونوں نظریوں کے ماحصل کو مربوط کر سکا، اس کے تخلیقی ارتقاء اور نظریہ حیانت میں ایک زبردست تہ ہے اس لئے کہ برگسن حیات کی غایت اور مقصدیت (دھرم) کو تسلیم نہیں کرتا یا عمدتاً اس کے منہ سے گزرتا ہے لیکن نظریہ حیانت اس کے برخلاف حیات کو بے مقصد قرار نہیں دیتا بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ حیات ارتقاء کے خارج

طے کر رہی ہے اور اعلیٰ ترین منزل کی طرف جا رہی ہے۔ نیشے برگسان کی طرح اس مفہم کی خیر غلی میں نہیں چھنسا اس نے حیات اور تخلیقی ارتقا میں ربط پیدا کر کے اس کی اس غایت کا جسے برگسان نامعلوم اور ناقابل علم کہہ چکا تھا پتہ لگا لیا وہ اس کی غایت فوق البشر (سپر مین) بتاتا ہے اس نے ارتقا کی اعلیٰ ترین منزل کا تعین کر دیا اور یہیں سے برگسان، نیشے سے ملحدہ ہو جاتا ہے کہ نیشے کے فوق البشر اور اقبال کے فرد کاس کی بنیاد حیات کی مقصدیت ہے۔

اے کہ از تاثیر آفیوں خفته ای عالم اسباب را دوں گفته ای
خیز واکن دیدہ بخور را دوں مخواں این عالم مجبور را
حق جہاں را قسمت نیکان شمرد جلوہ اش بادیدہ مومن سپرد
نیشے کا فوق البشر

فوق البشر کے متعلق نیشے کوئی مستقل نظریہ قائم نہ کر سکا، پہلے وہ کہتا ہے کہ اس کا مقصد صرف ایک شخص بن سکتا ہے اور نپولین کو وہ فوق البشر تسلیم کر لیتا ہے اور کبھی وہ داکٹر کو فوق البشر یا بنی آدم کا معلم اعظم سمجھتا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کے خیالات پھر بدل گئے اور ۱۸۷۷ء میں جب کہ اس کے اس نظریہ کی کافی اشاعت ہو چکی تھی اس نے فوق البشر کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا "آج دنیا جب کہ خود غرض ہو گئی ہے لوگ خطا میں اور عیب میں ہو گئے ہیں اور افراد انسانی قدر مذلت میں جا گئے ہیں، جدید نمونہ انسانی، کے قیام کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ہر کیف عہد حاضر میں ایسے تین نمونے موجود ہیں جو بہت دلوں تک آنے والی نسلوں کے لئے دہلی راہ اور مثالی ہدایت ہوں گے، یہ تین نمونے، روسو، گئیے اور شوپنہار میں اول الذکر میں جوش و حرارت بہت زیادہ ہو

۱۸ فیون، متشایم فلسفہ حیات *Pessimism* جو مصروف کے ہاتھوں تمام عالم اسلام پر چھایا ہوا ہے
۱۹۷۷ء میں لیبیک میں منعقد ہوا اور ۱۹۷۷ء میں دمشق میں منعقد کیا وہ موسیقیت میں اہر نظامی اور داتا
اس کے مداح و قدر فرما تھے۔ اس کا اصلی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ڈراموں کے رنگ اور گھبر میں اصلاح کی، دیگر
کی موسیقیت نے نیشے کو اس کا مداح بنا دیا تھا اس نے نیشے کو صبر و استقامت کا شاہین قرار دیا:

اور عوام کو قایم رہ رکھنے کی قوت ہے، ثانی الذکر ان چند اشخاص کے لئے دستورِ اعلیٰ کا کام لے سکتا ہے جو نمائندہ آغاز سے رہتے ہیں اور جن سے عوام کو مدد ملتی ہے، اخوانہ کے متبعین کی سمت محنت و مشقت کا طالب ہے، اس لئے وہ صرف محنتی اور جفاکش اشخاص کے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے اور ان لوگوں کے لئے نہیں جو سوچتے رہتے ہیں اور کرتے کچھ سمجھتے ہیں۔

لیکن وہ اپنے اس نظریہ میں زبردست مشکوک ہے وہ اپنے مسلک کی تفصیل نہیں کر سکتا، کبھی وہ فوق البشر سے اعلیٰ شخصیت مراد لیتا ہے اور کبھی ”اعلیٰ صنف“ مراد لینے لگا، لیکن اقبال مشکوک نہ تھے اس لئے ان کا ردِ کامل نیشے کے فوق البشر کا کامیاب نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے نظریوں میں ایک بنیادی مماثلت ہے اور بس!

علامہ اپنے فوق البشر کو ہمارے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

نابید حتی در جہاں آدم شود بر عناصر حکم اور محکم شود

علامہ جو نیکو اسلوب کے سچے پرستار تھے اس لئے برہانِ نیشے کی طرح نزدیک و دور

کے ساتھ اپنے نظریوں کو پیش نہیں کیا ہے بلکہ مذہبی رنگ میں پیش کیا، خصوصاً فردِ کامل کا نظریہ اسی جامع فی الآس میں حلیفہ کی ایک زبردست مہج عملِ تفسیر، حالانکہ نیشے بجاگ دہل کہہ رہا کہ ”میں مسیحیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اس پر وہ بڑے سے بڑا جرم عاید کرتا ہوں۔“

جو ایک حاکم ایک ملزم پر عاید کر سکتا ہے، میں مسیحی مذہب کو دنیا کی سب سے بڑی بدکاری سمجھتا ہوں۔ مرے نزدیک مسیحیت بہت بڑی لعنت بہت بڑی ضلالت اور بہت بڑا انتقام ہے۔ (رازِ نیشے)

نیشے کا فوق البشر اپنے اندر نسلی امتیاز رکھتا ہے، اقبال کا فوق البشر (فردِ کامل) اس نسلی امتیاز سے بہت دبا ہے، وہ مخلوق کا سچا رہنما ہوگا، ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تخصیص نہیں تعالٰیٰ علیٰ کلمۃ سواہ بِنِکْمَ اِس کا پیام اولیں ہوگا۔

اقبال اور نیشے کے فردِ کامل اور فوق البشر کے ظہور کے شرائط۔

علامہ کہتے ہیں کہ اس فوق البشر کے ظہور کی پہلی شرط یہ ہے کہ بنی نوعِ آدم جسمانی اور دماغی

دلوں پہلوؤں سے ترقی یافتہ بن جائیں، اسی لئے انھوں نے مختلف صورتوں سے قوائے عملی اور عقلی کو بھارا ہے، ان کا فرد کامل سب سے پہلے دستور الہیہ (شرعیۃ اسلام) کی اطاعت کامل کا درجہ طے کر کے شعور ذات اور ضبط نفس کے اعلیٰ درجہ پر متکفل ہوگا، لیکن یہ فرد کامل دستور الہیہ کی اطاعت کے بغیر شعور کامل کا حامل نہیں ہو سکتا، یہی شعور کامل اقبال کا نظریہ خودی ہے جس کی تشریح اقبال کی شاعری سے آئندہ ادراک میں نظر سے گزرے گی۔

نیشے کہتا ہے کہ موجودہ نسل انسانی سے ایک زبردست دل و دماغ والی امارت پسند جماعت پیدا ہونے والی ہے جو یورپ کے عوام پر حکومت کرے گی اس جماعت سے ایک خاص یورپین قوم نمودار ہوگی جو سربراہِ آردہ (Higher man) کہلائے گی، اس قوم سے ایک نئی صنف پیدا ہوگی جو فوق البشر کے نام سے موسوم ہوگی؛ ایک جگہ کہتا ہے کہ ”موجودہ نسل انسانی ہمارا انصاف العین نہیں بلکہ اس کی اعلیٰ صنف یعنی فوق البشر ہے“

”فزع انسان کی ایک بہترین اور قوی ترین صنف عالم وجود میں آئے گی جس کے خصوصیات و شرائط عامۃ الناس سے بالاتر ہوں یہ صنف فوق البشر ہوگی۔“

”زبردست رہنماؤں اور ذی اختیار مسیتوں کے ہاتھ میں بنی نوع آدم کے خیالات و حسیات کی باگ ہوئی جاتے آگے وہ ہمیشہ باہمی اختلاط و ارتباط کے ذریعہ سے ان شخصیتوں سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتے رہیں گے، یہ زبردست مسیتاں ایک اور افراد انسانی کو نیک اخلاق کے لئے قفلہ بنائیں گی اور فوق البشر کی آمد کے لئے راستہ صاف کریں گے، یہ درحقیقت فوق البشر تک پہنچنے کے ذریعہ ہیں۔“ (از نیشے) اقبال اور نیشے کی اس اعلیٰ جماعت کے خصوصیات کیا ہوں گے؟ اقبال خود بتاتے ہیں کہ فرد کامل یا نایب الہی دنیا میں انسانی ارتقا کی تیسری اور آخری منزل ہے، نایب (فرد کامل) اس زمین پر خدا کا نایب ہوتا ہے، وہ کامل خودی کا مالک اور ان نیت کا منہائے مقصود ہے وہ

دہائی اور صہبائی لحاظ سے حیات کا بہترین منظر ہے۔“

پردہ و وسعت گردوں کی گاہِ ننگا اور یہ شاخ آستانہ (آخری منزل)

مر و انجم گرفتار کسندش بدست اوست تقدیر زمانہ
 نیشے کو بھی فوق البشر کی تعریف اسی لئے تھی کہ وہ اس خوش آہنگ نغمہ سے قوائے عملی میں سچان
 پیدا کر دے اور وہ اخلاقی اصلاح کا علمبردار بن کر آئے لیکن وہ اپنے فوق البشر کے ہاتھوں مسیحیت کو
 جو اس کے خیال کے بموجب شر و ساد کا سرمایہ ہے، برباد دیکھنا چاہتا ہے،

اقبال کا فوق البشر نیشے کے فوق البشر کا مثال نہیں ہوگا وہ مذہبیت کا علمبردار اور خدا کا
 حقیقی نائب ہوگا، وہ اپنے فردِ کامل کو ان صفات سے مقصد دیکھنا چاہتے ہیں جو ذاتی جائِ علیٰ فی
 الٰہیہ کی حقیقی تفسیر کا مصداق ہو۔

فوق البشر کی حقیقت!

بظاہر اقبال کا فردِ کامل اور نیشے کا فوق البشر قابلِ نظر آتا ہے اس لئے کہ مقصدیت میں دونوں
 متحد ہیں لیکن جیسا کہ سابق میں ثابت کیا جا چکا اور خود علامہ فرما چکے ہیں وہ جرمِ فلاسفہ کے متبع ہیں
 بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نظریہ حیات، خودی اور عمل کی تعلیمات کے لئے نیشے کی طرح اس نظریہ کو پیش
 کرنے کے لئے مجبور تھے اقبال کا نظریہ خودی اور پیامِ عمل حقیقت میں اسی کے پس منظر میں، اقبال کے
 یہاں تمدنی مراتبِ کمال یا کمالِ انسانیت کا آخری مرتبہ فوق البشر (فردِ کامل) ہے، ان کے یہاں پیسے
 عمل، اس کے بعد خودی اور اس کا آخری مرحلہ فردِ کامل ہے، وہ دفعتاً سمجھتی ہوئی قوتوں اور عقول کو
 "فوق البشر" کے بلند آہنگ نغمہ سے... جھنجھوڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ انھوں نے آہستہ آہستہ اپنے
 اس مضرب کو سازِ عمل سے ملایا تاکہ اس سے ہمارے فہم و فکر کی ہم آہنگی ہو سکے چنانچہ علامہ فرید
 کے افکارِ عالیہ کا معنیہ حصہ اسی نظریہ کا سرمایہ دار ہے، ان کی یہ مشہور نظم روحِ ارضی آدم کا استعلا

کرتی ہے، "اسی فردِ کامل کے بعض اختیارات کی ترجمان ہیں

گھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضلاء
 مشرق سے اچھرتے ہوئے سورج کو دروازہ

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

(مفتی استقام اللہ صاحب شہابی کبر آبادی)

(۱۲)

اس موقع پر ردھیلوں کو شاندار فتح ہوئی بکثرت مال و اسباب ہاتھ لگا جس سے
نارت دشوکت کے تمام سامان ہیا ہو گئے۔ شاہ آباد۔ مراد آباد۔ سنہیل پرگنتہ دہلی
اور سلی بھیت کاکل علاقہ ردھیلوں کے تصرف میں آیا۔ نواب علی محمد خاں نے حافظ صاحب
کو سلی بھیت اور مراد آباد دونوں سے خاں کو جاگیر میں دیا۔ وزیر اعظم قمر الدین خاں نے مصطفیٰ
وقت کا لحاظ کر کے تمام اصلاح کھڑکی گورنری کا بردار نواب علی محمد خاں کو سونپا دیا۔

اب نواب ایک عظیم الشان عداست کے مالک تھے، حافظ الملک حافظ رحمت خاں
حالم و فاضل اور مرد میدان دیوان کل۔ سردار خاں کمال زئی اور شیخ سعادت اللہ دیوانی
بخشی الممالک محمد سعادت اللہ خاں بہادر کے لقب سے بخشی فوج تھے راجہ مان رائے
دیوان کل کے پیشکار اور راجہ کلیان چند دیوان سلطنت و دلاسا خزانچی راجہ بخت مل
دیوانی چنگ دار محسن خاں امان زئی، نواب و دھڑے خاں۔ بشارت خاں۔ باندہ
خاں لکھنؤ، خان زادہ کاظم خاں، شیدا جنگ صدر خاں، عبدالستار خاں، پرمول خاں
وغیرہ اپنے وقت کے رستم ارکان حکومت سے تھے۔

نواب و دھڑے خاں مدد کے ایضاً

حکما میں سید احمد گیلانی۔ حکیم فیض محمد۔ مولوی سید دائم دور دور کے طبیب نوابی
دوبار سے منسلک تھے۔

درویشوں میں سید محمد معصوم نور محلے والے، سید حسن شاہ ابن علی شاہ مصفا
نواب کے تھے۔

روہیلکھنڈ کی اس سلطنت یا حکومت کے دبیر اور حلال کے ڈنکے ^{۱۷۷۲ء} ایک
افغان تھے ہند میں بچے رہے۔

آخر ش نواب نے ^{۱۷۷۲ء} میں انتقال کیا اس کے جانشین نواب سعد اللہ خاں ہوئے
عبد اللہ خان نواب فیض اللہ خاں بڑے صاحبزادے تھے

نواب دوندے خاں

دوندے خاں ابن حسن خاں یوسف زائی روہیلہ پٹھان تھے حافظ الملک حافظ
رحمت خاں دالی روہیلکھنڈ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور نواب سنجیب الدولہ کے خسر تھے
ابتدائی جوانی کا زمانہ وطن تور شہامت پور میں بسر ہوا داد خاں متنبی شاہ عالم
خاں نے کثیر میں بڑے علاقہ پر قبضہ کیا اکثر افغان ان کے پاس آتے یہی اس قافلہ میں تھے
داد خاں نے ان کی بڑی آدمگرت کی اور اپنے رفقا میں داخل کیا۔ ان کے انتقال
کے بعد متنبی علی محمد خاں تھے جن کو نواب عظمت اللہ خاں حاکم مراد آباد سے داد خاں
کی جائیداد پر متصرف ہونے کی اجازت دلوائی علی محمد خاں کے ساتھ کچھ عرصہ رہے اور
ان کے اعزاز و مرتبہ کے یہی باعث تھے اپنے چچا زاد بھائی حافظ الملک حافظ رحمت
کو وطن سے بلوایا۔ بیٹوں سرداروں کی قیادت میں روہیلکھنڈ کا بڑا حصہ تھا۔ روہیلوں
اور بنگشوں کی جنگ کے بعد ^{۱۷۷۲ء} میں تحصیل مسولی کا علاقہ نواب دوندے کی جاگیر میں
آگیا۔ جنگ پانی پت میں نواب نے بڑے کارہائے نمایاں کئے اختتام پر شاہ درانی نے
عزت الدولہ دلاور الملک بہرام جنگ سے سرفریزی بخشی خلعت واسب نوبت و علم منج

شکوہ آباد بطور جاگیر کے عطا کیا گیا۔ اس میں نواب دو نڈے خاں نے عارضہ صرع میں مبتلا ہو کر کافی عرصہ علیل رہنے کے بعد اپنے دار الحکومت بسبوی میں انتقال کیا۔

احمد شاہ درانی

احمد شاہ درانی محمد زماں خاں مسدوزئی کا خلف ارشد بنا۔ محمد زماں خاں افغانستان کے ابدالی گروہ کا سردار تھا۔

ابدالی پٹھان شاہ عباس اول صفوی کے حکومت (۹۹۶-۱۰۲۸ھ) میں اپنے اصلی وطن سے جو قندھار کے قریب تھا اور غلجی پٹھان اس پر قابض اور مختصرت ہو گئے تھے ہرات میں آکر آباد ہوئے تھے اس ابدالی گروہ کا ایک خیل نقابہ پل زری جو باہمی چھکرو سے جلا وطن کر کے ہرات سے ملتان میں پہنچا دیا گیا۔

۱۱۱۴ھ کے قریب یہ لوگ پھر ہرات میں نظر آئے جب کہ ابدالی گروہ کے اندرونی خیلوں میں ایک جھگڑا پیدا ہوا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ ابدالیوں کے سردار عبداللہ خاں کو محمد زماں خاں نے موقعہ پاکر تنواری کے گھاٹ اتارا اور خود بلا شرکت غیر سے سارے گروہ کا سردار بن گیا اور چونکہ مقتدر اور بہادر شخص تھا اس لئے اس کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ابدالی پٹھان سارے خراسان میں پھیل گئے اور ۱۱۳۸ھ میں ان کی قوت و شوکت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ انھوں نے مشہد مقدس کا محاصرہ کر لیا اس محاصرہ کے زمانہ میں احمد خاں (احمد شاہ درانی) پیدا ہوئے عبداللہ خاں کا بیٹا الیہ خاں جو باپ کے قتل کے بعد ملتان بھاگ آیا تھا ہرات واپس آیا اور کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ الیہ خاں سردار زماں خاں کا جانشین قرار دیا گیا۔

۱۱۴۸ھ میں جب شاہ ناد نے خراسان پر چڑھائی کی تو الیہ خاں نے اس کی اطاعت قبول کر لی لیکن زماں خاں کے بیٹوں ذوالفقار خاں اور احمد خاں نے سرکشی کی ۱۱۵۸ھ میں نادر شاہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا اور ابدالیوں کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی ان کے بہت سے سردار و غلامی لگ

جلاوطن کئے گئے جو ملتان جاتے پر مجبور ہوئے۔ ملتان جاتے وقت اتنا تے راہ میں دونوں بھائی ذوالفقار خاں اور احمد خاں قندھار کے قریب غلڑائی پٹھانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

۱۱۱۱ھ میں نادر شاہ نے قندھار پر حملہ کر کے اپنے تصرف میں لایا۔ یہ دونوں بھائی رہا ہوئے، نادر شاہ ان کے عادات و اطوار سے بے حد خوش ہوا اور ان پر ہر مائی کرنے کا غرض کی طاقت کو پامال کر کے ان کے آبائی وطن میں ہی آباد کیا بلکہ وہاں کا حاکم بنا دیا اور ان کے ہم قبیلہ عبدالیوں کو فوج میں بکرتی کیا احمد خاں کی شہزادہ سرگرمی دیکھ کر مازندران کا حاکم کر دیا جہاں احمد خاں نے تھوڑے عرصہ میں وہ کارہائے نمایاں کئے نادر حسن انتظام سے خوش ہو گیا اور ایک دن کہنے لگا احمد خاں آثار اور فرنیہ نشاہت کر رہا ہے کہ تو میرا جانشین ہو گا تجھ سے آج الحاکم تاپہوں مری اولاد کی پاسداری ہر حالت میں ملحوظ رکھو۔ احمد خاں نے کہا بادشاہ ذی جاہ اگر سراسر تن سے جدا کرنا ہے تو یہ حاضر ہے ایسی باتیں کیوں ارشاد فرماتے ہیں جس کا امکان نہیں اور بے مصائب کا پیش خیمہ نادر شاہ نادر شاہ کو دیا اور کہا احمد خاں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم دیکھو گے وہ سب تمہارے سامنے آئے گا۔

ہندوستان سے واپس نادر ہوا ہے کچھ واقعات ایسے پیش آئے اندرونی مخالفت پیدا ہوئی، شیعہ سنی تفریق نے مسئلہ میر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

احمد خاں وہاں سے قریب تھا جہاں ایراکوں نے نادر کی شیعہ حیات گل کی نفی ان کی فوج خزانہ سے جاری نفی احمد خاں نے انتقام میں اس کو جالیا فوج کو تباہ کر ڈالا اور خزانہ کو قبضہ میں لایا یہ دن تھا کہ وہ ایک دولت مند امیر بن گیا مع اپنے افغانی فوج کے مازندران سے افغانستان کی راہ لی اور پہنچتے ہی بغیر کسی مزاحمت کے قندھار پر قابض ہو گیا۔

یہاں ایک دلی کامل رہتے تھے جن کا نام صابر شاہ تھا انھوں نے ابدالی سرداروں کو ہلاک کرنے سے کہا تم لوگ احمد خاں کی اطاعت کرو اور اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرو تاکہ تم لوگ سر بلندی دنیا میں حاصل ہو گے آتش سرداروں نے اپنا بادشاہ منتخب کیا اور تاج شاہی سر پر احمد خاں کے رکھا اور احمد شاہ خطاب کیا اس کے بادشاہ بنانے میں ابدالیوں کے ساتھ بلوچی قبائل ہزارہ کے شیعہ تزلزاش بھی شریک تھے۔

(باقی آئندہ)

مسلمانوں کے سوچنے کی بات

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

تقسیم ہند کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب بیشتر رہنما بانی وقت کا یہ خیال بھی تھا کہ اس طرح اس برصغیر سے فرقہ وارانہ مسائل مفقود ہو جائیں گے اور اگر بغرض محال یہ مسائل باقی بھی رہیں گے تو کم از کم انھیں ملک کی سیاسیات، اقتصادیات اور سائنیات میں کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مگر گذشتہ چار سال کے تجربات سے یہ افسوسناک حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مسائل نہ صرف باقی ہی ہیں بلکہ روز بروز پیچیدہ تر بھی ہوتے جا رہے ہیں اور اگر ہم اپنے لئے دنیا کی معزز اور ممتاز اقوام کی صف میں کوئی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی قومی زندگی کو ان مسائل سے قطعاً پاک کر دینا پڑے گا۔

یہاں اس بات کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جس مسئلہ کو فرقہ وارانہ مسئلہ کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے وہ دراصل ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلق کا مسئلہ ہے اور تقسیم ہند کی بدولت اسی مسئلہ کے حل ہو جانے یا غیر اہم بن جانے کی توقع تھی لیکن آج تقسیم ہی کی بدولت اس نے غیر معمولی اہمیت اور پیچیدگی اختیار کر لی ہے اور اس معاملہ کا تاریخی رین رخ یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کا گروہوں میں بھی جو اصولی طور پر فرقہ پرستی کی مخالفت ہی نہیں بلکہ آج ملک کے نظم و نسق کی ذمہ دار بھی ہے گذشتہ چار سال کی مدت میں کچھ ایسے عناصر شامل ہو گئے ہیں جن کی موجودگی آج کے معاملہ میں کل کا گروہوں کے اصول اور ملک کی عمومی ترقی کے لئے زیادہ نقصان رساں ثابت ہو سکتی ہے ملک کے ہی خلاف

وہ ہنگامہ گذشتہ چند سال سے اس صورت حال کی بدولت غیر مطمئن اور پریشان رہے ہیں اور اسی لئے پندت جو اہل ہندو نے کانگریس کی کھداری کی ذمہ داری قبول کر کے وہ قدم اٹھایا ہے جو وہ عام حالات میں اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔

کانگریس کی زمام نیادت پندت ہندو کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد ایک جانب تو اہل ہندو اور خصوصاً مسلمانوں کے مابین احیاء اعتماد ہو رہا ہے دوسری طرف کانگریس کی منتشر قوتیں مجتمع ہونی جاری ہیں اور دوسری طرف اس امر کا امکان پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ آئندہ انتخابات عمومی میں کانگریس کے نام پر جو امیدوار حصہ لیں ان سے بیشتر امیدوار زبان ہی سے نہیں بلکہ غصے سے بھی کانگریس کے اصول کی حمایت کریں گے لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہئے کہ ہندوستان میں ان کا جو دھرت پندت ہندی کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس قسم کی غلط فہمی ان کی خود اعتمادی کو زائل اور ہندوستان کے اکثریت والے فرقہ کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات کو درہم و برہم کر دے گی اور اگر کبھی پندت ہندو برسرِ اقتدار آسکیں گے تو اس وقت یا تو مسلمان خود کو اس ملک میں بے یار و مددگار محسوس کرنے لگے گا یا پھر اسے ترک وطن کی اپنی علاوہ ذہنی پریشانی کا کوئی اور علاج نظر نہ آئے گا اور اس طرح فرد پرست عناصر کا وہ مقصد پورا ہو جائے گا جسے پورا کرنے کے لئے وہ گزشتہ چار سال سے برابر جدوجہد کرتے رہے ہیں۔

اس کے برعکس ہندوستانی مسلمانوں کو جو بات مد نظر رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں ان کا حال اور مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے جو شرف و فساد کو نفرت کی نظر سے دیکھنے میں لیکن چونکہ بعض مخصوص حالات اور واقعات کے باعث چند سال قبل ان امن پسند کشادہ دل اور غیر متعصب عوام کی قوت و طاقت مضاعف ہو گئی تھی اس لئے اس ملک میں وہ المناک واقعات رونما ہوئے جن کا تذکرہ تو کیا تصور کچھ انسان کو لازمہ برائے مذموم کر دینے کے لئے کافی ہے لیکن اب ان طاقتوں کا اضمحلال دور ہوتا جا رہا ہے اور اگر ہم اس ملک میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان قوتوں کو قوی بنانا چاہئے بغیر یہ کہ وہ دل انسانوں کے تحفظ اور ترقی کو کسی ایک فرد کی ذات کے ساتھ وابستہ کر دینا و انشتمندی نہیں

کیونکہ اگر کبھی وہ ذات ان لوگوں کے درمیان موجود نہیں ہوتی تو پھر راستہ معمول جاتے ہیں، ان کے دلوں پر یا تو فتنہ امیدیں مسلط ہو جاتی ہیں اور وہ خود کو اس لشکر کی طرح محسوس کرنے لگتے ہیں جس کا سپہ سالار اسے چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اگر خدا نخواستہ کبھی مسلمانوں کو اس ملک میں ایسی صورت حالات سے دوچار ہونا پڑا تو ان کے لئے اس کا مقابلہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار تر ضرور ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ پنڈت ہندو ایک انصاف پسند، غیر متعصب ملک میں حقیقی غیر مذہبی جمہوریت کے قیام کے خواہشمندین حق گو رہنا اور وزیر اعظم میں اور جب تک ملک کی راجہ قیادت و حکومت ان کے ہاتھوں میں رہے گی مسلمانوں کی کسی قسم کی بے انصافی کا اندیشہ لاحق نہ ہو سکے گا اس لئے ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ ہندوستان کے گردلوں میں پسند اور منصف مزاج غیر مسلم عوام کی امداد سے پنڈت جی کے ہاتھوں کو مضبوط تر بنائیں اور ان کی قوت و طاقت میں اضافہ نہ کرنے وہ طریقہ کار اختیار کریں جس کی بدولت پنڈت ہندو کے کا ز اور اصول کو مقبولیت اور تقویت حاصل ہو سکے اور خیانت و عمل کے اعتبار سے اس ملک میں بے شمار نہرو پیدا ہو جائیں۔ اور جب تک ہندوستان کا مسلمان معاملہ برسرِ آزادیہ نظر سے غور نہیں کرے گا۔ وہ اپنے مستقبل کو غیر متیقن اور غیر متعین ہی محسوس کرتا رہے گا۔

ادارہ اقوام متحدہ | ہندوستان کی داخلی سیاست کے مذکورہ بالا اہم تغیر کے علاوہ گزشتہ ایک ماہ کی مدت میں کربلاء میں کربلاء کے دو ستر گروہوں میں بھی بعض اہم واقعات رونما ہوئے ہیں مثلاً برطانیہ نے ایرانی تیل کے چشموں کے سلسلہ میں اپنے اور ایران کے اختلافات کا مسئلہ ادارہ اقوام متحدہ کے روبرو پیش کر دیا ہے۔ اور مصر نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ وہ ۱۹۳۳ء کے معاہدہ مصر و برطانیہ نیز ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کو مسترد کر دے گا جو سوڈان پر مشترکہ حکومت قائم رکھنے کے مسئلہ میں اس کے اور برطانیہ کے مابین ہوا تھا۔

جہاں تک مصر اور برطانیہ کے تنازعہ کا تعلق ہے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مصر اب نہروں کو برطانوی سیادت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر مغرب کے

ادعا جمہوریت پسندی میں صداقت کا کوئی شائبہ بھی موجود ہے تو اسے مبصر کی اس خواہش کا
 کا احترام کرنا چاہیئے۔ لیکن حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ برطانیہ مہر کے مذکورہ بالا مطالبہ کو تسلیم
 نہیں کرے گا۔ اور جب مہر بافت اعدہ طریقہ پر ان معاہدات کی تسخیر کا اعلان کر دے گا تو اس
 مسئلہ کو بھی مجلس تحفظ کے روبرو پیش کیا جائے گا۔

اس وقت تک ادارہ اقوام متحدہ کے روبرو دنیا کے جس قدر پیچیدہ مسائل پیش کئے
 جا چکے ہیں۔ وہ ان میں سے بیشتر مسائل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ اور اگر اس نے
 کسی مسئلہ کو حل بھی کیا ہے تو اس کے فیصلوں کا رُجان مستعمرین مغرب کی طرف رہا ہے
 اس لئے اگر کسی مرحلہ پر مہر اور برطانیہ کے تنازعہ کو بھی اس کے روبرو پیش کیا
 گیا تو اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنا فیصلہ مہر کے حق میں صادر کر سکے گا
 اور آج ایران اور برطانیہ کے اختلافات کا جو مسئلہ مجلس تحفظ کے زیرِ غور ہے، اس
 میں بھی مجلس تحفظ کی حمایت برطانیہ ہی کو حاصل رہے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مہر
 اور ایران مجلس تحفظ کے ایسے فیصلوں کو تسلیم کر لیں گے جو کسی طرح بھی قومی آزادی
 اور جمہوریت کے مطابق نہیں ہو سکتے؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ مہر اور ایران ہی
 نہیں بلکہ مشرق کا کوئی ملک بھی اب مستعمرین مغرب کی سیادت اور حکومت کو
 تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور اگر مجلس تحفظ نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا،
 تو اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہو سکتا کہ ادارہ اقوام متحدہ ہی کی
 بدولت جو اقوام عالم کو متحد کرنے اور انہیں جنگ و جدل کی راہ پر چلنے سے روکنے کے
 لئے قائم کیا گیا تھا دنیا دو معاند گروہوں میں منقسم ہو جائے گی اور حاکم و محکوم یا پھس
 یوں کہئے کہ قیام سیادت و حکومت کے خواہشمندوں اور ان کے مخالفین کے مابین
 تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔

ادبیت

پابند ہوس رتبہ تسلیم و رضا دیکھ

از

(جناب آلم مظفر سنگی)

دیوانہ تاثیر نہ ہو مجھ دعا دیکھ
جو غیبی تھادو گل ہے جو گل تھادو چن ہے
بے ہمتی یارانِ حین سے نہ ہو بیدل
ہے شاخ نشین بہ تصرف بھی غنیمت
اک مرکزِ مکن ہے یہ بازیچہ عالم
ساتی نہیں بے وقت یہ رندوں کا تقاضہ
لایا ہے تجھے وقت پر ہر پختہ سے باہر
پاکیزگی دل کو بچا ذہن و نظر سے
رہنے دے ہوں ہی داغِ محبت کو زخموں
ہم رنگ گل و شمع نہ گریاں ہوں نہ خندیں
ہیں نامہِ مظلوم سے بے ریزِ فضا میں
کانٹے رد منزل کے سنبھلے نہیں دینے

محمومی جاوید ہے الفت کا صلا دیکھ
پابند ہوس رتبہ تسلیم و رضا دیکھ
کچھ روز ابھی ادھر گلستاں کی ہوا دیکھ
خشبہ کے تحمل کو سرِ خارِ ذرا دیکھ
نو غور سے بیزنگی ہر صبح و مسا دیکھ
موسم کے اشاروں کو سمجھ ابرو و ہوا دیکھ
یہ ذوقِ تماشا مرا ہے جلوہ نما دیکھ
نزدیک خرد حیرتی عشق نہ جا دیکھ
اس بھول کے شعلوں کو نہ اشکوں کی بجائے
ہے میری غمخشی مرا پیغامِ وفا دیکھ
اک درد کی ہے موجِ ہر اک موجِ ہوا دیکھ
یہ وقت سہارے کا ہے اے نرسنِ باد دیکھ

ہے شبیہ دل مرکزِ انوارِ حقیقت

آتا ہے آلم اس میں نظرِ عرشِ خدا دیکھ

غزل

(جناب سبک شاہ جہاں پوری)

کیا کہیں دنیا میں کیا ہوتا ہے کیا ہوتا نہیں
 جادہ مستی میں ہے اک نعرِ شش با مغنم
 تم و فاداری کا کب تک ہم سے مانگو گے ثبوت
 چشمِ لالہ خوںِ نشان، پیرِ اسنِ گل تار تار
 اب تجسس کی عددوں سے بھی نکل آیا ہوا ہیں
 رنجشِ بجا سہی ایک واسطہ قائم تو تھا
 اب تجھے میں کیا کہوں اسے دوستِ دیرِ حرم
 ان سے یو جھو جن کا کوئی آسرا ہوتا نہیں
 ہر کس و نا کس سے یہ سجدہ ادا ہوتا نہیں
 کوئی اپنی سے تو یوں نا آشنا ہوتا نہیں
 جب بہار آتی ہے گلشن میں تو کیا ہوتا نہیں
 دیکھنا ہے کیسے دیدار آپ کا ہوتا نہیں
 کیا خط مجھ سے ہوئی جو تو خفا ہوتا نہیں
 ایک سجدہ بھی بقدرِ شوق ادا ہوتا نہیں

خونِ دل، خونِ جگر، خونِ دنا، خونِ اسید
 سبک اُن کی محفلِ رنگیں میں کیا ہوتا نہیں
 درودِ دو عالم اک دلِ انسان

(جناب انور صابری)

عشقِ مکل خوابِ پریشان
 عشقِ بہر اندازِ تجلی
 حسنِ حضورِ اہلِ محبت
 عشقِ برنگِ شعلہ و شبنم
 حُسنِ شبانِ دلکش و دلگیاں
 قطرہ میں دریا کی سمائی
 حُسنِ ہمہ تعبیرِ گریزاں
 لرزاں لرزاں رقصاں رقصاں
 تمکنت و تقدیسِ پشیمان
 سوزِ ششِ پہاں اٹکِ ٹالیاں
 روحِ گلستاں جانِ بہاواں
 درودِ دو عالم اک دلِ انسان

میری نگاہِ شوق میں انور
 عشقِ فسانہ حسن ہے عنوان

تبصرے

”نگار“ کا جولائی نمبر ”۵۵ سال کے بعد“ مترجم مسعود جاوید - قیمت ۳۰ روپے کا پتہ: نگار بک ایجنسی - لکھنؤ -

”۵۵ سال کے بعد“ بڈکن کی مشہور کتاب *THE BEST* (بہترین سال) کا آزاد ترجمہ ہے۔ مسعود جاوید صاحب نے ضروری خدمت و اضافہ کے ساتھ ترجمہ کو مستقل تصنیف کی صورت دے دی ہے، اور دراصل ترجمہ کی خوبی یہی ہے۔

بڈکن نے زندگی کی بعض مستقل قدروں پر ایک کاری ضرب لگائی ہے اور ذہنی دنیا میں ایک نبردست انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اب تک عہد پیری بیجا رگی اور محذوری سے قبیہ رہا ہے۔ یہی سمجھا جاتا ہے کہ بڑھاپا انتظار مرگ کے لئے ہے اس عمر کو بیو بیچ کر انسان عملی دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اپنے گرد ایک خشک ماحول پیدا کر کے زندگی کی گھڑیاں گنا کر رہتا ہے لیکن اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی اپنی زندگی ۵۰ سال کے بعد شروع ہوتی ہے اس سے پہلے انسان سماج یا دوسروں کے لئے جیتا ہے اور اس کو اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ۵۰ سال کے بعد وہ وقت آتا ہے جب انسان اپنی تشہ آرزوؤں کی تکمیل کر سکتا ہے اور اس طرح وہ نئی انگلیوں کے ساتھ ایک نئی زندگی میں قدم رکھتا ہے۔

یہ کتاب نہ صرف بوڑھوں کے لئے ”پیام زندگی“ ہے بلکہ نوجوانوں کے لئے بھی مشعلِ ہدایت ہے۔

اصول دعوت اسلام از مولانا محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند - تقطیع خود مختامیت

۹۶ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد ۳۰ روپے دو آنہ پتہ: دارالعلوم دیوبند دعوت الحق جید آباد کوئٹہ
یہ سارا اگر مختصر ہے لیکن اس میں بڑی جامعیت اور خوبی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے متعلق جتنے

پہلو ہو سکتے ہیں ان سب پر بحث کی گئی ہے یعنی یہ کہ تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ کن چیزوں کی تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ اسلام ہی صرف ایک تبلیغی مذہب ہے مسلمانوں نے اس غرض کو کس کس طرح انجام دیا ہے تبلیغ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے اور جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے ان کے مختلف احوال و ظروف کے اعتبار سے تبلیغ کو کن باتوں کی رعایت کرنی چاہئے غرض کہ یہ کتاب مبلغین کے لئے ایک عمدہ اور مکمل دستور العمل کا کام دے سکتی ہے امید ہے کہ علماء اور طلباء اس کا مطالعہ کر کے فائدہ حاصل کریں گے۔

حیاتِ فخر از مولانا محمد احتشام الحسن کا مذہبی تقطیع خورد مضامین ۲ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ روپے :- کتب خانہ انجمن رتنی اردو - جامع مسجد دہلی - اس مختصر کتاب میں حضرت امام محمد الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات ان کے علمی اور باطنی کمالات - علم کے شوق میں سفر و قیام کے اکثر نثر اور اربابِ کمال سے ملاقات اور سطفتوں سے تعلقات وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور امام صاحب پر بعض لوگوں نے جو شک و شبہ کی گئی ہے اس کے جوابات دیئے گئے ہیں سلطان شہاب الدین غوری سے امام صاحب کے تعلقات کے سلسلہ میں لائقِ مصنف نے لکھا ہے کہ سلطان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی اور وہ چونکہ خود اس کا انتظام کر نہیں سکتا تھا اس لئے اس نے امام صاحب سے روپیہ قرض مانگا اور امام صاحب نے دے دیا اس احسان کی وجہ سے سلطان امام صاحب کا ہمیشہ زیرِ احسان رہا - یہاں تک کہ فتح دہلی کے بعد امام صاحب نے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا - ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت کہاں تک قابلِ اعتبار ہے مگر اولاً بمطرقہ اول کے مصنف حاجی الدبیر نے سلطان کے حالات میں نقل کیا ہے کہ سلطان کو امام رازی سے بے حد عقیدت اور ارادت تھی امام صاحب اکثر سلطان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور ہر جمعہ کو محلِ شاہی میں وعظ کہتے تھے جس میں سلطان پابندی سے شریک ہوتا تھا اور امام صاحب کے دعا کا یہ اثر ہوتا تھا کہ سلطان برابر دورانِ وعظ میں روتا رہتا تھا یہ روایت زیادہ قریب قیاس ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ سلطان کو ان کے علم و فضل

کہ وجہ سے غایت درجہ عقیدت اور ارادہ تھی، نہ یہ کہ مالی اعتبار سے احسان مند ہونے کے باعث وہ امام صاحب کا زیادہ خیال رکھتا تھا۔ بہر حال کتاب دلچسپ اور مفید ہے اور زبان و بیان بھی دلکش اور موثر ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

ندوة المصنفین کی اہم ترین کتاب

یہ عظیم الشان کتاب مدت سے نایاب تھی، دو سال کی جدوجہد کے بعد اس کا پورا تعادیلش طبع ہو کر سامنے آیا ہے۔

درحقیقت ہماری زبان میں یہ پہلی جامع کتاب ہے جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول و قوانین کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں اسلام کا نظام اقتصادی ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کی راہ نکالی ہے۔

قیمت غیر مجلد ۵۰، مجلد ۱۰۰

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان - دو سرائیڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔
قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے جلد سات روپے آٹھ آنے ہے
اسلام کا اقتصادی نظام دقت کی اہم ترین
کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش
کیا گیا ہے جو نوا ایڈیشن قیمت پندرہ روپے
اسلام نظام مساجد قیمت پندرہ روپے جلد دیگر
مسلمانوں کا عروج و زوال -
جدید ایڈیشن - قیمت للہم جلد ۴

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ
لغۃ قرآن پر بے مثل کتاب - جلد اول - طبع دوم
قیمت للہم جلد ۴
جلد ثانی قیمت للہم جلد ۴
جلد ثالث قیمت للہم جلد ۴

جلد رابع (زیر طبع)
مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف
ڈاکٹر حسن ابراہیم کی تحفہ کتاب التنظيم الاسلامیہ
کا ترجمہ قیمت للہم جلد ۴
ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

جلد اول - اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب
قیمت چار روپے للہم جلد پانچ روپے ۴
جلد ثانی - قیمت چار روپے للہم جلد پانچ روپے ۴

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر
تحققانہ کتاب - قیمت ۵ - جلد ۴

ترجمان السنہ جلد اول - ارشادات نبوی کا
بے مثل ذخیرہ - قیمت نلہ جلد ۴

ترجمان السنہ جلد دوم - اس جلد میں چھ سو کے
قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت للہم جلد ۴

تحفۃ النظر یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از ترجمہ و نقشہ سفر قیمت ۴

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے
جلد اول - قیمت ۵ جلد ۴

جلد دوم قیمت ۴ جلد ۴
عرب اور اسلام -

قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے جلد چار روپے آٹھ آنے ہے

وحی الہی

مسند وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی
تحققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر
انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا ایمان افراد زلفشاہ نکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی
گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت ۵ جلد ۴

یہیچندوہ المصنفین - اردو بازار جامع مسجد دہلی

مختصر قواعد ندوة المصنفین دہلی

۱۔ **محض خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے کیست مرحمت فرمائیں، ندوة المصنفین کے دفتراور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محضین** جو حضرات پچیس روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محضین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات حق کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان بلاسیک معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔ جو حضرات اٹھارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوة المصنفین کے طبقہ ۳۔ **معاونین** :- معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **اجتہاد** - زور دینے اور کرنے والے اصحاب کا شمار ندوة المصنفین کے اجتہاد میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان (۱) برہان ہر انگریزی ہفتے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔ (۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس لٹا نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شرکت قابل اعتناء نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۷ تاریخ کا نوٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہو۔ (۵) قیمت سالانہ چھ روپے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپے (مع محصول ڈاک) مانی پڑتا ہے۔ (۶) منی آرڈر روانہ کرنے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادیس پرنٹر پبلشر نے جنید برقی پریس میں طبع کر کے دفتر برہان جامع مسجد ملی سے شائع کیا

ندوة المصنفين في اهل كاري و دینی ماسنا

برهان

مرتبة
سعيد احمد بـ سرا بادی

ندوة المصنفین دہلی کی پہلی تاریخی مطبوعہ

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے

مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

تاریخ مصر و مغرب الفصی تاریخ ملت کا ساتواں حصہ
مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۳۳
قیمت تین روپے چار آنے۔ جلد تین روپے آٹھ آنے
خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (زیر طبع)
فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم
اصول کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پندرہ روپے
غلامان اسلام انٹرویو سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن
جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں قیمت ستر روپے، جلد للہ
سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر
بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان بکھر اچھا اور سلیس
نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں
لیکھا گیا گیا ہے۔ قیمت پندرہ روپے
خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان قیمت پندرہ روپے
خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ جلد تین روپے بارہ آنے
خلافت ہسپانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ

قیمت دو روپے۔ جلد دو روپے چار آنے
خلافت عباسیہ جلد اول تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ قیمت پندرہ روپے، جلد للہ
خلافت عباسیہ جلد دوم تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ۔ قیمت پندرہ روپے، جلد صفر

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت پندرہ روپے
اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاخلاق پر
ایک مبسوط اور حقیقت کا کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ (اور مضامین کی
ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت پندرہ روپے، جلد صفر
قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات و
واقعات تک۔ قیمت پندرہ روپے، جلد صفر
قصص القرآن جلد دوم حضرت یوسف سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت ستر روپے، جلد للہ
قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات
کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت ستر روپے، جلد صفر

بُرْهَانُ

شمارہ نمبر

جلد سبست و سہم

نمبر ۱۹۵۱ء مطابق صفر المظفر ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

۲۵۸

سجد احمد

۱۔ نظرات

۲۔ تورات کے دس احکام

اور

۲۶۱ حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

قرآن کے دس احکام

پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی استاد شعبہ تاریخ

۳۔ مولانا ضیاء الدین بخش

۲۷۳

مسلم پونیورسٹی علی گڑھ

۳۰۳ جناب مفتی انستظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی

۴۔ امیر الامراء نواب نجیب الدولہ نائب جنگ

۳۰۹ جناب لغنت کرنی خواجہ عبدالرشید صاحب

۵۔ عراقی کردستان میں کھدائی کا کام

۳۱۴

جناب اسرار احمد صاحب آزاد

۶۔ برطانیہ کے نئے انتخابات اور بین الاقوامی معاملات

جناب الم مظفر نگری

۷۔ ادبیات دعوت شوق

۳۱۸

جناب انور صابری

فزل

۳۱۹

(س)

۸۔ تبرے

نَظَرْتُ

ماہ گذشتہ میں یہ خبر سنا اور پاکستان میں خصوصاً اردو دوسرے ملکوں میں عموماً نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ سنی گئی کہ پاکستان کے مذہب پر اھم جناب لیاقت علی خاں ۱۲ اکتوبر کی شام کو ہم نیچے کے قریب راولپنڈی میں ایک عظیم اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے بڑی سفاکی اور بے سھادی کے ساتھ شہید کر دئے گئے۔ انا اللہ! بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کی طبیعتی صلاحیتیں اور فطری خوبیاں کوئی مناسب ماحول ملنے کی وجہ سے گزشتہ قبول و گناہی میں پڑی سوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ عمر کا ایک طویل حصہ اسی طرح بسر ہو جاتا ہے لیکن پھر یکایک کوئی مناسب جیل یا ہونٹ ہے اور ان صلاحیتیں ظہور و بردارنے کا راستہ کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہی شخص جسے کم آدی جانتے تھے ایک فذ جمیع کو اٹھتے تو نقصا اس کی شہرت و ناموری کی داستانوں سے سمور نظر آتی ہے۔ شہید مرحوم بھی اسی قسم کی ایک عظیم شخصیت کے انسان تھے وہ یوپی کے ضلع مظفرنگر کے ایک معمولی سے نصیب میں پیدا ہوئے الہ آباد اور علی گڑھ میں تعلیم پانے کے بعد ولایت چلے گئے وہاں سے اگر اگرچہ وہ نوکری پڑی سے بڑی کر سکتے تھے لیکن ان کی طبیعت کو اس سے میل نہ تھا۔ قوم کی خدمت کا جذبہ شروع سے رکھتے تھے۔ لیکن مزاج میں انقلاب پسندی اور ہنگامہ آفرینی بالکل نہ تھی اس نے حصول آزادی کی ان تحریکوں سے الگ رہے جن سے وابستگی حکومت وقت کے خلاف غیر قانونی بغاوت و سرکشی کے ہم منی سمجھی جاتی تھی اور آئینی طریق پر ملک اور قوم کی خدمت کی راہ پر گامزن ہو گئے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ ایک طرف آل انڈیا مسلم لیجیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے اور دوسری جانب یوپی کونسل میں قومی نقطہ خیال کی وضاحت و ترجمانی کرتے رہے اس حیثیت سے ان کی شہرت یو۔ پی کے ایک مخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کے دائرہ میں محدود رہی جس میں وہ نواب زادہ کے لقب سے معروف تھے اس کے بعد انھوں نے بہت ترقی کی تو ایک طرف مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے اور دوسری جانب آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری مقرر ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگرچہ ان کی شہرت یوپی کی حدود سے گزرتی رہی لیکن واقویر ہے کہ عوام کے دلوں میں ان کی عظمت کا اب بھی ایسا گہرا احسا نہیں تھا جو اہلاناہ گردیدگی اور بزرگی کا بیسیاختہ اعتراف پیدا کر دیتا ہے۔

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو ایشیا کی سر زمین پر ایک نئی ریاست کا تشیخ عی میں آئی اور نوابزادہ اس کے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے تو اب وقت آیا کہ ادن کی اصل طبی صلاحیتیں ابھریں اور قدرت نے ادن میں ایک سنجیدہ فکر سیاسی بدر بننے کی جو اہمیت رکھی تھی وہ ظہور میں آئی۔ چنانچہ قیام ریاست سے لیکر شہادت کے وقت تک یعنی کل چار سال کی مدت میں انھوں نے اپنی عوامی صلاحیتوں کا جوئی ثبوت دیا ادس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سخت طوفانی اور جدوجہد شکن موجدوں میں بھی اپنی کشتی کو سنبھالے رکھنے میں کامیاب ہو سکے، انہیں عوام کا ایسا اعتماد حاصل تھا کہ جو بڑے بڑے لیڈر اور پرانے کارکن نہیں کر سکتے تھے وہ آسانی سے اسے انجام دے سکتے تھے۔ اگرچہ سیاست کی وقتی مجبوریوں کے باعث تقریر و تحریر میں کبھی کبھی ادن کا لہجہ گرم اور تیز بھی ہو جاتا تھا لیکن طبعاً وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے۔ قدم احتیاط سے اٹھاتے تھے۔ مگر سب ایک مرتبہ اٹھا لیتے تھے تو پھر اس کا پس نہیں لیتے تھے ادن کے کیرکڑ کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ شدید اشتعال کی حالت میں بھی وہ اپنے دماغی توازن کے شیرازہ کو درہم برہم نہیں ہونے دیتے تھے اور افکار و اُلام کے جھوم میں بھی ان کے چہرہ پر مسکراہٹ اور لطیفانہ کیفیت کہیتی رہتی تھی زیادہ ہی جوری تقریروں اور جہد و جدائی بیانات دینے کے عادی نہیں تھے۔ حاضر جوابی کے ساتھ رکھ رکھاؤ۔ اور نظرافت کے ساتھ منفی چیزیں ان کی ذہانت اور حاضر جوابی کی دلیل تھی پرا تو بیٹ زندگی میں وہ کیسے ہی بے تکلف اور یار شاہوں لیکن پبلک آف میں اپنے آپ کو لئے دے رکھنا ان کی طبیعت کا جوہر تھا۔

اس زمانہ میں جب کہ پوری دنیا اپنی تمام دستوں اور سیاسی و جغرافیائی حدودوں کے باوجود سمٹ کر شل ایکٹا ملن یا قبیلہ کے ہو گئی ہے۔ مرحوم لیاقت علی خاں ایسے صلح پسند اور ٹھنڈے دماغ کے بلند پایہ سیاسی لیڈر کا دفعتاً انتقال کر جاؤں گے پاکستان کا نقصان نہیں اور جن حالات کے باعث یہ انتہائی درد انگیز اور ناگوار حادثہ پیش آیا ہے وہ صرف اس ریاست کے لئے نہیں انگریز نہیں بلکہ یہ نقصان پورے براعظم ایشیا کا نقصان ہے اور اسی طرح یہ سورت حال اس براعظم کے ہر ملک اور یہاں کی ہر ریاست کے لئے ہے حدتشویش انگیز ہے اور یہی وجہ ہے کہ پورے ایشیا میں اور خاص طور پر ہند میں اس واقعہ نے رنج اور دکھ کے ساتھ اضطراب و تشویش کی لہر دوڑا دی ہے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تصادم افکار و خیالات کے باعث نقصان جو عظیم تھا وہ پرسکون سا ہو گیا ہے۔

فلسفہ تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب نکتہ ہے کہ جب کسی ملک یا قوم میں فتنہ و فساد کے عار اقتدار غلبہ کے مالک ہو جاتے

ہیں اور خیر کی طاقتیں ان کے مقابلہ سے عاجز آجانی میں تو اب اگر قدرت کو اس ملک یا قوم کا قائم رکھنا منظور ہوتا ہے تو وہ کسی مروجہ نگاہ و حق پسند کو نظر آکر دیتی ہے اور وہ اپنے خون کے قطروں سے شرو ضاد کے ان عناصر کی آگ کو بجھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے چنانچہ اگر اس میں جو کچھ ہوا اس کے کلوپی اسباب کا جائزہ لینے کے بعد یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس وقت ملکیت نے خلافت کو ختم کر کے اسلام کے لئے جو عظیم خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ قدرت کے انبی قافون کے مطابق اس کے دفع کرنے کی صورت بجز اس کے کوئی اور نہ تھی کہ اس عہد کی سب سے زیادہ گرانہ و بلند پایہ جان کو بھینٹ چڑھا دیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایک ملک کو نئے رسول سے زیادہ اور کس کی جان اس وقت زیادہ قیمتی اور گران مرتب ہو سکتی تھی۔ مروجہ معمولی جوہر نے اسی حقیقت کو کس بلاغت سے بیان کیا ہے

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

پورا بھی تقریباً چار سال پہلے سب نے دیکھا ہمارا ملک مذہبی جنون اور فرقہ وارانہ جنگ نفری دور زندگی کی آگ میں جاؤں طرف سے کس طرح جنس کر رہ گیا تھا کہ حکومت تک اس پر قابو پانے میں ناکامیاب رہی تھی لیکن چونکہ قدرت کو اس ملک کا بقا منظور تھا اس لئے اس نے گاندھی جی کی شکل میں اس ملک کی سب سے زیادہ گرانقدر زندگی کو اس آگ کے شعلوں کے اندر کر دیا جس کا نتیجہ ہر ایک کے سامنے ہے کہ ایسا جوئے ہی شرو ضاد کے دیواؤں کی پیشانی پر پسینہ سا اگیا اور انھوں نے شرمناک رجعت اپنی تواریس میان میں کر لیں "مروجہ لیاقت علی خاں کا قتل بھی کچھ اسی نوع کے حالات و واقعات میں ہوا ہے جنہوں نے انھذا ثابت کے باعث پاکستان میں جو یک بیک ایک نہایت شدید قسم کی جوائی کیفیت پیدا ہو گئی تھی غالباً اس کے نتائج پڑے خطرناک ہو سکتے تھے اگر اس ملک کی اس متاعِ عزیز کو قدرت کی طرف سے اپنی نقد جان پیش کرنے کی دعوت نہ دی جاتی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مصطفیٰ پر شک و شبہ۔ بے اعتمادی و جذبات پمپدی کے جوہر بول بھال گئے تھے وہ کچھ جھٹ سے گئے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی فینکے ماننے کو گھمبھور کر جانک خواب سے بیدار اور غفلت سے ہوشیار کر دیا گیا ہے قرآن مجید کا ارشاد "عَسَى أَنْ تَكُونُوا شِغْلًا لِلْكَافِرِينَ" اسی حقیقت کی طرف رہبرِ ہمارے کشِ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قدرت کی طرف سے اس طرح کی نازل کی ہوئے عبرتوں اور نتیجہوں سے سبق لیتے ہیں اور اپنے کردار و فکر میں تبدیلی پیدا کر کے عدل و انصاف اور سچائی کے راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے بھائیوں کے اس عمدہ رجحان کا ہمیں لانے کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مومن شہید کو مغفرت و بخشش کی نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے اور جو امانت وہ قوم کے سپرد کر گئے ہیں وہ ہر عک کی ختم زخم سے محفوظ رہ کر ایک صالح اور عدل پروردہ سرسائی کے پیدا کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوئے این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

تورات کے دس احکام

اور

قرآن کے دس احکام

از

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

اب آئیے اور قرآن کے دس احکام والی سورہ کی مشہور آیت

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ، قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي، وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔
 پوچھتے ہیں تجھ سے ”الروح“ کے متعلق کہہ دے کہ
 ”الروح“ میرے پروردگار کے حکم میں سے ہے اور
 نہیں دئے گئے تم علم سے مگر بہت تھوڑا۔

پر غور کیجئے۔ سوچئے کہ جس خاص سورہ اور خاص محل و مقام پر یہ آیت پائی جاتی ہے بلکہ اس کے بعد جو یہ
 فرمایا گیا ہے کہ

”اور ہم اگر چاہیں تو تمہاریں اس کو جو تم پر ہم نے وحی کی ہے، بھرنا دے تم اپنے لئے اسی وحی کے متعلق
 مرے مقابلہ میں کوئی دیکیں۔“

یعنی وَلَكِنْ شِئْنَا لَنُدْهِبَنَّ الَّذِي آتَيْنَاكَ إِلَّا تَعْبُدُنَا لَكَ بِهِمْ عَلَيْنَا وَكَيْلًا کا ترجمہ اور
 حاصل ہے، اس کو بھی پیش نظر رکھ لیجئے اور غور کیجئے کہ ”الرُّوحُ“ کے متعلق جو یہ سوال کیا گیا تھا، اس سوال
 کا مقصد کیا تھا؟ یا کیا ہو سکتا تھا۔

قرآن میں ٹھیک ہی يَسْأَلُونَكَ کے لفظ سے بیسیوں چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً الخمر، المسير،
 النباہی، الہلہ، الجبال اور اسی قسم کے دوسرے امور کے ساتھ ہم اسی يَسْأَلُونَكَ کے لفظ کو پاتے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا اور پوچھا گیا تھا پوچھنے والوں کی غرض یہی نہ تھی کہ ان کے فلسفیانہ حقائق بتائے جائیں اور جواب میں ان سوالوں کے جواب میں کسی گئی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والوں کا مطلب یہ نہ تھا کہ مثلاً خمر (شراب) کے ترکیبی اجزاء یا اخیال (پہاڑ) کی تعمیر میں کن کن چیزوں سے کام لیا گیا ہے ان باتوں کا جواب وہ دریافت کرنا چاہتے تھے بلکہ عادت کھلی ہر کی واضح بات یہی ہے کہ ان امور کے کسی خاص پہلو مثلاً شراب کے پینے نہ پینے، یا المیہ (دوا) کے کھیلنے نہ کھیلنے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ اور سوال کے مطابق جواب دے دیا گیا۔ پھر الروح کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا آخر یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ پوچھنے والے روح کی حقیقت دریافت کرنا چاہتے تھے تفسیری روایتوں میں جب یہ بیان بھی کیا گیا ہے کہ "الروح" کے متعلق یہ سوال یہودیوں کی طرف سے پیش کر لیا گیا تھا تو یہی کافی قرینہ تھا کہ خالق کائنات ہی کو الا اور اپنا معبود بنانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام سے یہود جب ہٹے اور اسی سلسلہ میں ایک گروہ جہاں ان میں ان لوگوں کا بیدار ہو گیا تھا۔ جو سجائے خالق کے اپنے باہر پائے جانے والے مخلوقات کے ساتھ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے بندگی، اور عبادت کا رشتہ جوڑتا رہتا تھا۔ یعنی مشرکانہ ذہنیت کے شکار ہوئے رہتے تھے۔ جہیں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ان ہی یہودیوں میں ایسے افراد بھی پیدا ہوئے گئے جو پہلے باہر کے خود اپنے اندر کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بردہ کے کاروائے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے، یہی ان کا روحانی کاروبار تھا، ان کا خیال تھا کہ الروح میں غیر معمولی امکانات پوشیدہ ہیں ان ہی امکانات کو فعلیت کا قالب خاص خاص قسم کے مشاغل اور کرتبوں کی راہ سے عطا کیا جاسکتا ہے، اس میں شک نہیں کہ عام طور پر یہود ظاہر پرستی یا مذہبی رسوم کے خشک ڈھانچوں سے دل چسپی لینے والی قوم سمجھی جاتی ہے، کچھ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جن رجحانات کی تعبیر کچھلی چند صدیوں سے لوگ توحب یا وہابیت کے الفاظ سے کرتے ہیں یہودیوں کی نظرت پر شاید یہی رنگ غالب تھا لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس سبجو لازم (روحانیت) یا نقیاسونی (اشراق) یہودیوں کا مخصوص باطنی علم تھا۔ کم از کم یورپ والوں کو ان چیزوں سے روشناس سب سے پہلے یہودیوں ہی نے کیا۔ "تاریخ فلسفہ" میں دیکھتے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہودیوں کی مذہبی زبان عبرانی (عبر) سے یورپ والوں کی دل چسپی زیادہ تر یہود کے علم باطنی کی رہن منت ہے مغربی

فلسفہ کی ارتقائی رفتار میں کام کرنے والی ہستیوں میں پندرہویں صدی عیسوی کا ایک فلسفی کوئٹ جان پائیکو بھی ہے۔ ویسے اسی جان پائیکو کے متعلق لکھا ہے کہ

”یونانی علم و ادب کے مطالعہ کے علاوہ عبرانی زبان کے حاصل کرنے کی وہ کوئٹ پائیکو تائید کرتا ہے۔“
وجہ یہ لکھی ہے کہ

”اسے کوئٹ جان پائیکو کو اس بات کا یقین تھا کہ یہودی علم باطن بھی ایسا ہی ”اہم سرچند حکمت“ ہے جیسے اعلیٰ طوں اور عہد جدید (یعنی انجیل) ”ناخ فلسفہ“ ۲۳

اور اسی کوئٹ جان پائیکو کے نقش قدم پر چلنے والے ویسے ترجمہ ردشمن کے متعلق ویسے نے خبر دی ہے کہ

”اپنے ملک میں کلاسیکل اور عبرانی لسانیات کا وہ بانی ہوا“

اسی موقع پر ویسے نے یہودیوں کے اس علم اشراق اور روحانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”تھیساوفی اس راز سرسبز (الروح) سے آگاہ ہونے پر تانغ نہیں، نہ فطرت کو جان لینا اس کے لئے کافی ہے، بلکہ اس کی آرزو دی ہے جو بعد میں خراسنس سبکین میں پیدا ہوئی کہ فطرت پر غور کیا جائے اور اس پر حکومت کی جائے“

آگے وہی لکھتا ہے کہ

”جس طرح اس کو تھیساوفی کو فہمی طریقے سے اشیاء کے حصول علم کا دعویٰ ہے اسی طرح فحشی فنون پر اسرار اعمال اور مستزوں سے اس پر تصرف کرنے کا بھی مدعی ہے۔ بالفاظ دیگر تھیساوفی ظہم و کرامات بن جاتی ہے جادو کی بنیاد اسی اشراقی اصول پر قائم ہے۔“ ۲۴ کتاب مذکور

بہر حال روح تو روح جب جسم اور بدن کی حقیقت تک کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے تو الروح کی حقیقت

مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے ذرہ سے آفتاب تک چھوٹی بڑی چیزیں جو فحشی ہوئی ہیں، ان کے متعلق یہ سوال ہو کہ کس لئے ہیں؟ ایسا سوال ہے جس کا جواب پوچھنے والوں کو ہمیشہ ملتا رہا ہے آج بھی مل رہا ہے۔ آئندہ بھی ملنا ہیگا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

دریافت کرنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔

اور سوال کے الفاظ میں تو خیر گوئے احتمال اور گنجائش بھی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن اللہ کے نیک بندوں کو قرآن کے جواب سے کم از کم سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایسی بات جو ساری خلقت پر صادق آتی ہے یعنی رب کے امر اور حکم سے ہونا ایسے عام محل الفاظ سے روح کی حقیقت کا کیا سراغ مل سکتا ہے۔ آخر دنیا کی ایسی کون سی چیز ہے جو اللہ کے امر اور حکم سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ سوال کا رخ روح کی حقیقت کی طرف پھرنے والے قرآنی جواب کے احوال سے متعجب و مبہوت ہو جاتے ہیں سوال کا یہ پہلو تو دلوں کو بڑی انگلیوں سے بھر دیتا ہے لیکن جواب میں جب کچھ نہیں ملتا تو پھر رد اور زبردستی سے کام لیا جاتا ہے عہد شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں آج سے تیس سو اسی برس پہلے کی یہ رپورٹ روح کے متعلق کسی صاحبِ تحقیق کے حوالہ سے جو نقل کی ہے معنی

ان اقوال المختلفین فی السراج بلغت
الی ثمانیۃ عشر مائۃ قول جہیزؒ
روح کے متعلق مختلف اقوال و نظریات کی تعداد اٹھارہ
سو تک پہنچ چکی ہے

واللہ اعلم اس سے ان کی مراد کیا ہے؟ مطلقاً الروح کے متعلق نظریات و اقوال کی یہ تعداد ہے یا قرآنی جواب کے محل الفاظ کی تفسیر و توجہ میں ذہنی زور آزمائیوں کی نمائندگی تیرہ سو صدیوں میں مختلف طبقات کی طرف سے جو ہوتی رہی ہے یہ اٹھارہ سو اقوال اس سے پیدا ہوئے ہیں۔

(بقیہ ماضی صفحہ گذشتہ) حکمت و دانائش کی ساری ترقیوں کی بنیاد اسی سوال پر قائم ہے اسی سوال نے برق بھاپ پر نور معین زحل وغیرہ چیزوں کے استعمال کا سلسلہ آدمی میں پیدا کیا۔ لیکن بجائے کس لئے کے یہ کیا ہے؟ اس سوال کو جس چیز کے متعلق جب کبھی اٹھا یا گیا ہے تو متوجہ بنے ثابت کیا ہے اور آئندہ ثابت ہوتا رہے گا کہ اس کے جواب میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بہری اور گونگی بنی ہوئی ہے لوگ سوچتے نہیں روح تو روح میں پوچھتا ہوں کہ جسم بادل کی حقیقت کیا ہم پر واضح ہو چکی ہے؟ کیا آپ جسم کو دیکھتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں؟ ہوا بھی تو جسم ہے پھر وہ کیوں نظر نہیں آتی؟ دیکھتا رہے کہ جسم کو نہیں بلکہ ہم صرف رنگ کو دیکھتے ہیں، اور رنگ کو بھی نہیں صرف "رہی" اور "نور" کو وہ حقیقت ہماری بنی تہ مختلف رنگوں کی شکل میں پانی ہے؟ بعد رنگوں سے جدا ہو جانے کے بعد ہمارا جسم کیا رہ جاتا ہے؟ کون ہے جو اس کا جواب دے سکتا ہے الغرض کس لئے کے جواب میں تو ایک ذرہ بھی مانجے اندر سے جہنم کو نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا (بقیہ ماضی صفحہ گذشتہ)

حالات کج بات کچھ بھی نہ تھی۔ تو رات کے احکام عشرہ پر ایمان لانے اور ان ہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا فرم کرنے والی امت یہود جن حوادث سے گزری تھی قرآن کے احکام عشرہ کو سپرد کرنے ہوئے ان ہی تاریخی حوادث کے متعلق اس قوم اور ملت کو چونکا دیا گیا ہے، جو قرآن کے ان دس احکام کی امین ٹھہرنی جاری تھی۔ یہود خالق کو چھوڑ کر اپنے باہر کے مخلوقات کی طرت حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے متوجہ ہونے لگے اور جن عاجزیوں، اور سیکسوں کو قدرت نے انسانی وجود میں صرف اس لئے محفوظ فرمایا ہے کہ خالق کے قدموں تک اپنی ان ہی بے سببوں اور بے چارگیوں کی راہ سے وہ پہنچ جائے گا۔ ان ہی سے مخلوقات کی نزدیک ڈھونڈھنے لگے تھے الغرض موجد بننے کے بعد وقتاً فوقتاً یہود مشرک بنتے رہے۔ پہلے تو اس حادثے کی طرت اشارہ کیا گیا اور اس کے بعد یہودیوں ہی کے پچھتے ہوئے سوال کو چھیر کر بتایا گیا کہ ”الفرج“

(یعنی حاضر مصلحت گذشتہ) دے سکتا ہے کہ قسم جب سے اس مشاہدہ کی تکمیل ہی ہو چکی لیکن کیا ہے؟ کے جواب میں پہلے یہی لوگ محرم ہی رہے اور آئندہ بھی رہیں گے نتیجہ خالق عیسیٰ (یعنی انبیاء کی حقیقتوں کا بت چلانا بہت دشوار بات ہے) پر نے قصداً کا یہی مسل نظر ہے جدید فلسفہ نے جسے زیادہ واضح اور روشن کر دیا ہے۔ ۱۲۔

۱۱۔ اور یہ حادثہ یہود پر پہلی دفعہ پیش نہیں آیا تھا، بلکہ انسانیت کی پوری تاریخ ان ہی ذہنی اور فکری تلا بازیوں کے حوادث سے معمور ہے حضرت آدم علیہ السلام موجد تھے اور کیسے موجد براہ راست حق تعالیٰ سے مکالمے و مناجات سے سرفراز تھے۔ مگر ان کے بعد مشرک کا دورہ ان کی ادراک پر پڑا، دور کیوں طے سب سے زیادہ تازہ توحیدی عقیدے والی قوم مسلمان اسی کا حال کیا ہے، جب تک تمدن و عمران کی فلسفائی گونا گونیوں سے نا آشنا تھے۔ موجد بنے رہے، لیکن جوں جوں تہذیب و دانش کی علم و حکمت و معارف و امارت میں آگے بڑھے، توحیدی عقیدہ کا زردہ گھٹنا گیا اور مشرک کا چراغ شمع ان میں سرسبز ہونے چلے گئے، اسکولوں اور بازاری کتابوں میں آج کل جو یہ پھیلا دیا گیا ہے کہ اپنی حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے پہلے آفتاب و ماہتاب، برق و درہد، آگ وغیرہ چیزوں کو آدمی ڈر کر پوجتا رہا یعنی پہلے مشرک تھا بعد رفتہ رفتہ جوں جوں اس کی عقل برحق گئی مشرک سے توحید کی طرف وہ آیا سچا ہے بہت سے خداؤں کے ایک خدا کا قائل ہو گیا۔ بات اگرچہ اسی پر ختم کر دی جاتی ہے، لیکن مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقل انسان اس زمانہ میں جب آخری ارتقائی نقطہ تک پہنچ چکی ہے تو اس ایک خدا کی ہی ضرورت باقی نہ رہی لیکن سچ پوچھئے تو یہ نظر یہ کہ مشرک کسے بعد توحید کا عقیدہ پیدا ہوا تو جوں کی تاریخی شہادتوں کی بھی تکذیب ہے اور مذاہب و دینان کی بنیاد پر بھی یہ ایک ایسی مغرب سے ہوئی کہ اس کو نظر اب چونکے میں مسٹر مارشمن نے اس بازاری خیال کی تردید اپنی مشہور کتاب ”بائبل نرالیو“ میں پوری قوت کے ساتھ (یعنی حاضر مصلحت گذشتہ)

کہ جن مخفی قوتوں کے سراغ لگانے میں تم کامیاب ہوئے ہو، وہ بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے قرآنِ معلّٰی کے مقابلہ میں کسی قسم کی اہمیت دی جائے۔ مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ جیسے دنیا کی ہر چیز رب کے حکم سے پیدا ہوئی ہے، ”الروح“ بھی اللہ کے امر سے خلق رکھنے والی شے ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اللہ کے امر سے پیدا ہونے والے ذرات سے ”ایم بی ایم“ کی قوت جب نکالی جاسکتی ہے تو اسی امر رب کا ایک مظہر جب ”الروح“ بھی ہے تو اس کے غیر معمولی امکانات اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے ظہور پر کیوں تعجب کیا جائے۔

بِیْنِیْ وَبَیْنِکُمْ مَّحْجَرٌ مِّمَّنْ عَلِمَ الْاِلٰہُ قَلِیْلًا
نہیں دیے گئے ہو تم علم سے مگر سوڑا

سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خدائی مخلوقات یا امر رب کے مظاہر کے متعلق جو علم بھی نہیں حاصل ہوا ہے وہ اس کے مقابلہ میں بہت معمولی اور قلیل ہے، جس پر بھی پردہ پڑا ہوا ہے روز مرہ کے تجربات سے اس کی تصدیق بھی ہو رہی ہے۔

پس کچھ بھی ہو جائے، کسی قسم کے معلومات بھی حاصل کئے جاتیں۔ خواہ ان معلومات کا تعلق الروح ہی سے کیوں نہ ہو، اور ان معلومات کی مدد سے خواہ جس قسم کے عجیب و غریب اثرات کی قوت کی قدرت آدمی میں پیدا ہو جائے۔ قرآن یہ کہنا چاہتا ہے کہ ”القرآن“ کی ضرورت بہر حال باقی رہے گی۔ بلکہ ”الروح“ دے سوال کی آیت سے پہلے، ”الانسانی فطرت کے ایک خاص رجحان کی طرف ان الفاظ میں جو اشارہ کیا گیا ہے کہ

وَ اِذَا اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَخْرَجْنَا
وَنُنَافِیْ اِیْحَابِنِهٖ وَاِذَا اَمْسَدُ الشُّرُ
كَانَ یُبْغِیْ سَا
اور ہم جب آدمی کو نعمتوں سے سرفراز کرتے ہیں تو ہم
کرتا اور اپنے پہلو کو لے کر بہت دور نکل جاتا ہے
اور جب اسے دکھ پکڑتا ہے، تو بہت زیادہ پلٹتا

بن جاتا ہے۔

اس میں مجبور و دوسری حقیقتوں کے نفرت و راحت، آسائش آرام کی سہولتوں سے زندگی میں مستفید ہونے کی صورت میں اعراض یعنی حق تعالیٰ سے بے تعلق رہنے کے ساتھ ندامت کی عیاجبہ اپنے پہلو کو لے کر (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی بنیادوں پر لکھا ہے کہ ”انسانی کی تدریج ترین ذہن کی تاریخ توحید سے آخری درجہ تک کے شرک اور بدروحوں کے اعتقاد کی طرف تیز و پُر داز ہے۔“ ملاحظہ

دور نکل جاتا ہے۔ کے الفاظ سے جو کچھ بتایا گیا ہے، اسی میں جہاں تک میرا خیال ہے، مردِ روح یا روحانی اور باطنی کار و بار والوں کے اس نفسیاتی خصوصیت پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اگرچہ کی صلاحیتوں کا ٹھکانہ بہت علم اور اس علم کی بنیاد پر روح کی قوتوں سے کام لینے کا سلیقہ ان میں جب پیدا ہو جاتا ہے تو بخود غلطی کے خشار ہو کر اپنی برتری اور ہنر کے متعلق طرح طرح کے وسوسوں اور بہودہ خیالات وہ پکائے پختے میں جیسے مادی انسانوں کے نشہ میں بے خود ہو کر کسی زمانہ میں "انا ربکم" (میں اللہ تعالیٰ) میں ہوں نہایت پروردگار کی بزرگواروں سے نکلی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ "انا الخ" وغیرہ کے قصوں میں بھی اس قسم کی غلط فہمیاں پوشیدہ نہیں۔ اور یہ تو خیر سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ اصل واقعہ کیا تھا، تاہم کی شہادتیں اس باب میں مختلف ہیں ممکن ہے کہ اس کی کوئی ٹوٹی بھوٹی توجیہ کر بھی لی جائے لیکن یہ قطعاً تو ہماری ملک کا ہے، زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے، جب دلی احمد نواح دلی میں "رسول شاہیوں" اور "خلیفہ شاہیوں" نوشاہی

وغیرہ کے مختلف ناموں سے اس پر جزم (روحانیت) کے کار و بار کرنے والوں کی ٹولیاں ملک میں پھیل چکی تھیں جن کی مشترک خصوصیت یہ تھی کہ "شرعی قوانین" کی پابندیوں سے اپنے آپ کو وہ آزاد سمجھتے تھے، قصے تو ان کے طویل ہیں، یہاں آپ کے سامنے کتاب "مناقب العارفین" کے مصنف مولوی محمد حسین صاحب مرحوم رام پوری کے درمست سے موتے ان الفاظ کو نقل کرنے کی حرمت کو یاد رکھیں کہ سوچنے کی بھی تاب شاید کوئی مسلمان نہیں لاسکتا۔ "نقل کوٹھڑ بازندہ محترم میں بھی فرعون و فرود کے اظہار نقل کئے گئے ہیں پھر حال مولوی محمد حسین صاحب مرحوم جو خود صوفی لائبریری بزرگ درجہ دار ادبی ہیں انھوں نے ہندوستان کے سونیکا ایک تذکرہ مانتھیا لکھنے کے نام سے رد کیا ہے، اسی میں اس کی تھڑکی کرتے ہوئے کہ "نوشاہی" نام والے فرد کو میں نے خود دیکھا ہے، اپنے کانوں کی سنی ہوئی باتیں

قرآن مجید را بخار سب پیغمبری گفت و این حرف / قرآن کو پیغمبر رسولی اللہ علیہ وسلم کے سینے کا بخار کہا
و لفظ و آیات قرآن مکتوبہ، الکلام الہی فی وادست / کرتا تھا وہ قرآن میں جو الفاظ اور آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

(مذہب مناقب) ان کو وہ کلام الہی نہیں سمجھتا تھا۔

اور خاک بلکہ غلاطت بہ دین اوشاں گستاخیں میں ترنی کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ جاتے تھے کہ "قرآن عزیز" کا ذکر کر کے (و تالہم اللہ) کہا کرتے تھے۔

در کشمیر بارہ حصین زنان را کوفتہ کاغذی سازند
کشمیر میں ایام کے کپڑوں کو کوٹ کر کاغذ بناتے ہیں اور
دبراں خود می نویسند دی گویند کہ قرآن مست ص
اسی کاغذ پر خود مسلمان لکھ دیا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ

یہ ہے۔

گویا سینے پر پتھر رکھ کر کانپتے اور رزتے ہوئے ہاتھ سے ان گندے الفاظ کو میں نے نقل کر دیا ہے جن کی
توقع اسلام کے بدترین دشمنوں سے بھی نہیں کی جاسکتی لیکن ”الروح“ کے متعلق یہودی سوال کا جواب
دیتے ہوئے قرآن میں مذکورہ بالا الفاظ جو پائے جاتے ہیں، یعنی دھکی دی گئی ہے کہ وحی کرنے کے بعد قرآن کو
میں اگر مٹاؤں اور واپس لے لوں، تو پھر وینیلی کوئی طاقت وکیل بن کر اسے روک نہیں سکتی، بلکہ یہی نہیں اس سلسلہ
میں آگے تو اس سے بھی زیادہ بیان کی پوری قوت کے ساتھ یہی جتلا دیا گیا ہے یعنی اسی کے بعد قرآنی عظمت
وجہالت والی مشہور آیت

قُلْ لِّئِنْ جُمِعَتْ إِلَيْنَا نُسُوحُ الرِّجْزِ
عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا
يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَا كَانَ لِبَعْضِهِمْ قَظِيمًا
کہہ دو کہ اگر سارے انسان اور جن لکھے ہو کر جابی کہ
قرآن جیسی چیز کو حاصل کریں، تو اسبابہ نہیں کر سکتے
خواہ ان میں بعض حصن کے پشت پناہ بن کر بھی دوش

کریں

کو ہم اسی ”الروح“ والے سوال کے جواب کے بعد پاتے ہیں۔

بظاہر خیال ہوتا ہے، کہ ”الروح“ والے سوال سے قرآن کی عظمت و جلال کا کیا تعلق؟ مگر روحانی قوتوں
دلوں کے ان نجس اور گندے تاریخی الفاظ کے سننے کے بعد بھی بے ربطی کا خیال دلوں میں باقی رہ سکتا ہے؟
قرآن نے ”الروح“ اور روحانی قوتوں کے بیدار کرنے والے مشاغل پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے
اور جب مادہ کے قوانین، قوانین کی سراغ رسانی، اور جو معلومات ان قوانین و قوانین کے متعلق حاصل ہیں
ان سے کام لینے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ ہے تو قدرت ہی کی طرف سے ”الروح“ میں جو قوتیں و ولایت کی گئی
ہیں ان کے جانتے، اور جان کر ان سے کام لینے پر اعتراض کرنے کی وجہ یہی کیا جوسکتی ہے۔

لہٰذا بلکہ مادی اسلحہ کے مقابل میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کو حاصل کریں، کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ روحانی قوتوں دلوں
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

البتہ کچھ کی بات اس سلسلہ میں جبر ہو سکتی تھی وہی کہی گئی کہ ان معلومات کی بضاعتِ حرجۃ لوگوں کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اور جیسے مادی ذہن کا علم اور اس علم کے نتائجِ فزات کو اپنے قابو میں پاکور سالٹ و نہات اور دی کے علوم کا مضحکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں بنی آدم نے اُڑایا ہے، اسی کا خطرہ روحانی علوم اور ان علوم سے پیدا ہونے والے عملی نتائج کے متعلق بھی پیش آتا رہا ہے، بسا اوقات ہدی کی چند گانٹھوں کے مل جانے کے بعد لوگ ہنساری کی دکان کھول کر بیٹھ گئے، غور سے بہت معلومات بھی ”اروح“ کے متعلق کسی کو میسر آئے تو یہ دیکھا گیا ہے کہ وحی کے علوم کی عظمت ان کے دلوں سے کم ہونے لگی، سب پر واٹیوں کے آغاز میں لوگ بار و جہیوں سے ان پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ پی دلی جس کے نوشا ہی اہلیسوں کا مذکورہ بالا شیطانی فقرہ قرن کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بارہویں صدی ہجری میں جب محمد شاہ بادشاہ دلی کے بادشاہ تھے، دکن کے ایک رئیس درگاہ قلی خاں دکن سے آئے تھے۔ اور اپنی ایک یادداشت میں دلی کی مجلسوں، اور شخصیتوں کے کچھ حالات قلم بند کئے ہیں ایک روحانی ہستی کو ان الفاظ میں روشناس کراتے ہوئے

”قدوہ مشائخ شہزادہ، دو فوراً شہزادہ دربر عالم علم“

یعنی شہر کے مشائخ کے پیشوا سمجھے جاتے تھے اور عام طور پر لوگوں میں مشہور بھی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ۔

عمدہ ہائے مقتضائے صفائی عقیدتِ نبویؐ	یعنی شہر کے بڑے بڑے لوگ اور مقتدر ہستی یا انتہائی
سبحریت ایشان مربوط اند و سازاناس بہ	عقیدتِ مندوبوں کے ساتھ ان ہی درویش صاحب
تغریب ارادت دوسر علیہ اش منوط	کے مربوط مقتدر ہیں اور عوام ان اس بھی ارادت کا
	رشتہ ان ہی کے سلسلے سے جوڑے ہوئے ہیں

یہ بھی لکھا ہے کہ ایک طرف،

”حلقہ ذکرِ حاشیہ میرست و مارخ و زہن ارامت منزل و ستور“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے مقابلے سے کوئی خاص طبقہ ان روحانی ہتھیاروں سے اس سطحِ روحانی کو نش مین

شنسولی رہتا ہے تو کم مراحات بھی ہے کہ ان کی سعی غالباً سعی نامشکور نہیں سمجھائی جاسکتی ہے۔ ۱۲۔

لیکن دوسری طرف دینی کے ان ہی ”قدودہ مشائخ شہزادہ“ کا حال یہ بھی تھا
”بہ خرچ دوام میل خاطر می فرشی شود“
یعنی ہمیشہ شراب کا دور بھی ان کے ہاں چلتا رہتا ہے

کتاب دہی طہا بارہویں صدی میں

نواب درگاہ قلی خان نے ذکر کرنے کی حد تک ”بہ خرچ دوام“ کا ذکر نوکر دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ
”غالبا بنابر مصنفے باشندہ ظاہر آرائے مکتے“

کی چادری بھی شاہ صاحب کے ”ساغر دینا“ پر ارعادی ہے۔ اور یہ صاحب تو خیر زندگی ہی میں پیتے
تھے۔ بارہویں صدی کی دینی کے اسی سیاح اور سرسراخ نگار نے ایک موقع پر یہ خبر بھی دی ہے کہ ”احدی پورہ“
نامی علم میں کسی صاحب کی خبر ہے، اس فیر کو سال کی کسی خاص تاریخ میں

نشر امینا ہی شود
خاص شراب سے لوگ دھوئے اور ہلاتے ہیں
پھر طواف کا ناپ بھی رات بھر گزار رہتا ہے، طرفہ ماجرا یہ ہے نواب صاحب نے کھلبے کہ
مدد ایں حرکات داد یہ تریب و عریضی دانند اورین ساری باتوں سے لوگ خیال کرنے میں گرفتار
دینی بارہویں صدی میں مکتے صاحب کی مدد کو راحت پہنچی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ صاحب قبر کی زندگی کی علوت کو مرنے کے بعد زندہ رکھنے کی کوشش اس تدبیر
سے کی جاتی تھی، یا بارہویں صدی میں ایک خود ساختہ مذاق تھا۔

بہر حال میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ”الروح“ کے علم قبل ہی کے پرستار و فرات ہیں، ابتداء اس کی غرضی
قوانین کے عدم احترام تھے ہوتی ہے اور آخر میں العیاذ باللہ آپ نے: ”بیکھ لیا کہ خود قرآن“ پیغمبر کے سینے کا ”خبرہ“
بر کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ ان احقون کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ ”الروح“ کی قوتوں سے کام لینے کے بعد بھی
”الروح“ جو خود ان کی ذات ہی کی تعبیر ہے، جب اسی کی اصل حقیقت ان پر چھٹی کہ چاہئے۔ صحیح معنوں میں واضح
نہیں ہوتی، تو زندگی کے جناب دی سوجھ بوجھ کی زندگی بلکہ خود کائنات جس میں ہماری زندگی بھی شریک ہے
اس کی ابتدا کیا ہے اس کی انتہا کیا ہے، اس کا مد ما کیا ہے، ان سوالوں کے جوابوں کو دوج کے علوم نے جو
دقت عام کر دیا ہے، ہر کہ دم تک ان جوابوں کو خالق کائنات کے ترجمانوں یعنی حضرات الانبیاء و علیہم السلام نے پہنچا

دیا ہے۔ کیا وحی کے علوم کی روشنی کے بغیر ہم ان جواہروں تک "الروح" اور روحانی کاروبار والے مشاغل سے بچ سکتے تھے اور کون نہیں جانتا کہ زندگی کا یہ سفر ان جواہروں کے جلے بغیر کتابے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسا مسافر جو نہ جانتا ہو کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے، کہاں جا رہا ہے کیوں جا رہا ہے؟ دیوانے مسافر کے سوا کچھ اور یہی ہے، یقیناً زندگی پاگلوں کا ایک خواب بن کر رہ جاتی، پھر قرآنی وحی سے پہلے تاریخی حالات نے گذشتہ دہیوں کے علوم اور آگاہیوں کو قطعی اعتماد اور لازوال یقین کی قوتوں سے جو محروم کر دیا ہے جن لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ ہے۔ اور آباہیت کی آفت سے جن کے دماغ مآؤت نہیں ہیں، وہی سمجھ سکتے ہیں کہ ان ہی عام جیسے جوتے جواہروں میں قرآن کی آخری وحی سے یقین و اذعان کی کتنی غیر معمولی روزانہ نئی قوت بھر کر جیتے جا گئے، زندہ جادو جادو کا قالب ان کو عطا کر دیا ہے۔ سچ یہ جیسے تو قرآن ہی کی تصدیق و تصحیح و تکمیل ہی کی بدولت مذاہب کی یہ انہی صدائیں غیر فانی بن گئی ہیں۔ بلکہ "الروح" کے متعلق اسی یہودی سوال کے جواب کے سلسلے میں قرآنی وحی کی اہمیت کو ظاہر کرنے ہوئے درمیان میں جو یہ فرمایا گیا ہے -

إِلَّا تَهْتَبْتُمْ مِنْ رَبِّكُمْ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ

دینی قرآنی وحی، صرف میرے رب کی اس رحمت کا نتیجہ

عَلَيْكُمْ كَثِيرًا

ہے جو تجھ پر ہے بلاشبہ خدا کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے

ان الفاظ کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ بھی وہی کر سکتے ہیں، جو زندگی کے ان بنیادی سوچوں کے جواہروں کی اہمیت سے بھی، اور دلوں میں شعوری و غیر شعوری طور پر ان جواہروں کے متعلق بے اطمینانی شک و شبہ کی جو کیفیتیں قرآنی وحی سے پہلے تاریخی حوادث و واقعات کے زیر اثر پیدا ہو گئی تھیں، ان سے بھی صحیح واقفیت حاصل

لے یعنی آباہیت یا باپ دادوں کی روش اور طریقہ زندگی کو حق و باطل سمیٹا کر جاننے یا کسی طریقہ زندگی کی محبت پر اس نے اصرار کر اصرار کرنے والے کے والد مرحوم یا دلوں مرحوم کا طریقہ تھا، اسی کا نام آباہیت ہے مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاؤُنَا كَقَرْنٍ الْفَالَسِ یا اصطلاح ماخوذ ہے یورپ نے آباہیت کی اسی اہمیت ذلیل ذہنیت پر کچھ کے لفظ کا لفظ دہنا کہ کچھ کچھ دن کے لئے اس ذہنیت کو بے وقوفوں کے لئے دل چسپ بنا دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ باہر سے بڑھایا ہوا یہ فائدہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتا۔

کرنے کا موقعہ مبسر آیا ہو۔

بلاشبہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت و کرم اور اس کے ”فضل کبیر“ نے یقین سے محروم انسانیت کے سامنے زندگی کے اس سفر کو جائزہ لے رہے ہیں جاری تھا، پھر دشمنی کی ایسی راہ پر لگا دیا ہے، جس کے متعلق سچا طور پر کہا جاسکتا ہے، کہ لیلہا و نھاسا سوا عدوین اور مات و دیول اس کے لئے برابر ہیں، اور یہ تو خیر زندگی کے بنیادی سوالوں کے جوابات کی حالت سے سب زانی احساس بغیر کسی جہنم داری کے یہ ہے کہ القرن العظیم جو براہ راست حق تعالیٰ کے فرامین اور نخبہ ہونے معلومات پر مشتمل ہے وہی نہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں سورہ الفاتحہ جو بندوں کی طرف سے بارگاہ الہی میں درخواست ہے، یہی درخواست اور یہی دعا ہے اس کا ایک ایک فقرہ جامعیت و لغت اور گہری منوہیت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ دعاؤں کی فہرست میں ایسی دعا کم از کم فقیر کی نظر سے نہیں گزری ہے اور چالیس پچاس سال کے مسلسل غور و فکر نے اس نکتہ تک پہنچا ہے کہ جب سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب کوئی نئی بات ایسی باقی نہیں رہی، جو سمجھ میں نہ آئی ہو تو اسی وقت پھر کسی نے راز کا انکشاف ہوتا ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ جیسے قدرے کابہر کام محدود اسرار و رموز کا گنجینہ ہے، بجائے ہی حال اس قدر فی کلام کا ہے جسے ہم قرآن کہتے ہیں اور جیسے ذرہ سے لے کر آفتاب تک جیسی چیزوں کو بنانے سے انسان عاجز ہے، اسی طرح قرآن کی بھی چھوٹی سے چھوٹی آیت کا بنانا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کسی انسان کا مصنوعی کلام نہیں ہے اس دعویٰ کی فطری دلیل یہی ہو سکتی تھی کہ کوئی اس جیسا کلام بنا نہیں سکتا اور اسی کو بار بار قرآن میں پیش بھی کیا گیا ہے

سلسلہ تاریخ ملت نبی عربی صلم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید ایڈیشن جس میں اخلاق سرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہر القادری کا سلام بے درگاہ خیر کلام بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ اس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے۔ قیمت پھر جلد ۱۱۱ بقیہ حصص، خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے۔ خلافت عباسیہ ہے، خلافت عباسیہ اول ہے۔ خلافت عباسیہ دوم ہے، تاریخ مصر ہے، خلافت عثمانیہ ہے،

مولانا ضیاء الدین نخشیؒ

از

(پروفیسر طین احمد صاحب نظامی استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا ذکر ہے کہ بدایوں میں ایک بزرگ مولانا ضیاء الدین نخشیؒ رہتے تھے، اللہ نے انھیں علم و فضل کی بے پناہ دولت سے نوازا تھا۔ لیکن مال و جاہ دنیوی سے ان کو بیکسر محروم کر دیا تھا۔ وہ اس محرومی کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے اور عسرت و تنگی میں ایسی خوشی سے دن گزارتے تھے کہ "الفقر فخری کا سال آسمانوں کے سامنے کھج جاتا تھا۔ اور نعمتیں تک پکارا لیتی تھیں۔"

دارا و سکند سے وہ مرد فقیر اوئی ہو جس کی فقیری میں جوئے اسدا لہی
نخشی، عزت و شہرت کے خواہاں نہ تھے۔ انھوں نے اپنے دل کی دنیا "سوز و مستی بھذب و شوق" سے قہر کی تھی۔ ان کی تمنا تھی کہ بس یہی دنیا آباد رہے۔ وہ دعا کرتے تھے تو یہی ہے

خدا یا اہل دل را ذوق دل دہ منیائے نخشی را شوق دل دہ
انھوں نے عمر بھر اس ڈر سے گھر نہیں بنوایا کہ کہیں دل نہ ویران ہو جائے۔ عرفی نے سچ کہا تھا
من از فریب عمارت گداشدم و در نہ ہزار گنج یہ ویرانہ دل افتاد است !
نخشی کی عزت پسندی اور عرت و جاہ سے نفرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شہرت بدایوں کے ایک گوشہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) سے پہلے کسی مورخ یا تذکرہ نویس نے، ان کے حالات نوکریا، ان کا نام تک نہیں لکھا۔ جب شیخ محدثؒ نے ان کے حالات لکھنے چاہے تو ان میں اور نخشیؒ میں کم و بیش تین سو سال کا فاصلہ تھا۔ گوشہ گنہامی میں زندگی گزارنے والے بزرگ کے حالات کا دستیاب ہونا آسان نہ تھا۔ چنانچہ ان کو نخشیؒ کی تصانیف کے چند اقتباسات پر اکتفا کرنا پڑا۔ یہ ۹۹۹ھ کا ذکر ہے جب شیخ محدثؒ

اخبارِ الاخبار کی ترتیب و تصنیف میں مصروف تھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں جب انھوں نے تالیف قلبِ الایف لکھنی شروع کی، تو بخشی کے حالات کی پھر تلاش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ شیخ محدث کے بعد کے تذکروں میں بخشی کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن وہ بڑی حد تک شیخ محدث ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب ضیاء بخشی کے حالات کی جستجو اگر کی بھی جائے تو کوہ کندن و کاہ برآوردن کی مصلحت ہوگی۔ اس مضمون میں میں نے کوشش کی ہے کہ خود ضیاء بخشی کی تصانیف سے ان کے حالات مرتب کئے جائیں اور ان کی علمی خدمات اور افکار کا پتہ لگایا جائے۔

وطنِ مولانا ضیاء الدین بخشی کے رہنے والے تھے پہلے ناموس میں خود لکھتے ہیں ۷۷
 ہر شہرے و ہر جائے مناسے قیمتی خیرند
 ضیاء بخشی و شکر ز مصر و سعدی از شیراز
 بخشی بنجار میں ایک پر فضا مقام تھا۔ عرب اس کو نصف کہتے تھے۔ دریا کشکاش کے درمیان سے گزرتا تھا۔ اور اس کی رونق میں اضافہ کرتا تھا۔

جب وسطِ ایشیاء میں منگولوں کا طوفان کف بردہاں امنڈنا شروع ہوا تو بخشی بھی ان کے جورد ستم سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنگیز خاں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کو یہ علاقہ ایسا پسند آیا کہ اپنی فوجوں کے لئے گرمی کی چھاؤنی یہاں بنادی۔ رفتہ رفتہ منگولوں کے حملات بننے شروع ہو گئے یہاں تک کہ ہر طرف محاسی محل نظر آئے۔ لہذا اس جگہ کا نام قرشی پڑ گیا۔ قرشی منگولوں کی زبان میں محل کو کہتے ہیں۔ آج بھی یہ علاقہ قرشی ہی کہلاتا ہے۔

ہندستان میں آمد اگنان غالب یہ ہے کہ جب بخشی میں منگولوں کا تسلط ہو گیا اور وہاں کے حالات ناقابلِ برداشت ہو گئے تو وسطِ ایشیاء کے اور بہت سے مسلمانوں کی طرح، ضیاء بخشی نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بقول غصامی ۷۷

۱۷ ابن حوقل۔ ص ۳۷۸ عہد تک قرشی ایک مشہور و معروف مقام رہا بعد کو کش کی شہرت نے اس کو ماند کر دیا کش۔ قرشی سے کل تین دن کی مسافت پر واقع تھا جو کہ تیمور کش میں پیدا ہوا تھا اس لئے اس کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی۔ تیمور کی تاریخوں میں اکثر جگہ قرشی کا ذکر ملتا ہے (ظفر نامہ۔ ج ۱، ص ۱۱۱، ۲۶۴، ۲۵۹، وغیرہ)

بے عالمانِ بخارا نثار
بے زاہد و عابد ہر بلاد
دراں شہرِ فرخندہ جمع آمد
جو پردانہ بر نورِ شمع آمد
دار السلطنت دہلی خلافتِ عالم کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا۔
فارسی کا ایک مشہور مصرع ہے

خدا شرے برا نگیزد کہ خیر ما دران باشد

وسط اشیاء میں جب ترکانِ غزا اور منگولوں کی تباہ کاریوں نے عرصہٴ حیات تنگ کر دیا تو علماء و اکابر کی ایک کثیر تعداد ہندوستان کی طرف رجوع ہو گئی۔

بغداد و بخارا کے یہ ٹوٹے ہوئے تارے، ہندوستان کی نقصانے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے۔ اور اسلامی ہند کو اپنے ابتدائی دور میں علماء و فضلاء کی ایک ایسی کثیر تعداد مل گئی جس نے سارے ملک کو اپنی فواید و تسخیموں سے پرورش کر دیا۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ المعروف بہ دانا گنج بخشؒ غالباً پہلے بزرگ ہیں جو نامساعد حالات کے باعث ہندوستان تشریف لائے۔ ان کے بعد قوافل در فاضلہ لوگ اس ملک میں آنے لگے۔ عام طور سے جو لوگ عزت و شہرت کے خواہاں ہوتے تھے وہ دہلی میں رک جاتے تھے کہ دار السلطنت کی زندگی میں بہر حال بڑی دلفریبی تھی۔ جو بزرگ حکومت و فت سے بے تعلق رہ کر زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ دہلی سے دور کسی مقام کا انتخاب کر لیتے تھے۔ کہ دربارہ کے دم گھونٹنے والے ماحول سے ان کی طبیعت گہرائی تھی۔ بدایوں ایسے لوگوں کا محبوب مرکز تھا۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ اولیاء کے دلاور درناما، جو سرکاری ملازمت کو پسند نہیں کرتے تھے اور گوشہٴ قناعت میں زندگی گزارنا چاہتے تھے جب ہندوستان آئے تو بدایوں ہی کو اپنا مستقر بنا لیا۔ غالباً یہ خاموش زندگی بسر کرنے کی تمنا ہی تھی جس نے ضیاء بخشی کو بدایوں میں قیام کرنے پر آمادہ کر لیا۔

بدایوں میں قیام | بدایوں، اسلامی تہذیب و تمدن کا قدیم مرکز تھا۔ یہاں اسلامی علوم و فنون نے بڑی ترقی کی تھی۔
عبد جبار مدرسے اور خانقاہیں تھیں۔ چپے چپے پر بزرگوں کے مزارات تھے۔ خود حضرت شیخ نظام الدینؒ اولیاء کا زمانا تھا کہ

”در بدایوں بسیار بزرگاں خفته اند“

یہاں کی خاموش علی دینی فضا نے بخشی کے داسن دل کو بچھڑا اور وہ بدایوں پہنچنے کے بعد بدایوں ہی کے ہو گئے۔

تذکرہ الاولیاء میں مولانا عیاء الدین کے بدایوں میں قیام کرنے کے سلسلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے، جب بخشی بدایوں شریف لائے، تو جس مکان میں مقیم تھے اس کے ہمسایہ میں دعوئل بننا ہوا سنا لوگوں سے دوپوچھی معلوم ہوا کہ مالک خانہ کی سالگرہ کی خوشی میں لوگ میث و نشاط میں مصروف ہیں۔ فرمایا۔ یہ بہت اچھی جگہ ہے کہ یہاں کے لوگ عرس کم ہونے پر خوشی کرتے ہیں۔ یہاں سے نہ جانا چاہئے۔

بخشی نے اپنے وطن کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی چنانچہ ان کی طبیعت آسائش کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ انھوں نے ایک گوشہ میں اپنا مسکن بنالیا اور رہنے لگے۔ خود کہتے ہیں کہ

آنکو دیرانی جہاں دیدار است خشت بر خشت بیچکد نہ ہند
شیخ شہاب الدین ہمدانی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب عنیا بخشی بدایوں پہنچے تو ان کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ اور وہ عیسائی علوم سے بھی پوری طرح فارغ نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بدایوں پہنچ کر شیخ شہاب الدین ہمدانی کے داسن کمال سے وابستہ ہو گئے اور ان سے کسب علوم کرنے رہے۔

شیخ ہمدانی سے تلمذ کی روایت تذکرہ الاولیاء میں درج ہے۔ خود بخشی نے کسی جگہ اس کی بابت کچھ نہیں لکھا۔ صاحب تذکرہ الاولیاء نے اپنے مآخذ کا حوالہ نہیں دیا اور تذکرہ نویس بھی اس مسئلہ میں خاموش ہیں۔ معارج الولاہیت میں ان کے مزار کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

”مرقد او در بدایوں است، قریب روضہ صاحب پیش نماز گاہ شمسی باباں قبر شیخ محمد استاذ خود بسیار عزیز و مردانہ خفتہ است“

تذکرہ الاولیاء میں لکھا ہے کہ بخشی کی قبر چوبڑہ شہاب ہمدانی پر واقع ہے۔ میرے خیال میں معارج الولاہیت کے کاتب نے شیخ ہمدانی کی جگہ غلطی سے شیخ محمد کھدیا ہے۔ شیخ محمد نامی کسی بزرگ کا تذکرہ بدایوں

نے فوائد افراد مذکورہ الاولیاء میں مع معارج الولاہیت جلد اول (علمی نسخہ)

کے سلسلہ میں نظر سے نہیں گزرا۔

بہر حال شیخ ہمہ سے بخشی کا اکتساب علوم کرنا کوئی ایسی بات نہیں جس کے قبول کرنے میں کوئی تاریخی رکاوٹ پیش آتی ہو۔ شہاب ہمہ اپنے عہد کے مشہور عالم اور استاد اشعرا تھے بدایوں میں ان کا طوطی بونا تھا امیر خسرو نے لکھا ہے۔

در بیاؤں ہمہ سرمست بر خیزد ز خواب گزیر آید غفل مرغان دہلی زیر نوا
ہمہ عالم بھی تھے، اور شاعر بھی۔ بخشی کو ایسے ہی استاد کی مزدورت بھی تھی۔ انھوں نے استاد کے انتخاب میں یقیناً بڑی دور بینی سے کام لیا کسی زاہد خشک سے منسلک ہو جانے میں، ان کی شاعرانہ فطرت اور کمالات کے مانع نہ بن جانے کا خطرہ تھا۔

شیخ فرید الدین ناگوری کے احوال | شیخ عبدالحی محدث دہلوی، اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں۔

”جن شہید شدہ است کہ دے مرید شیخ ایسا سنا گیا ہے کہ شیخ فرید سے جو حضرت شیخ حمید الدین
فرید است کہ نبیرۃ و خلیفہ سلطان التارکین شیخ ناگوری کے پوتے اور خلیفہ تھے سمیت تھے۔
حمید الدین ناگوری است، واللہ اعلم۔“

شیخ محدث بڑے محاط راوی تھے۔ ان کی اس عبارت سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ خود انھیں اس کا یقین نہیں تھا۔ صرف شہرت کی بنا پر انھوں نے یہ بات لکھ دی ہے۔ ضیاء بخشی کی کسی تحریر سے اس مسئلہ پر روشنی نہیں پڑتی معارج الولاہیت نے یہ بات یقینی طور پر اس طرح لکھی ہے

”مرید و خلیفہ شیخ فرید الدین نبیرۃ حضرت سلطان التارکین است۔“

اور ان کا ذکر اسی ترتیب سے کیا ہے۔

شیخ فرید الدین ناگوری اپنے عہد کے مشہور مشائخ میں شمار کئے جاتے تھے۔ انھوں نے اپنے دادا شیخ حمید الدین سوانی ناگوری کے ملفوظات (سرور الہدود) جمع کیے تھے۔ اس ملفوظ میں شیخ فرید نے کچھ اپنے

لے منتخب التواریخ، علامہ عبدالقادر بدایونی، جلد اول صفحہ ۱۷ اخبار الاخیار، ص ۱۰۴ (مجتبائی پریس دہلی ۱۳۱۹ھ)

لے سرور الہدود ایک نادری نسخہ خاکسار کے پاس ہیں ارادہ ہے کہ اس کو مرتب کر کر شائع کر دیا جائے۔

حالات بھی لکھے ہیں اس میں کسی جگہ ضیاء بخشی کا ذکر نہیں۔ ایک بزرگ شیخ خبیب الدین بخشی کا ذکر ضرور ہے جن کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ الہامی کے زمانہ میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ سلطان نے ان کو شیخ الاسلام بنا دیا تھا اور ان کو بدرکہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

سلک السلوک کے نامہ کو شیخ فرید نام سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اور شاید اسی وجہ سے اس نے کتاب کے خانہ پر بخشی کو خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ لکھ دیا۔ جو یقیناً غلط ہے۔

عزت زندگی کی زندگی بخشی کی زندگی عسرت و تنگی میں بسر ہوئی تھی۔ ان کے پاس "نقد دین" کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہی ان کی متاع عزت تھی یہی ان کی تسبیح کا باعث لکھتے ہیں۔

بخشی نقد دین ز دست مدہ خلق فضل کریم بر بہہ یافت
فرا پاتے بر سر گنج اند نقد دین ہر کہ یافت ہر بہہ یافت
وہ فقر وفاقہ میں "راز زندگی" پاتے تھے اور اس میں خوش بہتے تھے لکھتے ہیں۔
بخشی ہاں بفقر خوش می باش گرچہ کس در غنا نباشد خوش
فرا آنچنان خوشند از فقر کہ کسے در غنا نباشد خوش
بخشی کا عقیدہ راسخ تھا کہ رزق اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر ہوتا ہے سلک السلوک میں انھوں نے حضرت رابعہؒ کی ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ لکھا ہے۔ بصرہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا لوگ بہت پریشان ہوئے اور اس کی اطلاع حضرت رابعہؒ کو پہنچی دی سن کر فرمانے لگیں۔

اگر تمہارا غلہ بمقتال زور سے من ہرگز ذرا تے اگر غلہ کا ایک ایک دانہ سونے کے دانوں کے برابر بھی
رزق اللہ کو کہیں نشوم خان علیہ السلام نے فرمایا (مجھے پرواہ نہیں) میں رزق کا غم کہیں نہ کھاؤں
کہا میں تا و عنینہ ان میرزا قحط کھاؤ عنینہ
کی بندگی ہے اور نبیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے
ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے۔

۱۔ سرمد الہمدور (رقعی) ص ۱۹ کے سلک السلوک ص ۱۷۱ کے ایضاً ص ۱۷۱ کے ایضاً ص ۱۷۱

اس قول کے نقل کرنے کے بعد تختی نے یہ تظہر لکھا ہے کہ

تختی از خداست رزق ہمسہ می برد ز آفتاب عالم نور

ہست اند جہاں کون و مناد نان شاہ و گدا ز یک تنور

اس کے معنی یہ ہرگز نہ سمجھے جائیں کہ وہ روزی حاصل کرنے کے لئے کسی جہد و جہد کو مزدوری نہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے محنت و مشقت کے ساتھ روزی حاصل کرنے کو "مذہبی فریضہ" کا درجہ دے کر

اس پر بحث کی ہے۔ ارشاد نبوی "طلب المحلل جہاد" پر انھوں نے بے حد زور دیا ہے اور بقول حرام کی شدت کے ساتھ مذمت کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

„جبئی گویند ہر یک بقول حرام خورد چہل روزہ کہتے ہیں کہ جو کوئی حرام کا ایک بقول بھی کھانا ہے چاہیں

نہ روزہ را در نشاء اجابت ز سید و جزیرہ حلال روز تک اس کی دعا کا تیر نشاء اجابت پر نہیں پہنچتا

حاصل کردن از اعظم مورد اصعب اعمال است یعنی اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، اور رزق حلال کی

طلب اعمال میں نہایت مشکل عمل اور کاموں میں بہت

عظیم الشان کام ہے۔

تختی کا عقیدہ تھا کہ حصول روزی کے لئے جس طرح جہد و جہد مزدوری ہے اسی طرح یہ یقین بھی جہد

ایمان ہے کہ روزی کا دینے والا اللہ ہے اور کوئی انسانی قوت، رزق ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

امراء و سلاطین سے بے تعلقی [چشتیہ سلسلہ کی دیرینہ روایات کے مطابق تختی نے شاہان وقت یا امراء سے کوئی رابطہ

یا تعلقی رکھنا پسند نہیں کیا۔ لکھتے ہیں۔

عزیزین! امرائے کہ بر فقر آئید سعادت ان امراء عزیزم! امیروں کا فقروں کے پاس جانا ان امیروں کے

باشد، و فقرائے کہ بر در امراء روزہ نشاء آید لئے وہ سعادت ہے اور جو درویش کا امیروں کے گھر

فقر بود کہ کا طواف کرتے ہیں یہ ان فقریوں کی سعادت کی نشانی ہے

اس اصول کی وضاحت میں انھوں نے چند ایسے واقعات لکھے ہیں جو خود ان کے جذبات کی ترجمانی

لے لے سے سلک السلوک

کرتے ہیں۔ ایک بادشاہ ایک درویش سے ملنے گیا اور دینار پیش کئے، درویش نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا اگر دینار قبول نہیں کرتے تو اور کوئی حاجت بتاؤ جو میں پوری کر دوں اور درویش نے جواباً ”حاجت من آنست کہ بارہ بکر مراد مت نہ دی“ میری حاجت و مزدورت صرف یہ ہے کہ دوبارہ یہاں آکر مجھے تکلیف نہ دینا۔

حکیم سنائی کا ایک واقعہ خوان کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

بشنو بشنو جنس گویند بادشاہ ہے کہ سنائی حکیم درویش
سلطنت او بود جو س دیدن سنائی کرد، ہر جا اور
بطریقہ نہایت غنہ حاجت از بارہ بختیہ بیادہ
چوں بیاد و ستہا در کس کردہ آمد و چون بنشست
پائے دراز کردہ بنشست بادشاہ گفت، اسے
خواہد مانشینہ ایم کہ تو حکیم سنائی گفت دوسن
پہ ظرافت گفت دہ ہی گفت من سر چیز درودیم
کہاں ہر سر چیز از قاعدہ حکمت خارج اند، گفت
آں کہ ام اند۔ بادشاہ گفت اول آنست کہ تو نہ
خاد غنٹ چکنی۔ سنائی گفت من بیچ کس یادہ
عمل خود چو خود دنیا فتم مگر آن غنٹ۔ بادشاہ
کہا تمام برہمنیت مردوں آفریدہ اندہ انا ز من کار
مردوں برنی آمد من غنٹ طرقتیم و او غنٹ خربت
و دم گفت چوں آمدی دستہا متہا چو آہنگ آواز
چش تو دستے لیول خواہم کشاد، گفت سوم
چلا بنشستی پائے جہا دراز کردی۔ گفت از

سنو! سنو! کہتے ہیں مشہور حکیم سنائی کے زمانے میں ایک
بادشاہ نقاحس کو سنائی سے عاقبت کا اشتیاق ہوا
چنانچہ کن کو تلاش کیا گیا مگر کہیں نہ ملے تا شہسار کے
بہرہ آفرایک چڑھے کے یہاں سے براہ ہوئے اور
ان کو بادشاہ کے پاس پہنچایا گیا، جیسے ہی یہ بادشاہ
کے یہاں پہنچے اپنے ہاتھوں کو سمیٹ لیا اور بیٹھ تو
باؤں بھینا کر بیٹھے، بادشاہ نے کہا ہم نے سنائی
آپ حکیم سنائی میں سنائی بولے تو پھر آپ نے مجھ میں
حکمت کے خلاف کون سی بات دیکھی کہ آپ کو تعجب ہوا
بادشاہ نے جواب دیا جس نے تم میں تین چیزیں جیسی
دیکھی ہیں جو اصول حکمت پر پوری نہیں اترتی، حکیم سنائی
نے دنیا مت کیا وہ کیا ہیں؟ بادشاہ نے کہا پہلی بات تو
ہے کہ تم چڑھے کے گھر کیوں تھے اور کیا کرتے تھے
سنائی نے برا جواب دیا چھ مل کے اعتبار سے
اس غنٹ کے حدود کسی کو اپنے صلیب میں یا باکیر تک پہنچانے
میرے صلیب کی ساخت مردوں جیسی ہے اور مجھے مردوں

برائے آنکھ تابانی کمن شخصے ام بے ادب
کی محبت و صورت پر پیدا کیا گیا ہے تاہم مجھ سے مردوں
کا کوئی کام نہیں ہوتا ہذا میں محبت و محبت ہوں اور وہ
محبت شریعت و دوسری بات بادشاہ نے یہ کہی کہ تم جب
آئے تو بندھے اور سکرٹے باقی کیوں آئے سنائی نے
کہا اس لئے تاکہ تم مجھ کو کہیں کسی وقت بھی ہمارے
سامنے دست سوال نہیں بھینچو گے گا۔ قیسی بات
یہ کہی کہ تم نے یہ کیا کیا کہ بیٹھے تو پاؤں پسا کر کر بیٹھے، حکیم
دانا نے جواب میں کہا اس لئے تاکہ آپ یہ سمجھیں کہ میں
ایک بے ادب شخص ہوں اور پھر آپ مجھے دربارہ
بلائیں اور میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

خود دہلی میں سلطان و امراء کو نصیحت کرنے اور ان کو گراہیوں سے آگاہ کرنے کا ایک مؤثر طریقہ
یہ تھا کہ گزشتہ بادشاہوں کی عبرت آموز داستانیں کچھ اس انداز میں بیان کی جاتی تھیں کہ بادشاہ متاثر ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ تجبئی نے بادشاہوں کو ہدایت کرنے کے لئے دہلی طریقہ اختیار کیا ہے۔ انھوں نے
سلوک السلوک میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ ہارون الرشید وغیرہ کے واقعات بادشاہوں
کی عبرت کے لئے درج کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص ان سے ملنے کے لئے
گیا دیکھا کہ جسم پر ہلدی لٹی ہوئی ہے۔ اور بچوں کی طرح رزد رہا ہے اس سے سبب دریافت کرنے کی جرأت
نہ ہوئی۔ ان کے بیٹے کے پاس آکر دھڑپوچی۔ انھوں نے جواب دیا میرے باپ ہفتہ میں چھ دن خلعت
سے اعتبار کرنے میں ساتویں روز خود اپنے نفس سے امور دین پر پرسش کرتے ہیں۔ آج انھوں نے
خود اپنے اچھے کوڑے لگائے ہیں کہ سارا جسم زخمی ہو گیا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں حمام میں گیا۔ غلطی سے گرم پانی

لے سلوک السلوک میں ام۔ ہم ملہ۔ کا۔ السلوک خذ

حس پر ڈال لیا۔ بس بل جلا تھا۔ باہر نکلا تو صدقہ دیا۔ اور کہنے لگا آج تو گرم بانی کی بھی تاب نہیں، قیامت کے دن پچھن ہزار سال کی سلگتی ہوئی آگ میں ڈلا گیا تو کیا ہوگا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد غنئی لکھتے ہیں

غنئی نیک غافل از حشر اندر دم ز بہر تو ریش است
در چہ کارے تو بیج میدانی تا چہ روز عظیم در پیش است
ایسے واقعات لکھتے وقت ان کا انداز بیان بنا دیتا ہے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے اور وہ کس کو نصیحت کرنے کے لئے ہے چہن ہیں۔

عبادت در یافست غنئی کی رگ رگ میں عشق حقیقی سما ہوا تھا۔ وہ بادۂ عشق کے متوالے تھے۔ خود کہتے ہیں

غنئی مست بادۂ عشق است

وہ عبادت در یافست میں کافی وقت گزارتے تھے۔ ان کے اشعار میں عشق حقیقی کی ایک عجیب پیش اور گرمی محسوس ہوتی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

غنئی را ز عشق رخسارت شد ز گریہ ز آب رخسارہ

عاشق را و فو ز خون خود است بوالجب مذہب است مذہب عشق

غنئی عشق مذہب است عجب شدش کس بیان چہ خواہ کرد

آنکہ آہ یزین دوست ہند بر سر دشمنان چہر خواہ کرد

ماحول سے دل برداشتگی حضرت غنئی کی تصانیف سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے کچھ دل برداشتہ اور زمانہ کی شکایت سے تھے۔ دوستوں کی بے وفائی اور عوام کی مذہب سے بے اعتنائی نے ان کے

دل و جگر پراں کیا تھا۔ ایک جگہ نہایت حسرت سے لکھتے ہیں

غنئی بر زمین نامد کسے خن من از زمانہ آب شدہ است

دیر شد کایں جہاں ز اہل صلاح شکل دلہا ہمہ خراب شدہ است

بہر دل کو سمجھاتے ہیں

لے سلک اسلوک مولا چہل ناموس دغی نسبی سے سلک اسلوک مولا سے ایضا مولا سے ایضا مولا

نخشی از جہائے خلق مرنج این نصیحت از عالم ملکی است
 آدمی کیست کو زندہ ز رخے ہر بد و نیک کاں رسد ملکی است
 سلک السلوک میں انھوں نے متعدد جگہ معاصرین کی اخلاقی اور مذہبی پستی پر رنج و افسوس
 کا اظہار کیا ہے۔ کہتے ہیں:

• مردمان نام مسلمانی بر خود ہنوادہ اندوہانکہ لوگوں نے اپنے نام مسلمان جیسے رکھ لئے ہیں لیکن
 در مسلماناں بایہ در ایشان نہ لے جو بات مسلمانوں میں ہونی چاہئے ان میں نہیں ہے
 چہں ناموس میں لکھتے ہیں ۔

نفس پرستی چہ با در خور است ما در گرد مذہب ما در گد است
 نخشی نے اپنے دوستوں کے ہاتھوں بڑے ظلم سہے تھے: ”جہائے ہمدان“ نے ان کا دل
 داغ داغ کر دیا تھا۔ گریز کے شرع میں انھوں نے ایک نظم ”در مذمت فلک و اینائے روزگار“
 لکھی ہے جو ان کے جذبات کی آئینہ دار ہے، اور پوری سننے کے قابل ہے۔

چہ در راست اینکہ در دے مردی نیست	جہائے ہمدان را خود کمی نیست
نمذاست از دغا بوئے بردم	میان مردمان شد مردی گم
بہالم ہر کرا بیش آزمائی	نہ بینی اندر و جز بے وفائی
دگر نہ عاقبت مادی بجائے	چنین دائم بند وقت دلفائے
جہاں تا بود ہچوں بود یا خود	بوختے یا چنین یک بار بد شد
نہ از جور زمان کس را امانے	نہ از انصاف در عالم نشانے
فلک تا جہان و چرخ بد رائے	چگونہ جان توں بردن ازیں جائے
گہی باشد کہ ایں گردندہ اجرام	شود از تندی و از فوسنی رام
قبلے چرخ پارہ پارہ گردد	فلک در معرض نظارہ گردد

نہ سلک السلوک ص ۳۳ لکھ فیاض ص ۲۵

نہ کس گیرد نہ دخورشید لا نام نہ کارے آید از شمشیر بہرام
 براخذ شوم کیوں از میان شرف از شہتری دارد کرانہ
 عطارد را شود اوراق پارہ دین زہرہ باند از ہزارہ
 پدید آید ہمہ سود و زیاہنا بشکل نامہ پیچہ آسمان ہا
 نہ پنج و ہفت آید در جہاں کار نہ از شش نام گیرد کس نہ از چار
 بگیرند از طبائع طبعہا باز جہانے بہ ازیں نہند آغاز
 اگر زیں دور مارا نفع کم بود مگر از عالم دیگر بود سود
 خود ایں دنیا دہوان پیچ بچیت کہ کار اد سراسر پیچ بچیت
 اگر کار سیت عقیٰ دارد اے دوست کسے کو کار عقیٰ کرد مرد دوست
 جہاں آنست دین دہراں سرائے ز دہرائی نہ ز نیست جائے
 چہ بندی دل دریں دنیائے تاری کہ یکدم نیست بردے استواری
 ضیاء بخشی از دے مبدیش مدارش استواری دل ازیں بیش
 چہل ناموس کے شرع میں بھی ایک طویل نظم میں ان ہی جذبات کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے
 ۷۔ در کس امروز صفائی مجھے از خود و از غیر دفائی مجھ
 آخر بخشی میں مایوسی اور قنوطیت کے یہ جذبات کیوں پیدا ہوئے ؟ — اس سوال کا جواب
 بخشی کی زندگی سے زیادہ، اس عہد کے حالات گرد و پیش میں ملتا ہے۔
 بخشی کی تصانیف عہدِ قفق سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ
 پر مایوسی اور قنوطیت کا رنگ چھا گیا تھا۔ سیاسی میدان میں اگر محمد بن قفق نے یہ اعلان کیا تھا کہ
 ”ملک ما مریض گشت“
 تو دوسری طرف حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے غلگین لہجہ میں فرمایا تھا۔

لے گل ریزہ۔ ص ۶-۵ (مطبوعہ انشیاک سوسائٹی بنگال) لے تاریخ فیروز شاہی ضیاء اللہ دہلی

”اردو شیعہ کا بازی بچکان سند“

عہد شاعر نے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا۔

ماکر اشہر و غزل گویم چوں در عہد ما شاہد موندوں و ممد و بر زرا نشان ماند

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بنیاتی دنیا، بہار و خزاں کے دور سے گزرتی ہے بالکل اسی طرح انسانی سوسائٹی پر بھی مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں ایک دور آتا ہے جب زندگی کے ہر شعبہ میں توانائی، فکرت، خوشی اور مسرت ہی کا رزما ہوتی ہے۔ یہ خوشوں کی زندگی میں ”بہار“ کا زمانہ ہوتا ہے۔ خود اعتمادی، بلندی نگاہ و نظر، کردار کی خصوصیات بن جاتی ہیں۔ بھر خزاں کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اور یاس و ناامیدی دلوں کو پرمردہ اور انگوں کو سست کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ فضا میں بھی تاریک نظر آنے لگتی ہیں، غلیبوں کا عہد، اسلامی ہند کی بہار کا زمانہ تھا اس عہد میں جس شاعر، مصنف، عالم، شیخ، سپاہی کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا اس میں امید اور زندگی کی جھلک نمایاں ہوتی تھی، عہد غفلت میں ہر طرف اضطرابی رنگ چھا گیا اور ہر شخص کی زبان سے ناامیدی اور مایوسی کا اظہار ہونے لگا۔ بہر حال جب غشی نے اپنے ماحول کی شکایت اور زمانہ کا لگا لگا ہوا ہے تو حقیقت میں انھوں نے اپنے زمانہ کے عام رجحان کی ترجمانی کی ہے۔

شیخ ابو بکر مومنے تاب | جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے بدایوں مصوفیاء و مشائخ کا مرکز تھا۔ صد ہا بزرگ وہاں سکونت اور مولا بخشؒ پذیر تھے۔ غشیؒ کے اگر کسی بزرگ سے تعلقات کا علم ان کی تصانیف سے ہوتا ہے تو وہ شیخ ابو بکر مومنے تاب ہیں۔ شیخ مومنے تابؒ بدایوں کے مشہور مصوفیاء میں تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے فوائد القوادیس ان کا ذکر کیا ہے۔ ایک مرتبہ غشیؒ ان کی عیادت کے لئے گئے تو انھوں نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا۔

قالب چو عیار است میان من و تو آمد کہ آنکہ از میان بر خیزد

۱۔ اخبار الاحیاء ۱۷ یہاں میں سماجی کیفیات اور تمدنی حالات پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع نہیں جن کے باعث اس زمانہ میں ناامیدی کا جذبہ عام ہو گیا تھا اخبار الاحیاء میں مختصر ذکر ہے۔ تذکرۃ الاولیاء میں (تذکرہ مشائخ بدایوں، از فضی الدین سبکی) میں

تجربہ علیٰ اعتبار بخشی کے تجربہ علی کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے قرآن و حدیث پر ان کی گہری نظر تھی مشائخ کی تصانیف پر پورا عبور تھا اپنی تصانیف میں جگہ جگہ آیات قرآنی، احادیث اور اقوال مشائخ نقل کرتے ہیں اسلک السلوک اس اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس میں اقتباسات و اقوال ایسے بر محل پیش کئے گئے ہیں کہ پڑھنے والا بخشی کی وسعت معلومات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بخشی کی زبانوں پر عبور رکھتے تھے عربی و فارسی پر تو بڑی قدرت تھی سنسکرت کو نہ صرف سمجھ لیتے تھے بلکہ اس کو فارسی میں منتقل بھی کر سکتے تھے۔ غالباً مغربی زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

چہل ناموس سے ان کی علم طب سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے تذکرۃ الواصلین سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم موسیقی سے بھی آگاہ تھے۔

بخشیؒ کی تصانیف | شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

”تصانیف بسیار دارد“

مولانا بخشیؒ کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) طوطی نامہ

(۲) شرح دعائے شریانی

(۳) چہل ناموس

(۴) سلک السلوک

(۵) طریز

(۶) لذات النساء

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ان کی ایک اور تصنیف ”مشرعہ مشبرہ“ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

طوطیؒ، مولانا بخشیؒ کی تصانیف میں، اس کتاب کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے یہ یکم و بیش ۵۰ صفحات

لے تذکرۃ الواصلین ص ۱۰۴ اخبار الاخیار ص ۱۰۴

پر مشتمل ہے۔ ترجمانِ لایف کے متعلق دیا جہ میں لکھتے ہیں :

”ہرگز کے بامبد گنت، دریں وقت کتبے مشتمل بر پناہ و حکایت ہرگز کے از عبارتے بجا رہتے ہر وہ بہت

داذا اصطلاح ہندوی زبان پارسی آورده اما اشہب مقال در مضارحالات دو انیدہ است و سخن را درازی

باقی الغایہ رسانیدہ، و قاعدہ ترتیب را در وقت و قانون ترکیب را شوقی اصطلاحات نہ کردہ“

نخشی نے یہ سن کر خود اس کتاب کو خشگفتہ فارسی میں منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا اور نسخہ یہ جس میں طوطی نامہ

لکھ کر مکمل کر لیا۔

طوطی نامہ کے ماخذ کے متعلق بھی عرض کر دینا ضروری ہے۔ سنسکرت کی ایک مشہور کتاب ”کوکاسیتی“

ہے۔ ایک شخص نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا لیکن اصل کی خوبی ترجمہ میں پیدا نہ کر سکا۔ حنیار نخشی نے اپنے

دوستوں کے اصرار پر اس کام کو دوبارہ کیا اور اس انداز میں کیا کہ اصل سنسکرت کی پوری روح کو فارسی کے

قالب میں ڈھال دیا اور اپنے موزوں قطعات اور رنگین اشعار سے اس میں ایک ایسی دل آویزی پیدا کر دی

کہ جو اسے پڑھتا بس مسحور ہو کر رہ جاتا۔ نخشی کا ترجمہ ۵۲ ابواب پر مشتمل ہے۔

شہنشاہ اکبر کو سنسکرت کی کتابوں میں جو دلچسپی تھی اس سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔

اس نے سنسکرت کی متعدد کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ ”کوکاسیتی“ کو سادہ زبان میں منتقل کرانے

کا خیال آیا تو ابو الفضل کو اسی کام پر متین کیا۔ ابو الفضل نے حنیار نخشی کے طوطی نامہ کو اور زیادہ سہل بنا دیا،

۷۷۰ اور بیسویں صدی میں محمد قادری نے اس کا خلاصہ ۳۴ ابواب میں کر دیا، قادری کا خلاصہ بہت مقبول ہوا اور دنیا

۷۷۱ لے میرے پاس طوطی نامہ کے دو قدیم قلمی نسخے ہیں۔ سہ کتابت کسی پر درج نہیں۔ ایک نسخہ درج ذیل سال ہی مجھے دستیاب

ہوا ہے، قدامت کے اعتبار سے قابل قدر ہے۔ کاغذ اور کتابت سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کئی صدی پرانا ہے۔ میں نے

حبیب گنج کے نسخے سے اس کا مقابلہ کر لیا اور اس کو حیرت انگیز حد تک صحیح پایا۔ دوسرا نسخہ ناقص ہے اس کے بعض

اجزا غائب ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر یا اسیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں نقل کیا گیا ہے یعنی

مہمات پڑھتے۔ جلالی جناب مولوی ابدال محمد صاحب ناردنی مرحوم کے دستخط ہیں اور کچھ حواشی ہیں، جن سے ایسا خیال ہوتا

ہے کہ یہ کتاب کسی زمانہ میں نصاب میں شامل تھی ہے۔ طوطی نامہ کے قلمی نسخے بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا

قلمی کتب خانہ ہو جس میں طوطی نامہ کے دو ایک نسخہ نہ ہوں۔ لے طوطی نامہ (قلمی نسخہ) ص ۲ (الف) لے اتمام پر خود درماتے ہیں

زجرت مہفقدوسی بدر کب پکڑاں انشا ہا کر دم مرتب لے اس کے کچھ حصے کا ترجمہ یونانی زبان میں *Qadiri* (بقیہ ماضیہ صفحہ آئندہ)

کی دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ ہندی میں خواصی نے ترجمہ کیا۔ بنگالی میں سی۔ منشی نے منتقل کیا۔ ترکی زبان کا جامعہ اللہ آفندی نے بنایا۔ حمید لاہوری نے اس کو نظم میں منتقل کیا۔ ایران میں بہت سے افسانے جو چل پلٹے کے نام سے رائج ہیں اسی سے لئے گئے ہیں افسانوں کے ایک ایسے ہی مجموعہ کو *معارف* نے ۱۹۱۷ء میں *معارف* سے شائع کیا تھا۔

تختی کی تصانیف سے یورپ اٹھارویں صدی کے آخر میں متعارف ہوا ۱۸۷۲ء میں *معارف* نے ”طوطی نامہ“ کی بارہ کہانیوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا *۱۸۷۱-۷۲* ہی غالباً پہلا مستشرق ہے جس نے مینا تختی کی طرف توجہ کی اور مغرب کو اس سے روشناس کرایا۔

قادی کے ملازم کو *۱۸۷۲* C. L. Klem نے جرمن زبان میں منتقل کر کے *Stuttgarter* سے شائع کیا۔ اس پر *Kaschewsky* نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا تھا جس میں تختی اور ادان کی تصانیف پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔

ترکی زبان کے ترجمہ کو *L. Rose* نے جرمن میں منتقل کیا۔ اور ۱۸۸۹ء میں *Leipzig* سے شائع کیا۔

ان میں سے کوئی ترجمہ مکمل نہیں ہے۔ مترجمین نے اپنے ذوق کے مطابق کچھ حکایات کا انتخاب کر کر اپنی زبان میں منتقل کر لیا تھا *E. Berthele* نے روسی زبان میں طوطی نامہ کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔ *Munich* میں طوطی نامہ کے مکمل فرانسیسی ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ ہے جو اب تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔ سلک السلوک ایشیا تختی کی تصانیف میں سلک السلوک کو خاص اہمیت حاصل ہے اس میں ۱۵۱ لڑیاں ہیں جن میں گوہر آباد کو پروردگار تصوف کے اعلیٰ مضامین کا دلکش تحفہ تیار کیا گیا ہے۔

”ایں لولوتے آبدار بار مرد پچاہ ویک سلک منسلک دمنظم گردانیدہ آمد داسی مجبور داسلک السلوک

(بقیہ ماضیہ گذشتہ) نے کیا تھا جو ۱۸۸۵ء میں *Athena* سے شائع ہوا *Revue* ۱۸۷۵ء یہ ترجمہ ۱۸۷۵ء میں بولاق اور ۱۸۷۵ء میں مستطیل سے شائع ہوا تھا۔

Journal of the Royal Asiatic Society IX p. 163. ۷

نام بنادہ شد۔ وبالله التوفیق علی الاتمام۔ تطوعہ

نخستی گرج مرد درویش است لیک زیں گونه مکھا دارد
گر توانگر بخوانش شاید اینک از در سلکھا دارد نہ

ہر سلک میں کسی اہم مسئلہ کو لے لیتے ہیں۔ مثلاً قورہ۔ مقامات۔ حال۔ وجہ۔ تفتیش و بسط
علم البقین۔ حق البقین۔ مشاہدہ۔ علم قلوب و دلکین اور پھر ایسی صفائی اور دل کشی سے اسے بیان
کرتے ہیں کہ ایک ایک بات دل میں جگہ کرتی چلی جاتی ہے ان کے خیالات کی صفائی اور عبارت کی
شفافگی نے سلک السلوک کو بڑی مفید کتاب بنادیا ہے۔ تصوف کی جس اصطلاح پر بحث کی ہے
ایسے انداز میں کی ہے کہ ایک مبتدی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اصطلاح کی تشریح کے بعد وہ
علماء و مشائخ کے اقوال اور احادیث سے اپنے نکتہ خیال کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے
مخصوص طرز میں ”بشنو بشنو“ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور کسی دھچکپ قصہ کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت
کرتے ہیں ہر سلک کے آخر میں اپنا ایک نقطہ لکھتے ہیں جو اپنی جگہ نگین کی طرح جڑا ہوا معلوم ہوتا ہے
پوری عبارت اور بحث میں اس کی وجہ سے ایک زور پیدا ہو جاتا ہے۔

بعض مرتبہ جب کسی نازک مسئلہ پر بحث کرنی ہوتی ہے تو عزیز من ”کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اس
انداز خطابت نے عبارت کی تاثیر کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے گھٹا ہے کہ ہم
خود صنیاں نخستی کی محفل میں ان کی صدا چائے دل نواز سن رہے ہیں۔

سلک السلوک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی لٹریچر نخستی کی بڑی اچھی نظر تھی۔ انھوں نے
مشائخ کے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ کرامات کے لایعنی قصے نہیں ہیں ان میں سے ہر ایک
میں ایک اخلاقی یا مذہبی نکتہ ہے جس سے عام اخلاقی حالت کو درست کرنا مقصود ہے۔

شیخ عبدالحی محدث دہلویؒ کو سلک السلوک ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ پسند تھی۔ فرماتے ہیں
”سلک السلوک ادبائیت گناہ شیریں رنگین است۔ بزبانے لطیف و موزن مشتمل بر حکایات مشائخ

لہ سلک السلوک لہ اخبار الاخبار۔ ص ۱۰۴

و کلمات ایشان :۔

شیخ محدثؒ کی ناقذہ صلاحیتوں کا یہ کرشمہ ہے کہ انھوں نے چار فقروں — شیریں — رنگین
لطیف و موثر — میں اس کی ساری خوبیاں گنا دی ہیں ۔
جزویات عبادت | اس کتاب میں مولانا نجفیؒ نے انسانی جسم کے مختلف اعضاء پر تصوف کے رنگ میں بحث
کی ہے ۔ جگہ جگہ طبی نکات بھی بیان کرتے چلے گئے ہیں ۔

نجفیؒ کا عقیدہ تھا کہ معرفت الہی ، بغیر خود کو پہچانے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتی ۔

کیسے کہ خود را شناخت ، پہچ کس را شناخت
جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا تو سب کو اس نے کسی کو
بھی نہیں پہچانا ۔

انھوں نے قرآن پاک کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

نہایت ہی پروردگار انداز میں لکھا ہے ۔

”... بدیدہ اسنان سب در پائے خود نگاہ کن
دور از جزاء و دار کان خود نظر سے انداز دو ہیں کر چہ
منبت کہ از تو در پنداشتہ باشد مشاطہ عنایت
وصورنا حسن تصور کہ فی الالہ مرحلہم
کیف یشاع چنانچہ باید آراستہ نقبا سرک
اللہ احسن الخالقین والحمد للہ
سہب العالمین ، اما در تو صہب ہیں امت
کہ تو خود را نمی شناسی“

اپنے سراپا اور اعضاء و جوارح پر عبرت و بصیرت کی
نگاہ ڈال اور بار بار ڈال اور دیکھ کہ کسی چیز نے تجھ سے
پہلو نہیں بچایا اور کوئی خوبصورتی نہیں جس سے تجھ کو حصہ
دافر نہیں مشاطہ قدرت کی کرم فرمائی نے رحم مادر میں
تیری مودت بنانے اور سنوارنے ہر طرح کی گل کاریوں
سے کام لیا ہے اور جتنی کچھ خوبصورتی سے تجھ کو آراستہ
کیا جا سکتا تھا کیا گیا ہے بے شبہ تمام برکتیں اللہ ہی کے
ہاتھ میں جو بہترین بنانے والا ہے بس تجھ میں کھوٹ ہے

۱۰ اخبار خارجہ ص ۴۱۱۔ جزویات کلیات (طہی نسخ) میرے پاس چونسٹھ ہے ۲۵۰۰ رشیدیہ کوستان میں منشی غلام نبی نے
میرے جد امجد مولوی ارشد علی صاحب اردو مولوی مرحوم کے لئے نقل کیا تھا نہایت خوش خط اور صاف لکھا ہوا ہے ۔

نوی ہے کہ اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتا اور خود فراموشی

کے دلائل میں بھٹسا ہوا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جسد انسانی میں تین ہزار جزد ہیں۔ کچھ کو اجزاء بسیط، کچھ کو اجزائے مرکب

کہتے ہیں۔

”عضو بسیط آل است کہ قد جسد جزا و کل باشد یعنی اطلاق اسم جزا و بر کل او ہم ہواں کر دہ.....

و ہر جزو سے کہ جزا و نیست یعنی اطلاق جزو بر کل او ہواں کر دہ جزو مرکب است“

اسی اصول کے پیش نظر انھوں نے کتاب کا نام ”جزایات کلیات“ رکھا تھا فرماتے ہیں:

”ہر جزو کہ دریں مجموعہ ذکر است از میں کہ اں جزد در محل خویش بمنزلہ کل بود و ایں مجموعہ جزایات کلیات نام نہاد“

اس کا لقب انھوں نے ناموس اکبر تجزیکہ تھا اور اس کو چہل ناموس پر ترتیب دیا تھا۔ جن کے عنوان

یہ ہیں:

ناموس اول در مناقب مو	ناموس دوم در مناقب سر
ناموس سوم در مناقب دماغ	ناموس چہارم در مناقب پیشانی
ناموس پنجم در مناقب ابرو	ناموس ششم در مناقب پلک
ناموس ہفتم در مناقب خڑہ	ناموس ہشتم در مناقب چشم
ناموس نہم در مناقب اشک	ناموس دہم در مناقب بینی
ناموس یازدہم در مناقب رخسارہ	ناموس دوازدہم در مناقب گوش
ناموس سیزدہم در مناقب زلف	ناموس چہار دہم در مناقب خط
ناموس پانزدہم در مناقب لب	ناموس شانزدہم در مناقب دہان
ناموس ہفدہم در مناقب دندان	ناموس ہند دہم در مناقب زبان
ناموس فوردہم در مناقب زرخ	ناموس بیستہم در مناقب رو

لے جزایات کلیات، ناموس اکبر، چہل ناموس ایک ہی کتاب کے تین نام میں بعض مصنفین نے غلطی سے ان کو تین
مصحفہ کتب میں تصور کیا ہے۔

ناموسِ مہبت یکم در مناقبِ خال	ناموسِ مہبت دوم در مناقبِ گلو
ناموسِ مہبت سوم در مناقبِ گردن	ناموسِ مہبت چہارم در مناقبِ پشت
ناموسِ مہبت پنجم در مناقبِ استخوان	ناموسِ مہبت ششم در مناقبِ بازو
ناموسِ مہبت ہفتم در مناقبِ رگ	ناموسِ مہبت ہشتم در مناقبِ خون
ناموسِ مہبت نہم در مناقبِ دست	ناموسِ سی ام در مناقبِ انگشت
ناموسِ سی یکم در مناقبِ ناخن	ناموسِ سی و دوم در مناقبِ سینہ
ناموسِ سی و سوم در مناقبِ دل	ناموسِ سی و چہارم در مناقبِ روح
ناموسِ سی و پنجم در مناقبِ پہلو	ناموسِ سی و ششم در مناقبِ شکم
ناموسِ سی و ہفتم در مناقبِ کمر	ناموسِ سی و ہشتم در مناقبِ زانو
ناموسِ سی و نہم در مناقبِ ساق	ناموسِ چہلم در مناقبِ پائے۔

اس کتاب کی تصنیف سے بخشی کا جو مقدمہ تیارہ بھی ان کی زبان سے سننے کے قابل ہے ؟

کہتے ہیں

”سبزه را از تقریر این اعضا ... مقصود آن بود تا در پی پرده بعبادت و اعجاز و بشارت عاشقانان را

مرغان زیرک زبان مرغان خوانند کلمه چید شوق آمیزد سخن چید عشق آمیز بنشیند آید به

عاشقان نہ آں غمے کہ در دل شایست

پیرگفتن بیاض خوانند

”جہذیات کلیات“ کی ترتیب کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ تجبیبی نے مختصر حمد و نعت کے بعد دیریا کی مذمت میں ایک طویل نظم لکھی ہے اس کے بعد ایک جامع مقدمہ ہے جس میں بتلایا ہے کہ

آنکے اور در حق خود جاہل بود در حق بیگانہ عالم کے شود

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ باب میں مختلف اعضاء انسانی پر موصوفات انداز میں گفتگو کی ہے۔ ہر باب

کے خاتمہ پر ایک جھوٹی سی خوش لکھی ہے

خاتمہ پر ایک طویل دعائیہ نظم درج ہے۔ نمونہ کے طور پر وہ غزل سنئے جو نخشبیؒ نے رخسارہ کے منطق اس باب کے آخر میں لکھی ہے:

اے مہ آفتاب رخسارہ چند دارم در آب رخسارہ
تا بدیدم رخ تو از ناخن کردم اینک جز آب رخسارہ
مہ شود در نقاب گرداری یک دم بے نقاب رخسارہ
جز برویت ندید هیچ کسے از مہ و آفتاب رخسارہ
وقت نظارہ ام بکوچہ شود گر سپوشی شتاب رخسارہ
عرق اشک من برائے تباں کرد برود کباب رخسارہ
نخشبے را ز عشق رخسارہ شد زگریہ ز آب رخسارہ
نخشبے نے یہ کتاب ششم میں مکمل کی تھی خاتمہ پر لکھتے ہیں:-

نہادم بر رخ عالم چو این خال ز ہجرت ہفتصد و سی ہوداں سال
غلام معین الدین نے چہل ناموس کو نخشبے کی سب تصانیف میں پہلو درجہ دیا ہے اور اس کی رنگینی،
دل آذیزی، شگفتگی اور بے ساختگی کی تشریفی ہے اور پچاس صفحہ کا ایک طویل اقتباس دے کر اس کی خوبیاں
بیان کی ہیں۔

شرح ہائے ثریا | حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے زبور کی ایک سورۃ کو عربی نظم میں منتقل کیا تھا نخشبےؒ نے
اس عربی نظم کی شرح فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس سورۃ کے منطق نخشبےؒ کا بیان ہے:

ایں سورہ در زبور پہچان است کہ سورہ الرحمن یہ سورۃ زبور میں ایسی ہی ہے جیسے قرآن مجید میں
در قرآن سورہ الرحمن۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو جب کوئی ہم پیش آئی تھی تو سب سجد ہو کر اسی سورہ کو پڑھتے تھے۔ نخشبےؒ
نے بالکل ان ہی جذبات کے ماتحت جن سے متاثر ہو کر خواجہ سنائیؒ نے کہا تھا:-

ملہ ملاحظہ ہو۔ ”معارف الوہابیت“ قلمی (جلد اول)

سخن کز ہر دس گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
اس کی طرف توجہ کی۔ خود کہتے ہیں

نخشی کار تست کشف رموز تختہ آیں د آں چہ می خوانی
گرچہ بعد (۱۹۰۰ء) تو تا سر یا کشف کن ہاں رموز شریانی
نخشی نے یہ شرح ۱۹۲۷ء میں پوری کر لی تھی۔ کتاب کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

مفتقد و بیست ہشت از ہجرت کردہ شد ایں جنیں (۹)

کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ مختصر سے مقدم کے بعد، نخشی نے حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک عربی شعر کو علیحدہ علیحدہ لیا ہے اور اس کی تشریح کی ہے عربی کے کل ۳۷ اشعار میں جن کی شرح ۴۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب کے خاتمہ پر نخشی نے حسب دستور ایک نظم لکھی ہے جو ان کے حالات و جذبات کی آئینہ دار ہے۔ لکھتے ہیں:

نخشی خوش نبشتی ایں کلمات
جزد کلک تو اندر میں میدان
سپ معنی کہ کردہ بر جولاں
دردِ ناسفتہ را نکو سفتی
حق سر بہر بکشا دی
داد ایں داستان نکو دادی
کلمات خوشش تو در ہمہ حال
بر ورق می کنند سحر حلال
قلمت ہر سخن نکو پذیرد
کلک تو در قیمتی ریزد
خامہ ات کار ہائے خندہ کند
لفظ تو جان مردہ زندہ کند

۱۔ میرے پاس ”شرح دھائے سریانی“ کا ایک نہایت قدیم نسخہ ہے جو ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ منہ کتابت درج نہیں۔ کاغذ نہایت خستہ اور قدیم ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ دادا صاحب مرحوم (مولوی فرید احمد صاحب نظامی) اس نسخہ کی خاص اہمیت طے کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ قدامت کے اعتبار سے یہ بہت قابل قدر ہے۔

من کہ از جام عشق سرمستم گرچہ از نقد با تہی و ستم
 گلرزم اگر یک دلیچسپ انسانہ ہے جس میں معصوم شاہ اور نواب کے عشق کی داستان بیان کی گئی
 ہے کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سے شائع ہو چکی ہے اور ۱۹ صفحت پر مشتمل ہے۔
 گلرزم بخشی نے مفقی عبارت کے کمال دکھائے ہیں، افسانوی حیثیت سے قطع نظر، ادبی
 اعتبار سے گلرزم خاص توجہ کی مستحق ہے تالیف کا سبب بخشی نے یہ بیان کیا ہے:

شبے خرم تر از حد روز نو روز در صبح عید ہم چہیز سے دل افروز
 من و دل یک دگر بودیم خرم دران خلوت سحر دل محرمی کم
 دو چشم خیرہ در اسرار قدسی سر زانو سرم گشت چہرخ و کرسی
 دریں اندیشہ کیں چرخ خطرناک بخواہد کرد مارا عاقبت خاک
 بایاد کرد در آفتاب کار سے کہ بعد از ما بماند یاد کار سے
 مرا خاطر براں آمد و کاکنوں ز نوک خامہ ریزم در کمنوں
 چو شد پرداختہ از فکر شب خمیز نہادم نام این انسانہ گل ریزہ
 اس افسانہ میں حقیقت کا کوئی جزو نہ تھا۔ یہ سب بخشی کے تخیل کی پیداوار تھی۔ خود کہتے ہیں۔
 نبود ست این حکایت در زمانہ تا ما اختراع ست این انسانہ
 طرز بیان کا اندازہ کتاب کے ان ابتدائی جملوں سے لگایا جاسکتا ہے:

”گویندہ این افسانہ - و سازندہ این ترانہ - و نشانندہ این نشانہ صنایہ بخشی جنس گوید

کہ حاکمیں حکایت شانہ - در ادیان و دیات رائقہ“

گلرزم کا سنہ تصنیف کہیں درج نہیں۔ خیال ایسا ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کی کاوش ہے
 زمانہ کی شکایت گلرزم بہت جگہ اور مختلف انداز میں کی گئی ہے۔ افسانہ ان کے وطن بخشب سے
 متعلق رکھا گیا ہے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بخشی نے اس وقت لکھی تھی جب وہ اپنے وطن کو

لہ گلرزم مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی ۱۹۰۷ء سنہ ایضاً ص ۹

نامساعد حالات کے باعث چھوڑ کر ہندوستان آ گئے تھے۔ بعض جگہ وطن سے علیحدگی بردل کی خاموش تکلیف کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

لذات النصار | تختی نے کوک شاستر کا فارسی ترجمہ لذات النصار کے نام سے کیا تھا اس کا کوئی نسخہ ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوتا صرف *copied again* کے ایک کتب خانہ میں اس کا ایک قدیم قلمی نسخہ ملتا ہے۔

تختی کی تصانیف میں اردو الفاظ | اور | ان تختی کی تصانیف میں اردو کے الفاظ بہ کثرت ملتے ہیں اور یا مسک۔ جو کھا بہت۔ زبیل۔ چاکسو۔ دہاتورہ۔ کدو۔ خربوزہ وغیرہ۔ الفاظ بہ کثرت استعمال کئے گئے ہیں۔
تختی کے قطعات | تختی کے قطعات کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قطعات میں ہندو نصائح کو نہایت دلچسپ اور موثر طریق پر نظم کیا ہے۔ اور نگ زیب نے اپنے بیڑوں کے نام پر خطوط لکھے ہیں ان میں تختی کے قطعات متعدد جگہ نقل کئے گئے ہیں۔ چند قطعات ملاحظہ ہوں :

(۱) تختی خیز با زمانہ بساز در نہ خود را نشانہ ساخت
زیر کاں جہاں چنین گویند زیر کی بازمانہ ساخت
طوطی نامہ

(۲) تختی گوش باش در ہمہ تن نہ زبان تا ہمہ زبان شنوی
یک زبان دد گوش را دادند تا یگان گوئی دد گاں شنوی سے
چہل ناموس

(۳) تختی مذہب میانہ گزین د اندرں خود اشارت نبوی است
کارہا میانہ کار سے داں امر اسلم ہمیں میانہ روی است
طوطی نامہ

۱۔ ملاحظہ ہو *Rehren Codices Persici etc Bibliothecae regiae Hafniensis, Copenhagen. 1857. p. 15. No. XXXVI*

۲۔ بہت کچھ علاوہ (جو طوطی نامہ میں ہے) باقی سب الفاظ چہل ناموس سے لئے گئے ہیں یہ ذوق کا مشہور شعر ہے۔
کہ ایک جب سن لے دو کہ حق لئے زبان ایک دی کان دو

- (۳) نغبتی صبر کارہا دارد
وقت او خوش کہ این نط بشت
ہر کہ درد و دوسے خویش صبرے کرد
درد او را خداے دارد ساخت
(سلک السلوک)
- (۴) نے نکتہ عشق را ادبیاں دانند
امدہ غریبے کیسے نتوان گفت
نغبتی انعام چیزے نیست
خلق را جز کہ چوں غلام مباش
گر تو وقتے ز کس شوی رنج
تا توانی در انتقام مباش
(گلرین)
- (۵) نغبتی دولتے ست تنہائی
ہر کہ تنہا بزسیت با حق زسیت
تاجہ دولت کہ مرد تنہا برد
و آنکہ با حق زسیت تنہا مرد
(سلک السلوک)
- (۶) نغبتی خانہ بر زمیں چہ گئی
ہمکم ویرانی جہاں دیداست
نقد خود کس بنجاک روہ نہ بد
خشت بر حشت ہیچ گہ نہند
(سلک السلوک)
- (۷) نغبتی با خوشی چہ کار ترا
دم خوش ہیچ دلت بر نارد
سیہ مجرماں ننگار بود
ہر کہ چہ نتو گناہ گار بود
(سلک السلوک)
- (۸) نغبتی خواست تا رود امشب
صبح از رفتش بشد مانع
سوئے خوبی کہ زد ز خوبی کوس
دشمن عاشقانست صبح خردوس
(طوطی نامہ)

نعت رسول | بخش کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت اور گہرا تعلق تھا اس کا اظہار ان مختصر مگر پرچش نظموں سے ہوتا ہے جو انھوں نے اپنی تصانیف کے شروع میں مدح رسول میں لکھی ہیں طوطی نامہ میں لکھتے ہیں۔

بیات دارم دل بس خوش پیامے	کہ خواہد برد از مایک سلائے
لبوئے ردضہ پا کے رسولے	کہ بے اد عرش را نبود قبولے
بدج ممدت محمود عالم	ممد انکہ شد مقصود عالم
جہاں را راہ حق نبودہ او	مکان و لامکان پیودہ او
سروش از غاشیہ داران آں در	رواق بے ستون ایوان آں در
سواد انس و جانی گرفتہ	بہ تیغ فقر سلطانی گرفتہ
کشادہ کارہائے بیچ در بیچ	بخشم بہتیش عالم ہمہ بیچ
بہ پیش شیر شرزہ مہیں پیش	دو عالم را شد دردیش پیش
ضیائے بخشش باشد علامش	جہاں زد سکۂ شاہی بنا مش

بخشہ اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء | شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ضیاء الدین نام کے کچھ شخص تھے۔ ضیاء الدین سنائی، ضیاء الدین برنی اور ضیاء الدین بخشش۔ پہلے بزرگ حضرت شیخ نظام الدین

لہ مولانا ضیاء الدین سنائی، تقوی و دیانت میں مشہور تھے۔ احتساب کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے ایک رسالہ نصاب الاحساب لکھا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے سماع کے مسئلہ پر اختلاف رکھتے تھے اور اسی بنا پر ان کی مخالفت کرتے تھے۔ جب مرنے الوت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الہی ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے مولانا سنائی نے اپنا دستار چراہ میں بچھوادیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے اٹھا کر آنکھوں سے لگالیا۔ حکایت کے فوراً بعد ہی مولانا سنائی کا انتقال ہو گیا۔ حضرت محبوب الہی رونے لگے اور نہایت افسوس سے فرمایا

”ایک ذات بود، حامی شریعت حیف کہ آں نیز ملت جنتی اور شریعت حق کی حامی اور سپرد ایک ذات نہ ماند“

اجارہ حیار ص ۱۰۸

رہ گئی تھی افسوس اب وہ بھی اٹھ گئی

لہ مولانا ضیاء الدین برنی اپنے زمانہ کے مشہور مصنف اور مورخ تھے۔ ان کی تصنیف ”تاریخ فیروز شاہی“ ہند کے (بقیہ حاشیہ پر صفحہ گندہ)

کے شکر تھے وہ سرے ان کے معتقد تھے تیسرے نہ معتقد تھے نہ شکر۔ مگر ابراہار کے مصنف نے
 یہ اشارہ بھی لکھے ہیں

برقی و تختی و ستامی نام ابن ہر سہ تن صنیا بودہ
 اولیں معتقد پسین شکر ثانی از ہر دو بے نوا بودہ
 میرے خیال میں یہ کہنا کہ مولانا صنیا الدین تختی، حضرت شیخ نظام الدین اولیا، کی جانب سے
 بالکل بے تعلق تھے کچھ زیادہ صیح نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی تذکرہ نویس نے ان کو حضرت محبوبؒ
 کا مرید نہیں بتایا لیکن جہاں تک انکار کا تعلق ہے، تختی بڑی حد تک ان سے متاثر تھے۔ سلک السلوک
 کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تختی نے حضرت شیخ کے بہت سے خیالات کو اپنایا تھا۔ فوائد الفوائد
 اور سلک السلوک کی بعض عبارتیں اس سلسلہ میں قابل غور ہیں۔
 فوائد الفوائد میں ہے۔

”سخن در سلوک افاد۔ فرمود کہ روزہ روئے بیکل وارو، یعنی سالک تا در سلوک است امیدوار کمالیت
 است بعد از ان فرمود کہ سالک است و واقف است و راجح است اما سالک آسنت کہ اوراہ روو۔ وحق
 آسنت کہ اورا فقط اتمہنہ عہدداشت کرد کہ سالک را ہم وقف باشد۔ فرمود کہ آسے ہر گاہ کہ سالک را
 در طاعت فرورے افتاد چنانکہ از ذوق طاعت ہماز اورا وقف باشد۔ اگر زود در یاد و بانابت پیوند ہا ز سالک
 تواند بود۔ و اگر ہمازا باشد بہرین باندہ ہم آں باشد کہ راجح شود۔ بعد از ان فرمایش اس را بر ہفت قسمت بیان
 فرمود، اعراف، حجاب، قاتل، سلب زید، سلب قدیم، تنلی، عداوت۔ اس قسم را تفصیل فرمود کہ درودست
 بخند عاشق و مشفق، مستغرق محبت یک دیگر در میان گرا ز عاشقے یا سکنتے یا توبق درود آید کہ نہ پسندیدہ
 دوست ادب و آں دوست ازوے اعراف کند، یعنی روئے مگرداند پس عاشق را واجب است کہ در حال ہمتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرین و سلیکی نہایت اہم تاریخیوں میں شمار کی جاتی ہے اس کے علاوہ انہوں نے تاریخ آل برک،
 حسرت نامہ، صیغہ نعت محمدی، فتاویٰ جہانگیری وغیرہ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اول الذکر ایک عربی کتاب کا تلمیذی ترجمہ ہے
 لے اخبار حیار لے مکرار ابراہار۔ ص ۱۳۸۔ ۱۳۹

مشتول شود و بعد ازت پرورد۔ ہر آمیندوست او از راضی شود اندک مایہ اعراضی کہ بودہ باشد ناچیز گردد
و اگر آن محب بہر آن خطا اصرار کند، و قدر آن نخواہد آن اعراض بحجاب کشد۔ مشتوق جابے در میان آرد۔۔۔۔۔
اگر دامن باب آہستگی رود آن جاب بتفاحل کشد چہ خود یعنی آن دوست از دوسے حراری گزیند۔ پس ادا اعلیٰ
بیش نبود چوں غرض خواست، جاب شد و چوں بہر آن ناپسندیدگی، صرماند، تفاحل شد۔ پس اگر از دوست مستغفر
نشود، سلب مزید شود۔ مزیدیت کہ او را بود، در ذوق طاعت و عبادت و ادراک، آن از دامنستاند۔ پس اگر
بہم قدر آن نخواہد بران طبالت بماند، سلب قہیم شود، طاحت و راحتے کہ پیش از مزید داشتہ است از اہمیتانند
پس اگر ایجا ہم در دو بقصیر سے رود بعد از آن تسلی باشد و تسلی آنست کہ دوست او سببائی اودل بیاراد پس ہم
در نامت اہل رود، عادت پیدا شود، آن محبت کہ بودہ باشد، بعد ازت مبدل شود۔ تنوہ باشد نہایتین
والاس علیہ

سلک اسلوک میں صنیٰ بخشی لکھتے ہیں:

"بیاید آنست سالک تا راہ معرفت سلاوک ہی دارد و امیدوار کمایت است و در اصطلاح علم سلوک کیے
را سالک خوانند و دوم را وقت و سوم را راجع، سالک آنست کہ او این راہ بر سبیل استقامت طے کند، اگر دین
کلامک و قدر و تے و ہذا و را وقت خوانند، اگر زد و از انداز کہ کند و آن وقت را با نامت مقدون نگرداند ہم آن باشد
کہ راجع گردد و نفرش این راہ بر ہفت نوع است، یکے را اعراض خوانند و دوم را حجاب و سوم را تفاحل، چہ ہم
را سلب مزید، پنجم را سلب قہیم، و ششم را تسلی و ہفتم را عادت و صورت این چنان باشد عاشق و مشتوق
باشد مستغرق المحبت یک دیگر، دریں میان اگر از عاشق چیز سے در وجود آید کہ آن ناپسندیدہ مشتوق بود از و
اعراض کند اگر عاشق نزد و بعد ازت مشتول شد آن اندک اعراض کہ از مشتوق بودہ باشد ناچیز گردد و کار محبت
بر تاعدہ اصلی باز رود و اگر عاشق بران خطا اصرار کند آن اعراض بحجاب کشد و اگر از اں ہم مستغفر نشود آن جاب
بتفاحل کشد اگر اداں ہم مستغفر نشود آن تفاحل یعنی آن جدائی سلب مزید کشد، یعنی مزید سے کہ او را بودہ باشد
از ذوق طاعت و عبادت آن را از دامنستاند اگر بہنوز مستغفر نشود آن سلب مزید سلب قہیم کشد یعنی راحتے

وطلبے کے اور اپیش از مزید بودہ باشد آنہم از باز بستاند اگر هنوز مستغفر نشود و قدیم بتسبی کشد و تسبی آں باشد کہ مشوق را بر جدائی عاشق دل قرار گیرد، اگر زین ہم مستغفر نشود عبادت کشد یعنی از ہم محبت عبادت بدل گردد نفوذ بانشہ منہا^{۱۰}

فوائد افراد میں حضرت محبوب الہیؑ، معجزہ کرامت وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

”معجزہ ازاں انبیاء است کہ ایشان از علم کامل و عمل کامل باشند۔ و ایشان صاحب وحی اند، انچہ ایشان انہما کنند۔ آں معجزہ باشد اما کرامت آنست کہ اولیاء را باشد ایشان از نیز علم و عمل کامل باشند، فرق ہمیں است کہ ایشان مخلوق باشند باقی ایشان در تہود آید آں کرامت باشد اما سموت آنست کہ بعضے جانین باشند کہ ایشان را نہ علی باشند و نہ علی گاہ گاہ از ایشان چیزے بر خلاف عادت معایہ افتد، آں را معوت گویند اما استراج آں کہ اگر کسی نہک ملاحظہ باشد ایشان را اصلاً این نہ باشد چون الی سحر و فیرواں چیزے از ایشان دیدہ شود آں را استدراج گویند^{۱۱}۔

سلک السلوک میں ضیاء بخشش^{۱۲} لکھتے ہیں۔

”معجزہ حق انبیاء است کہ ایشان را ہم علم کامل باشد و ہم عمل و کرامت از دیار و دانشند کہ ایشان را نیز علم و عمل کامل و سموت آنست کہ بعضے جانین باشند کہ انہما از علم باشند و نہ علی گاہ گاہ از ایشان ہم بر خرق عادت چیزے در وجود آید و استدراج آنست کہ طائفہ باشند کہ ایشان را اصلاً ایماں نہ باشد اما از ایشان ہم وقتے چیزے بر خلاف قاعدہ اصلی دیدہ شود، چنانچہ سحر و فیرواں^{۱۳}۔

علامہ ازین سلک السلوک میں اور بہت سے مقامات میں مثلاً نائب دستغی پرست^{۱۴}، زکوٰۃ کی تشریح برہمن کا واقعہ^{۱۵} جو فوائد افراد سے لئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ضیاء بخشش کی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے کسی طاقات نہ ہوئی ہو لیکن شیخ اولیاء سے ان کی بے تعلقی کو بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ سلک السلوک لکھنے والے کی اساس مکر فوائد افراد کے اصلی مصنف سے متاثر ہے۔ سلک السلوک کا انداز بیان بدل گیا ہے۔ لیکن بنیادی اعتبار سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔

۱۰ سلک السلوک ص ۱۵۔ ۱۱ فوائد افراد ص ۶۹۔ ۱۲ سلک السلوک ص ۱۵۔ ۱۳ سلک السلوک ص ۱۵۔

۱۴ سلک السلوک ص ۵۰۔ ۱۵ فیض ص ۵۰۔

تختی کا انتقال | مولانا ضیاء الدین تختی نے ۱۵۵۴ مطابق ۱۲۵۲ھ کو وصال فرمایا۔ مصنف تذکرۃ الواصلین کا بیان ہے:

”مرقد شریف آپ کا بمقام بدایوں چوڑہ حضرت شہاب الدین محمد پریر کرمہ صاحب کی زیارت سے جانب گوشِ غرب و جنوب واقع ہے۔“

لے اخبار الاحیاء میں تذکرۃ الواصلین ص ۵۷

تفسیر منظرِ سری

تمام عربی مدرسوں کتبِ نقل و عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بمثل تحفہ

اور بابِ علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوشہِ نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ ساہا سال کی عمر فریاد کو شمشوں کے بدہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں۔ اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں چھپ چکی ہیں جو کاغذ اور دیگر سامانِ طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

یہ غیر مجلد جلد اول تقطیع ۲۹۲۲۲ سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد ثالث آٹھ روپے، جلد رابع یا پنج روپے۔ جلد خامس سات روپے جلد سادس آٹھ روپے۔ جلد سابع آٹھ روپے۔ جلد ثامن آٹھ روپے۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

ادب

جنگ پانی پت

از

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

احمد شاہ نے غازی پٹھانوں کے ساتھ مغلوب دشمنوں کا سا برتاؤ کیا۔

تاج شاہی سر پر رکھنے کے وقت احمد شاہ کی عمر ۲۵ برس کی تھی اس نے اپنا لقب درودمان رکھا چنانچہ اس دن سے اس کی ساری ابدالی قوم قدانی بن گئی۔

کچھ عرصہ بعد احمد شاہ کابل پر حملہ آور ہوا جس پر بڑی سہولت سے قابض ہو گیا مگر اپنا مستقر الخلاف قندھار ہی کو رکھا۔ کابل کے بعد غزنمیں کو فتح کیا اب اس کی نگاہیں ہندوستان کی طرف لگنے لگیں کیونکہ نادر شاہ کے مشرقی مغتورہ قلمرو کا یہی مستحق اپنے کو جانتا تھا چنانچہ پنجاب کا علاقہ محمد شاہ نے نادر کو حصے دیا تھا احمد شاہ کو خیال ہوا اس کا مالک میں ہی ہوں اور وہاں کی بد نظمی کی اصلاح مجھے ہی کرنا چاہیے چنانچہ پنجاب پر قبضہ کرنے کے ارادے سے ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ عازم ہند ہوا اور پنجاب پر حملہ کر دیا یہاں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی اس نے بڑھ کر لاہور پر تصرف کیا پھر آگے بڑھ کر سرسند پہنچا تو دہلی کا وزیر اعظم قمر الدین خاں جس نے سلطنت دہلی کو اپنے ہاتھ کا کھلو نہ بنا رکھا تھا آ کے مقابل ہوا وزیر کے ساتھ اس کا بہادر بیٹا ”میرمنو“ بھی تھا سخت لڑائی ہوئی وزیر دہلی کام آیا مگر میرمنو نے جوہر شجاعت دکھا کر افغانی فوج کو شکست دے دی احمد شاہ درانی بے نیل و مرام افغانستان واپس گیا۔

میرمنو محمد شاہ کی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر ہو گیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد ہی محمد شاہ بادشاہ دہلی نے انتقال کیا اس کی وفات کی خبر سننے پر احمد شاہ پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا ۱۱۶۲ھ میں یہ دوسرا حملہ تھا میرمنو کو دہلی سے کوئی مدد نہ ملی مجبوراً اس نے احمد شاہ کے آگے سرِ اطاعت جھکا دیا اور صوبیات لاہور، ملتان اس کے حوالہ کر دے یہ فتح حاصل کر کے احمد شاہ دیرہ جات، ملتان اور شکار پور، بمونا، موہا اور ان شہروں پر اپنا تسلط جمانا ہوا ہولان گھاٹی کی راہ سے کابل واپس چلا گیا تو ہاں پہنچتے ہی خراسان کے جھگڑوں میں کھنس گیا ہرات اور مشہد سے فتح کئے اور نادر کے بیٹے شاہ رخ کو دہاں کا حاکم بنا دیا اور خود آگے بڑھ کر نیشاپور پر قابض ہوا دوسرے ہی سال شہر قائن کے حاکم میر عالم خاں نے ناگہاں حملہ کر کے شاہ رخ کو پکڑ لیا اور اس کی آنکھیں نکالوا ڈالیں احمد شاہ کو خبر ہوئی وہ بلائے بے دریاں کی طرح جا پہنچا کھیر عالم خاں کو شکست دے کر اس کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور نابینا شاہ رخ کو دوباراً سخت پرستھایا۔

اس سال احمد شاہ سے اور ایران کی برسرِ عروج فوج کا جاری قوت سے مقابلہ ہوا جس کا مرکز آذربائیجان تھا۔ یہ زمامی شہر رشید آباد میں ہوئی جس میں احمد شاہ کو ناکامیابی ہوئی پھر اس نے اس طرف رخ نہ کیا لیکن خراسان پوری طرح زیرِ حکومت تھا اس پر ہی اکتفا کیا پانچویں سال مشہد ہی میں پہلے پہل اس کے اہم کام سکھ چلایا گیا۔

لاہور میں احمد شاہ کے واپس جانے کے کئی سال بعد ۱۱۶۹ھ میں میرمنو راہی ملک بقا ہوا اس کے مرتے ہی اس کی حوصلہ مند بیوی مغلی کی بیگم مشہور مراد بیگم نے ابدلی سے باغیانہ طور پر ارد شاہ دہلی سے اجازت لے کر پنجاب کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور میرمنو کے نائب آدینہ بیگ کے ساتھ حکومت کرنے لگی۔

وزیر غازی الدین نے ملے کیا پنجاب کو دہلی سے ملحق کر لیا جائے چنانچہ مغلی کی بیگم کی بیٹی کو اپنے عقد میں لایا اور ساس دیوی دو دون کو دہلی لے آیا۔ اس طرح پنجاب کو آدینہ بیگ کے سپرد کر کے اپنے زیرِ فرمان کیا۔ ان واقعات کی خبر احمد شاہ تک پہنچی تو وہ ۱۱۷۶ھ میں تیسری بار ہندوستان کی طرف

عازم ہوئے تھے ہی آدینہ بیگ کو جو وہاں کا دالی بنا دیا گیا تھا نکال باہر کیا اور پنجاب کو زیر فرمان کر کے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ اور دہلی پر دوسرا خبر سے فکر مند ہوئے نجیب الدولہ نے فوجاً جا کے احمد شاہ سے ملاقات کی غرضیکہ احمد شاہ اس شان و شکوہ سے دہلی میں داخل ہوا کہ شہنشاہ عالمگیر ثانی اور دربار عباد الملک دونوں اس کے جلوس میں تھے۔

احمد شاہ چالیس دن تک دہلی میں اقامت پذیر رہا اس کے نام کا سکونت چلی گیا جس میں ^{۱۱۷۰ھ} ۱۱۷۰ھ کی یاد دہلی سے متھرا گیا۔ جاٹوں کا مسئلہ تھا۔ انھوں نے دہلی اور آگرہ میں لوٹ ملیچا رکھی تھی اور بادشاہوں پر ظلم توڑے تھے احمد شاہ کو اطلاع ملی اس نے متھرا کو لوٹوا دیا اور جاٹوں کو سخت سزا دی۔ کابل جاتے وقت اس نے نجیب الدولہ کو سلطنت مغلیہ کا رپر داز مقرر کیا اور تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں دیتے اپنے بیٹے تیمور کے ساتھ عالمگیر ثانی کی بیٹی کی شادی کر دی تاکہ مغلیہ حکومت سے رشتہ قرابت قائم رہے۔ اور محمد شاہ کی بیٹی کو خود اپنے عقد نکاح میں لایا۔ وطن رخصت ہوتے ہوئے تیمور کو پنجاب کا حاکم بنا گیا اور تیمور شاہ سے کہتا گیا آدینہ بیگ کو جس نے بغاوت کر رکھی ہے اس کو بچہ کر موقوفی سزا دے مگر تیمور میں احمد شاہ کی سی شجاعت اور خوش تدبیری نہ تھی احمد شاہ کے کابل جاتے ہی آدینہ بیگ نے اندر زیادہ سراٹھایا سکھوں کے علاوہ مرہٹوں نے بھی آدینہ بیگ سے ساز باز کیا آخر ^{۱۱۷۲ھ} ۱۱۷۲ھ میں شہر لاہور تیمور شاہ سے چھین لیا۔ ساتھ ہی سکھوں نے امرتسر پر قبضہ کر لیا۔ اور پورن کر کے سرہند سے بارون شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مرہٹے اتنے خود سر ہوئے کہ وہ ملتان تک قبضوں اور شہروں کو تاراج کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ اور شہر آٹک پر حملہ آور ہوئے جو درہلے سندھ کے کنارے واقع تھا۔

احمد شاہ نے ان واقعات کی آگاہی کے بعد چوتھی مرتبہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر دی اور سکھ اور مرہٹوں کی زیادتی اور ظلم و تشدد کے بوقیہ کے لئے مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ^{۱۱۷۳ھ} ۱۱۷۳ھ میں پھر ہندوستان آیا وہ منانلی سفر طے کر رہا تھا کہ دہلی میں غازی الدین خاں نے عالمگیر ثانی کو قتل کر ڈالا اس کا نو عمر شاہزادہ عالی گوہر شاہ عالم، اپنی جان بچا کر پہلے نجیب الدولہ کے پاس گیا وہاں سے شجاع الدولہ کی

جو انگریزوں سے ساز باز کرتے ہوئے تخت پر شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے محی الدین ابن کام بخش کو تخت نشین کر دیا اور شاہجہان ثانی خطاب سے لقب ہوا وہ چند ہی عرصے میں بادشاہ رہا تھا کہ مرہٹوں نے اسی سال یعنی ۱۶۸۱ء میں زرخ کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا اور محلات شاہی کو خوب لوٹا اور مرہٹوں کے سردار اپنی شاہنشاہی ہندوستان میں قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے مگر یہ خیال کیا کہ پہلے احمد شاہ سے نبٹ لیا جائے تاکہ پڑائے دن کا خطرہ رہتا ہے اس طرف سے بے فکری ہو اور شجاع الدولہ سے ملے کر لیا کہ ہم دلی کے بادشاہ ہوں تم دزیر ہیں یہ انتظام ہو رہے تھے احمد شاہ بولان گھاٹی سے نکل کے جلو توشال کے جانب بڑھا دیرہ جات میں ہوتا ہوا پشاور پہنچا اور وہاں سے مینوئی سڑک اختیار کر کے لاہور ہوتا ہوا دہلی کی طرف جلا قوم ہٹے مقابلہ میں تھے مگر ان کو شکست اٹھانا پڑی اور مرہٹے راہ واپس اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ احمد شاہ نے قدم بڑھا کر دہلی پر قبضہ کر لیا اس کے بعد پانی پت کی جنگ کے واقعات پیش آئے جس کا ذکر نواب سخیب الدولہ کے حالات میں آتا ہے۔

جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ کابل واپس گیا سکھوں نے بغاوت کر دی اور امرت سر کے قریب خدایا کا محاصرہ کر لیا ۱۱۰۰ھ میں پھر ہندوستان آیا دس بارہ آدمی ساتھ تھے دھاگہ بھٹی ہوئی جیسے ہی سنا سکھ محاصرہ چھوڑ کر بھاگے ان کے پیچھے جا کر لہہ عیانہ کے دکن کی طرف گوجر دالی، انھیں پالیا اور اچھی طرح سے رگید ان کی قوت ٹوٹ گئی لاہور ہوتا ہوا افغانستان واپس گیا اور سرائے میں پناہ دالی چھوڑ گیا مگر دوسرے سال ۱۱۰۱ھ میں پھر سکھوں نے زور باندھا دالی کو شکست دی اور سرسند کو لایا لوٹا اور برباد کیا کہ امینٹ سے امینٹ سجادی چنانچہ آج تک یہ شہر دیران پڑا ہے۔ احمد شاہ سرکوبی کو ۱۱۰۲ھ میں آیا مگر سکھ جم کر نہ اڑے تین سال بعد ۱۱۰۸ھ میں ساتواں حملہ کیا پر مجبور ہوا اور سکھوں سے صلح کر لی ان کے سردار بھولکھان کو سرسند کا حاکم بنا دیا جس سے ریاست پٹیالہ کی بنیاد پڑی ۱۱۰۹ھ میں اس کو اکھڑکسیر، موگیا، علاج اور صحت بخش آب و ہوا کے لئے علاقہ عجائب کے اندر قوبا کے پہاڑوں میں بلا لیا وہیں ۱۱۱۵ھ میں پانچاویں سال رہنے کے عالم جاوداں ہوا۔

تیس برس بادشاہی کر کے دنیا سے رخصت ہوا عماد الملک

عماد الملک غازی الدین نواب نظام الملک آصف جاہ اول کا پوتا امیر الامرا نواب فیروز جنگ غازی الدین اول کا بیٹا اور نواب وزیر الملک اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کا نواسہ تھا اس کا نام مور باپ جب نظام الملک اول کی خبر وفات سن کر اپنی موروثی مسند پر قبضہ کرنے کے لئے دکن روانہ ہوا تو اپنے وزیر کو جس کا اصلی نام میر شہاب الدین تھا بادشاہ کے دامن شفقت اور نواب صفدر جنگ کی سرپرستی میں چھوڑ گیا اس کے بعد جب نواب فیروز جنگ نے دکن میں پہنچنے ہی وفات پائی ان کی لاش بضر تدفین دہلی لائی گئی اس مقبرہ میں دفن ہوئے جو امیر الامرا نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا اس سے محلی ایک مدرسہ ”مدرسہ غازی الدین“ بھی جاری کر دیا تھا۔ جو آج ایٹکلو عربک کالج کے نام سے ہے۔

بادشاہ اور صفدر جنگ دونوں کو میر شہاب الدین کی قیمتی برہم آیا انھوں نے اس کے مرحوم باپ کا منصب و خطاب امیر الامراء غازی الدین فیروز جنگ اس کو عطا کر دیا مگر غازی الدین نے صفدر جنگ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تو ان کی سرشت اور برادر کشی کا نتیجہ تھا مگر بادشاہ کے ساتھ جو روش رکھی تک حرام کہلائے جانے کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

مرہٹوں کو دار السلطنت میں آنا اعماد الملک غازی الدین نے عہد رافہ ہو لکر کو مالوسے سے اور جیا یا ساینر صبا کو ناگور سے جہاں وہ ایسے شاندار والی جو دھپور ماروار کو معذور کئے پڑا تھا طلب کیا مگر ان کے پہنچنے سے قبل صفدر جنگ صلح کر چکا تھا یہ وہ جنگ تھی وزارت سے علیحدگی پر بادشاہ سے لڑا تھا صفدر جنگ اور کو چلا گیا سورج مل جاٹ نے صفدر جنگ کی معاونت کی تھی اس نے ہو لکر دجیا یا سے اس کے علاقہ پر چڑھائی کرادی اس کا مضبوط قلعہ مستحضر ہو سکا دربار احمد شاہ دلی سے قلعہ گیر توپوں کی مدد عوام الملک دہلی کی درخواست پر نہ ملی بلکہ سورج مل کے عجز و الحاح پر رحم کھا کر احمد شاہ نے عاقبت محمود شاہ کو شاہی توپیں بھجوانے سے باز رکھنے کے لئے خود دار السلطنت سے سکندرہ تک قوم بھجایا

لہ تاریخ احمد آباد عبد الکریم

نہ ہو لکرنے کا ایک متفرکے گھاٹ سے جتنا عبور کر کے شاہی کمپ پر بھاپہ مارا اور بہت سا اسباب لوٹ لیا احمد شاہ مدد سربراہ درودہ ارکان سلطنت کے بمشکل جان بچا کر بھاگے مگر ملکہ زمانہ دختر فرخ سیر مرحوم اور دیگر نو عین تیموریہ ہو لکر کی قید میں پھنس گئیں جس نے اگر چہ ان کی عزت و حرمت قائم رکھنے اور خدمت بجالانے میں کوئی دقیقہ کو شش کا فرو گذاشت نہیں کیا لیکن محرم شاہی خواتین کا اس طرح اسیر ہونا بھی ہندو مسلمانوں کو یکساں ناگوار گذرا اور خواہ یہ فعل ہو لکر نے عماد الملک کی بلا اطلاع کیا ہو مگر اس کی بدنامی اس پر عائد ہوئی۔ اس کے بعد عماد الملک نے ہو لکر کی فرج کے ساتھ دہلی پہنچ کر احمد شاہ پر دباؤ ڈالا اور اپنے خالو انتظام الدولہ کو وزارت عظمیٰ کے منصب سے خارج کر کے خود اس عہدے کو حاصل کیا اور اس روز احمد شاہ کو قید کر کے غزیر الدین سپر جہاندار کو بے لقب عالمگیر ثانی تخت شاہی پر بٹھا دیا اور احمد شاہ اور ان کی والدہ قادیان کی آنکھوں میں نیل کی سلاخیں بھر دیں۔ اس کے بعد لاہور پہنچا میر منو کی لڑکی عقد میں لایا اور دہلی لوٹ کر پھر ساس کو گرفتار کر آگیا جب یہ ہم کامیاب ہو گئی اب وہ اپنے دست گرفتہ نجیب الدولہ کو اپنا رقیب تصور کر کے اس کے استیصال کی فکر میں لگ گیا۔ بقیہ حالات نجیب الدولہ کے سوانح زندگی میں آچکے۔

۱۹۲۱ء پانی پت کاؤنٹن میدان از سید جالب دہلوی زمانہ کانپور مارچ ۱۹۲۱ء

عراقی کردستان میں کھدائی کا کام

قبل از تاریخ کا تہذیب و تمدن

از

(جناب لفٹیننٹ کرنل خوام عبدالرشید صاحب)

سن ۱۹۴۴ء اور سن ۱۹۴۵ء میں تاریخ قدیم پر ایک سلسلہ مضامین مذوقہ المصنفین دہلی کے مجلہ ”برہان“ میں شائع ہوا جو کہ چھ مقالات پر کھیلوا تھا اس وقت تک جس قدر تحقیقات اس موضوع پر ہوئی تھیں انھیں یک جا کر کے ان مقالات میں واضح کر دیا گیا تھا حال ہی میں مجھے پھر عراق کا دورہ کرنے کا موقع ملا اگرچہ اس مرتبہ قیام مختصر تھا اور میں کھدائی کے کسی کام میں حصہ نہ لے سکا۔ تاہم اس موضوع سے متعلق کچھ ضروری معلومات ماہرین سے دستیاب ہوئیں جنہیں ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

عراقی کردستان کے کچھ مقامات پر جن کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے کھدائی تقریباً مکمل ہو چکی ہے یہ نام علاقے قبل از تاریخ تمدن رکھتے ہیں اور ان کی تاریخ ایک لاکھ برس سے لیکر سات ہزار برس تک پہنچتی ہے کھدائی کے حاصل شدہ نتائج سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہاں کی تہذیب مغربی ایشیا کی تہذیبوں سے قدیم ترین ہے۔ آثار قدیمہ کی اس تحقیق میں جدید تحقیقاتی آلات استعمال کئے گئے ہیں جو اس سے پیشتر استعمال نہیں ہوتے تھے مثلاً ریڈیو۔ ایکسٹروٹ اس آے کے ذریعے آثار قدیمہ کی اصل تاریخ معلوم ہو جاتی ہے۔ اس سے پیشتر تاریخوں کا اندازہ محض قیاس پر مبنی ہوا کرتا تھا مگر اس سسٹم کے ذریعے جس تاریخ کا تعین کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

کھدائی کی یہ ہم پر دفسر روبرٹ بریڈوڈ کی زیر نگرانی عمل میں آئی جو تین اداروں کی نگرانی کر رہے تھے ان میں سے پہلا ادارہ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسیکالوجی کا تھا دوسرا ادارہ امریکن اسکول آف

اور ٹیبل ریسرچ کا تھا اور تفسیر خود عراق گورنمنٹ کا محکمہ آثار قدیمہ کا تھا۔ اس ہمہ کام مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ ان علاقوں میں تہذیب کا ارتقاء کس طرح اور کیوں کر ہوا یعنی جس زمانہ میں انسان وحشیانہ زندگی بسر کرتا اور غاروں میں رہتا تھا اس وقت سے لے کر جب وہ تمدن مند کر قیدی زندگی بسر کرنے لگا اسے کن کن ادوار سے گزرنا پڑا یہ ایک مشکل مسئلہ تھا کہ اس ہمہ کے سربراہ نے اسے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا اس ہمہ کا میدان کرکوک سے اوپر کی چراگا ہیں جنہیں جو اربل کے گرد و نواح میں پائی جاتی ہیں اس مقام کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ یہی وہ علاقہ ہے جہاں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں نے جنم لیا قرآن کریم کا تاریخی حصہ بھی بیش از سی علاقے سے وابستہ ہے اربل کے گرد و نواح ہی میں طوفانِ نوح کا حادثہ پیش آیا۔ اور یہاں اس کے آثار بھی ملتے ہیں۔ حضرت یونس اور نوح کے واقعات بھی اسی کے گرد پیش آئے اگے چل کر ناخچ میں جو جنگ عظیم سکندر اور دارا کے مابین ہوئی وہ بھی میدانِ اربل میں ہوئی جو اربل شہر کی پشت پر۔ یہاں سے منبرا موٹر پرنٹال کی طرف صرف دو گھنٹوں کا راستہ ہے۔ اصل مقام جہاں کھدائی شروع کی گئی قلعہ جڑو ہے۔ یہاں سب سے پہلے ۱۹۷۳ء میں کام شروع ہوا ابتداء میں یہاں تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب اہم اشیاء دست یاب ہوئیں جو مختلف قسم کی جنس متلا ہڈیاں۔ گچیوں۔ کوئلہ اور مٹی کے مختلف نمونے۔ اس جگہ پر اور اربل قلعہ کو دیا گیا وہ چارچ سو مربع میٹر تھا جو تقریباً مین ایکڑ کے قریب بنتا ہے۔

جو اندازہ ان اشیاء سے لگایا ہے وہ بتاتا ہے کہ یہاں قدیم ترین زمانہ میں بھی آبادی موجود تھی ایک اور جگہ سے جو قلعہ جڑو کے شمال میں ہے اور کریم شہیر کے نام سے منسوب ہے۔ ایک ٹیلہ برآمد ہوا ہے یہاں عراق گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ کے ایک سکول نے جو تھکاد میں موجود ہے سب سے پہلے کھدائی شروع کی اس سے جو آثار ملے، وہ تقریباً دو ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے، اس سکول کے کچھ پروفیسر جو اس کام میں مشغول تھے، انہوں نے سیلانیہ علاقے تک کی تحقیقات کی، یہاں انہیں ایک قدیم غار ملا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس غار میں میراد و تین مرتبہ جانا ہوا۔ اس غار کے اندر ایک بڑا پتھر اس انداز سے نصب کیا گیا ہے، جیسے کسی بادشاہ کے بیٹھے کے لئے تخت ہوتا

ہے اس پتھر کو غار کے اندر ایک نمایاں جگہ حاصل ہے۔ اس غار کا نام ہلگوڑا ہے اور سیلیانیہ سے سول میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اب جو اس غار کے متعلق تحقیق ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غار آج سے دس بارہ ہزار برس پہلے آباد تھا۔ اس میں سے متعدد چٹاق کے ٹکڑے ملے ہیں، ہمیں کی وجہ سے اس غار کو اس صنعت کا پہلا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں کی آبادی پتھر کے زمانہ کے آخر کی ہے، اس کے بعد تہذیب نے ایک دوسرا رنگ اختیار کیا، پتھر کے زمانہ میں انسان غیر تمدن تھا، یعنی وہ انسان ہی تھا ابھی آدم نہ کہلایا تھا، میری دانست میں قرآن کریم نے یہ جو تین الفاظ آدمی کے لئے استعمال کئے ہیں انسان آدم اور بشران میں ایک لطیف فرق ہے جس کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہو گا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی اولین تخلیق انسان مٹی سے بنایا گیا اور ارتقاء کے مطابق اس نے اپنی موجودہ شکل اختیار کی، مگر وہ غیر تمدن تھا، غلامی میں رہتا تھا اور رشتہ زوجیت سے نا آشنا تھا اور الہام و وحی کا حامل نہ تھا، یہ زمانہ پتھر کے عہد کے بعد ختم ہو جاتا ہے اس کے اختتام پر ہی انسان وحی و الہام سے سرفراز ہو کر فرشتوں سے سجدہ کرتا ہے اور آدم کہلاتا ہے، ہمیں سے وہ رشتہ زوجیت قائم کرتا ہے گویا بشریت کے مختلف دور کا وہ یہاں پہنچ کر موسس بنتا ہے۔ یہ زمانہ بھروسہ تک چلا جاتا ہے اور وہ زندگی ایک تمدن طریق سے بسر کرتا ہے مگر پھر ایک وقت میں اس سے لغزش ہوتی ہے اور وہ شر کا مرتکب ہو کر احکام الہی کی خلاف ورزی کرتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں یسوع کر آدم لشر کہلایا اور حقیقت لفظ بشر مخفف ہے بشر کا؛ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اور مقام پر جسے پرودہ ہلکا کہتے ہیں اس ابتداوی سکول سے چند ایک اور اشیاء کو نشان جن میں ناپید جانوروں کی ہڈیاں تھیں ساتھ ہی کچھ ہتھیار و فیرہ بھی ملے ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ آخری فانی دور (Epoch of Man) سے متعلق چیزیں ہیں اور ان کا زمانہ آج سے تقریباً ایک لاکھ برس پہلے کا ہو گا یہ تحقیقات زبارة تر مبنی (Geological) تحقیقات سے متعلق ہیں۔

پرودہ ہلکا کی تہذیب سے یہ بخوبی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کے پاس بہت ادنیٰ قسم کے ہتھیار ہو کر تھے جو وہ پتھر سے بناتا تھا اور اس کی گذراوقات محض شکار

پر تھی، اس کے گرد و پیش ایسے ہاتھی رہتے تھے جو آج کل ناپید ہیں اور وہ ہرن جو ہاتھی کے مانند تھے وہ بھی اس کردارِ رضی سے غایب ہو چکے ہیں زمین کی ساخت یہ بتاتی ہے کہ یہاں لوگ کچے بعد دیگڑے آکر آباد ہوئے جن کے تمدن کے آثار پلگوارا کے باشندے چٹان سے چاقو اور تیز ہتھیار بنانے میں ابھی خاصی مہارت رکھتے تھے اور غالباً یہ تیز ہتھوڑہ اپنے تیروں کی نوکوں پر لگا یا کرتے تھے تاکہ شکار اور جنگ میں سہولت ہو یہ لوگ بہت اچھے شکاری ہو کر رہے تھے۔

کریم شہیر کی بستی سے زیادہ آثار نہیں ملے، البتہ بکھرے ہوئے مکان جن کے فرش پتے ہوئے تھے کہیں کہیں ملے ہیں کہیں کہیں جو لٹھے بھی دیکھے گئے ہیں، اور یہ افذ کیا جاتا ہے کہ اس دور میں انسان خوراک کے معاملہ میں کافی ہذب ہو چکا تھا ایک آدھ گھڑ بھی ان آثار میں ملا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ سازد سامان یا اشیائے خوردنی کو رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ لوگ گوشت خور تھے کیونکہ گھروں میں ہڈیاں بکثرت ملی ہیں۔ مگر ابھی یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ ان کے ہاں پالتو جانور بھی ہوتے تھے یا ابھی انسان نے یہ فن نہیں سیکھا تھا جانوروں کو پالتو بنانا تمدن میں بہت بعد کی اختراع ہے، سب سے پہلے پہل عورت نے مرد کو گھریلو زندگی کا عادی بنایا اس کے بعد مرد نے پھر جانوروں کو گھریلو بنایا۔ یہاں بچہ کے کچھ زینورات بھی ملنے ہیں مثلاً ہاتھوں کی برسلیٹ اور گلے کے طوق کا شعلہ لکھا کے لئے بھی کچھ بچہ کے ہتھیار دستیاب ہوئے ہیں مگر ریڈیو ایکٹو شسٹ سے ابھی یہ پتہ نہیں چلا یا جاسکا کہ یہ کس زمانے کی چیزیں ہیں۔ بہر حال یہ واضح ہے کہ کریم شہیر کا کلچر ایک ایسے دور سے تعلق رکھتا ہے جو پلگوارا خارا پر جرمو کے کلچر کے مین مین ہے۔

قلعہ جرمو کو ایک مختصر سی آبادی ہے جو اب تک کھودی گئی ہے، لیکن جب ہم اسے یہاں سے حاصل شدہ اشیاء کی نظر میں دیکھتے ہیں اور خاص طور پر ان اشیاء پر بھی گہری نظر رکھ کر دیکھتے ہیں جو اس کے قرب و جوار میں پردہ ہلکا غار پلگوارا اور کریم شہیر سے برآمد ہوئی ہیں تو اس مقام کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے یہاں پر کوئی ہتھیار ایسا دستیاب نہیں ہوا جو آہنی ہو اور نہ ہی کوئی ایسے ظروف ملے ہیں جن کی کچھ تاریخی وقعت ہو تاہم یہاں کے لوگ ایسے گھروں میں رہتے تھے جن کے قبن تین

چار چار کرے ہوا کرتے تھے جنگی دیواریں مٹی کی ہوتی تھیں اور پچکے اندر چولے جا بجا نظر آتے ہیں بعض گھروں میں تو چولہوں کے ساتھ کروٹیں چمکیاں بھی بنی ہوئی پائی گئی ہیں۔ برتنوں کی جگہ پتھر کے ظروف ملے ہیں جو پتھر کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ مٹی کی موتیں بھی پائی گئی ہیں جو یا تو جانوروں کی ہیں یا دیوتاؤں کی۔ سب سے زیادہ محلہ میں چمق پایا گیا ہے جس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسکا استعمال عام تھا ہڈیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ فیصدی جانور گائے، بکری، سور اور گھوڑے ہوا کرتے تھے، دیگر دس فیصدی ہڈیاں جنگلی جانوروں کی ہیں اگرہوں کی دو قسمیں مل چکی ہیں، عام طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انکی معاشی حالت اچھی تھی اور کچھ گھریلو صنعتیں بھی وجود میں آچکی تھیں، شہری زندگی کسی حد تک ترقی کر چکی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی، ظلمتی اور معاشی استغاثات کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ گویا انسان جو غاروں کا غیر تمدن باشندہ تھا اب تمدن ہو کر شہری زندگی اختیار کر چکا تھا۔

انیر میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس ہم کے تمام افراد کے نام گنوا دیں جنکے سر پر اس تحقیق کا سہرا ہے۔ یہ لوگ مختلف ممالک سے متعلق ہیں اور سب کے سب مشہور و معروف ماہر اثریات ہیں قلندر جرموچیفو نے کام کیا۔ ان میں سب اور نیل اسٹیوٹ کے آدمی تھے۔ پروفیسر روبرٹ بریڈ وڈ کا نام ہم لے چکے ہیں ان کے ساتھ انکی اہلیہ جرم بھی شامل تھیں، ان کے ساتھ ایڈمز، برومین بھی تھے اور چند طلباء اسکا گونیورسٹی کے بھی شامل تھے دیگر مقامات پر جنھوں نے کام کیا ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

الزبتھ و سٹ بیردسٹ میوزیم

کورنلیس پلن

سونٹ

ڈاکٹر ہروس ہارورڈ یونیورسٹی

پروفیسر ہربرٹ رائٹ

فریڈرک برتھ

سید صابری شکر علی عراق گورنمنٹ کے محلہ آثار قدیمہ کے نائندہ۔

برطانیہ کے نئے انتخاب اور بین الاقوامی معاملات

(جناب اسرار احمد صاحب آراء د)

برطانیہ کے گزشتہ عام انتخابات میں لیبر پارٹی کی شکست اور مشرچرچل کی جماعت — کنزرویٹو پارٹی — کے برسرِ اقتدار آجانے کے بین الاقوامی اور خصوصاً مشرق وسطیٰ کی سیاست میں چند اہم اور فیصلہ کن تغیرات رونما ہوئے جو اس کے جو امکانات پیدا ہو گئے ہیں اگر وہ تغیرات رونما ہو سکے تو ان کے نتائج بھی بے حد اہم اور دور رس ہونگے۔ لیکن ان ممکن تغیرات اور ان کے نتائج پر غور کرنے سے قبل اس امر کو بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ برطانیہ کی لیبر پارٹی کے شکست کے اسباب کیا ہیں اور دو عام انتخابات میں ناکام ہونے کے بعد تیسرے عام انتخاب میں کنزرویٹو پارٹی کو کن وجود کی بنیاد پر کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب برطانیہ میں زمانہ بعد از جنگ کے پہلے عام انتخابات ہوئے تھے تو اس وقت مشرچرچل کو برطانیہ کے فہم فائدہ جنگ اور آہنی انسان کی حیثیت حاصل تھی اسکے باوجود ان انتخابات میں ان کی پارٹی کو نہ صرف شکست ہی نصیب ہوئی تھی بلکہ ان کی حریص جماعت کو کنزرویٹو پارٹی پر کم و بیش ۱۵۰ اراکین کی اکثریت بھی حاصل ہو گئی لیکن مسئلہ اس کے عام انتخابات میں ۱۵ آراء کی یہ اکثریت صرف ۶ آراء کی اکثریت تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور آج کنزرویٹو پارٹی کو لیبر پارٹی کے مقابلہ میں ۱۲۵ اور پورے دارالعوام میں کم و بیش ۷۰ آراء کی اکثریت حاصل ہے۔

سوال یہ ہے کہ چھ سال تک مسلسل برسرِ حکومت رہنے کے بعد لیبر پارٹی کو شکست کیوں نصیب ہوئی ہے؟ اور یہی وہ سوال ہے جس کے جواب سے مستقبل میں رونما ہونے والے متوقع بین الاقوامی تغیرات کا اندازہ لگا سکیں گے۔ لیکن اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرے عالم گیر جنگ کے بعد برطانوی عوام اپنے ملک کی حکومت سے کیا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے زمانہ جنگ کے

اقتدار سے کیوں محروم کیا اور انھوں نے لیبر پارٹی کی حکومت سے کیا کیا توقعات وابستہ کی تھیں؟ اس مسئلہ میں اگر برطانوی عوام کے رجحانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اول تو دوسری عالمی جنگ نے انھیں جنگ سے متفرغ کیا تھا اور وہ کسی تیسری جنگ عظیم میں مبتلا نہیں ہونا چاہتے تھے اور دوسرے وہ اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں ان نقصانات کی تلافی کرنا اور کرانا چاہتے تھے جو گذشتہ جنگ کی بدولت انھیں پہنچے تھے اور چونکہ انھیں کنٹرول کرنے کے برسرِ اقتدار آنیکے بعد ان مقاصد کے حصول کی توقع نہیں تھی اسلئے انھوں نے ۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں لیبر پارٹی کو کامیاب بنایا لیکن لیبر پارٹی نے برسرِ حکومت آئیے بعد اپنی داخلی اور بیرونی حکمت عملی کو جس بنیاد پر قائم کیا اس نے برطانیہ کے قومی اور عوامی مفاد کی بنیاد کو تہہ وبالا کر دیا۔

دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ نے خود کو امریکی تمہین کا مفقود بنالیا اور ان کی جنگ بازار حکمت عملی کو ہٹا کر برطانیہ کے تمام تر وسائل کو تیسری عالمی جنگ کی تیاریوں پر مرکوز کر دیا جس کے نتیجے کے طور پر ایک جانب تو برطانیہ کی قومی خود مختاری کو امریکی غلبہ اور اقتدار کا خطرہ لاحق ہو گیا اور دوسری طرف جس قومی دولت کو زمانہ بعد از جنگ میں قومی تعمیر و ترقی نیز معاشی اور اقتصادی فلاح و بہبود پر صرف ہونا چاہیے تھا وہ جنگی تیاریوں پر صرف ہوئی اور اسی طرح برطانیہ کا اقتصادی تھقل اور بھی عمیق ہوتا گیا۔ چنانچہ ضروریات زندگی کے لئے ناگزیر اشیاء کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ ہوا اجرتوں اور پنشنوں میں تخفیف کی گئی مکانات کی قلت کا مسئلہ اور بھی بے چیدہ ہو گیا اور معاشرتی خدمت کے وسائل بھی قطع و برید سے محفوظ و مامون نہ رہ سکے۔ اسٹرلنگ کی قیمت میں تخفیف بھی لیبر گورنمنٹ کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ تھی اور اس وقت بھی برطانیہ کی اقتصادی حالت بحرانی دور سے گھبر رہی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ عام انتخابات سے کم و بیش ایک ماہ قبل ۲۲ ستمبر کو برطانوی سرمایہ دار طبقہ کے رسالہ "کانومسٹ" نے لکھا تھا کہ..... جنگ کے بعد اب ہمیں تیسری بار اقتصادی تھقل کا رونا ہونا بالکل واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔۔۔ اور اندازہ کیا گیا ہے کہ سونے اور ڈالر کی شکل میں برطانیہ کے پاس جو محفوظ سرمایہ ہے صرف جولائی، اگست

اور ستمبر میں اس میں ۵۰ کروڑ ڈالر کی کمی واقع ہوئی ہے ان حالات میں اگر برطانوی رائے دہندگان نے لیسر پارٹی کے امیدواروں کو رائے نہیں دی تو اس بات پر اظہارِ تعجب نہیں کرنا چاہئے لیکن یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کنزرویٹو پارٹی بقاء امن اور اقتصادی فلاح سے متعلق برطانوی عوام کی خواہشات اور توقعات کو پورا کر سکے گی؟

اس میں شک نہیں کہ کنزرویٹو پارٹی جنگ بازی کے معاملہ میں لیسر پارٹی پر بھی فوقیت رکھتی ہے لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسکی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز و محور صرف ایک خیال ہوتا ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ بسطِ طرح بھی ممکن ہو سکے برطانیہ کے اقتدار اور اسکی برتری اور بالادستی کی روایات کو برقرار رکھا جائے۔ اس لئے اب جبکہ کنزرویٹو پارٹی برسرِ حکومت ہے اس امر کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے ملک کو امریکہ کی حکمت عملی کے ساتھ محکومانہ انداز میں وابستہ رکھے گی اور اگرچہ مستقبل میں بھی ان دونوں ملکوں کا اتحاد برقرار رہے گا لیکن اس اتحاد کی نوعیت اس اتحاد سے بالکل مختلف ہوگی۔ لیسر پارٹی کی حکومت اور متحدہ امریکہ کے مابین قائم تھا اور ظاہر ہے کہ اتحاد کی نوعیت بدل جانے کے بعد بین الاقوامی مسائل اور مصائب پر بھی اس کا اثر ضرور پڑے گا اور چونکہ برطانیہ میں موجودہ پیمانہ پر جنگ کی تیاریوں کو جاری رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک طرف تو برطانیہ امریکہ کا دستِ نگر بنا رہے اور دوسری طرف ان تیاریوں کی بدولت ملک کی اقتصادی حالت میں کوئی اطمینان بخش تغیر رونما نہ ہو اور ظاہر ہے کہ کنزرویٹو پارٹی اس غیر مقبول اور متروک حکمت عملی پر قائم رہتے ہوئے اپنی حکومت کے موجودہ دور کو کامیاب نہیں بنا سکتی۔

پھر کنزرویٹو پارٹی کے برسرِ اقتدار آجانیکے باعث مشرق وسطے کے ممالک پر جو اثر پڑ گیا اسکا اندازہ کر لینا بھی کچھ زیادہ دشوار امر نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ ابھی تک مشرق وسطیٰ کے عوام کا سیاسی اور معاشرتی شعور پوری طرح بیدار نہیں ہوا لیکن ان ممالک کے قوم پرورد سرمایہ دار اس نقطہ کو محسوس کرنے لگے ہیں جو غیر ملکی سرمایہ داروں کے استعمالِ نو کی بدولت خود انہیں پہنچ رہا ہے اور عوام میں جس قدر بیداری پیدا ہوئی ہے قوم پرورد سرمایہ داروں کا یہ طبقہ اسے قومی آزادی کی حمایت کے لئے استعمال کر رہا ہے اور گزشتہ چند ماہ سے ایران اور مصر میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ ان ممالک

کے قومی سرمایہ داروں کے احساس زبان اور عوام کی نیم سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بیداری بھی کے نتائج ہیں لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کمزور و بیرونی ایک لمحہ کے لئے بھی برطانوی بالادستی اور اقتدار کے زوال کو برداشت نہیں کر سکتی اور اس امر کا قومی اندیشہ ہے کہ وہ ایران اور مصر کے قومی مطالبات کو نہ صرف تسلیم ہی نہیں کرے گی بلکہ اسے قوت و طاقت کے مظاہرہ میں بھی کوئی جیس پیش نہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ مصر، ایران یا مشرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک قوت و طاقت سے برطانوی قوت و طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جہاں تک ادارہ اقوام متحدہ سے رجوع کرنے کا تعلق ہے اس وقت تک مشرق وسطیٰ کے جن مسائل کو اس کے رد و رد پیش کیا جا چکا ہے ان میں سے کسی ایک مسئلہ کا بھی اطمینان بخش فیصلہ نہیں ہو سکا اس لئے مستقبل میں بھی اس بات کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایران اور مصر کے معاملات میں اس کے فیصلے مغربی مستعمرین کے اثر سے پاک ہوں گے۔ ان حالات میں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک سوویت روس کے ساتھ اپنے تعلقات قائم اور استوار کریں۔

اور اگر ایسا ہو تو پھر ایک طرف تو مشرق میں مستعمرین مغرب کے اقتدار میں زبردستی کی رونما ہو جائے گی اور دوسری طرف سوویت یونین کے گردہ کی قوت میں متدبہ اضافہ ہو جائے گا جس کے باعث بقاء امن کے مقصد کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔

ادبیت

دعوت شوق

(جناب الہ مظفر نگر ی)

بنما تجلی صبح نوبہ حجابِ سرور و سمن در آ
بغیر از مرکزِ دل رسی ز حدِ مجاز تو بگری
طبی حیاتِ خودی اگر دل و جاں حوالہ سوز کن
نشدن صراحی و جام را بگزار ساقی و میکده
ز فغانِ دل غمِ عشق را تو بدہ پیامِ خودی نما
تو سیرتے غلہ چہ بنگری بغیر از طور چہ می روی
ستم است انچہ کرم شدہ غم کا نشاطِ نعم بود

گہے برقِ جلوةٔ سرمدی بفضائے صحنِ چمن در آ
بگہ جنونِ خرد شکن بھولے دار و رسن در آ
سیر زدم عشقِ نفس مزین بطریقِ شمع لگن در آ
بخور از خودی تو ز جامِ دل بحد مذاق کہن در آ
بہ بساطِ محفلِ زندگی بکمالِ طرزِ سخن در آ
ہم نورِ عرشِ خدا بہیں بحرِیم صبحِ وطن در آ
بگرفتہ ذوقِ وفا اتم بدرِ رسولِ زمن در آ

عزل

(جناب انور مابری)

وقت جب کر دیش بدلتا ہے
موجِ غم سے ہی دل بہتا ہے
اس کو طوفانِ ڈبو نہیں سکتا
کس کو معلوم ہے جنونِ حیات
نام سنتے ہی جس کا آت وہ سحر
ان کی محفل میں چل بہوشِ تمام
ہم وہ بربادِ شوق ہیں جن کا
زندگی اس کی ہے جو مقتل میں
میں کروں کیوں نہ اس کی قدر توڑ

فقتہٗ حشر ساقی چلتا ہے
یہ چراغِ آندھنیوں میں جلتا ہے
جو کناروں سے بچ کے چلتا ہے
سایہٗ آگہی میں بلتا ہے
چاند تاروں کا دم نکلتا ہے
کون گر کر یہاں سنبھلتا ہے
آشیاںِ فضلِ گل میں جلتا ہے
موت کے سامنے جھکتا ہے
دل کے سانچے میں اشکِ جھکتا ہے

تبصرہ

ولی گجراتی | از جناب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی - تقطیع کلاں - کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۱۵۷

صفحات قیمت حکم تہ: در انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ ۹۷ ہارمینی روڈ - بمبئی ۷۱
 بمبئی کے چند اربابِ ذوق و اصحابِ علم و ادب نے کئی سال ہوئے اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کا مقصد اردو ادب و زبان کی عموماً اور اردو زبان کے گجراتی ادب کی خصوصاً تحقیقی بنیادوں پر خدمت کرنا اور قدیم گجراتی اردو ادب کے کارناموں کو منظر عام پر لانا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارہ نے ایک سہ ماہی رسالہ "نوائے ادب" کے نام سے جاری کر رکھا ہے جو اس میں شبہ نہیں کہ ہماری زبان کا ایک تحقیقی اور معیاری رسالہ ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ نے بھی طے کیا ہے کہ سال بھر میں کم از کم ایک کتاب بھی شایع کی جائے اپنا پنج زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جو ادارہ کے لائق سکریٹری کی تحقیق و تلاش اور ان کے حسنِ ذوق کی آئینہ دار ہے اور ادارہ کے مقرر کردہ صحیفہ کے مطابق ہے۔ بعض لوگوں کو کتاب کا نام پر ہر شے حیرت ہو کہ یہ ولی گجراتی کون ہے؟ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کوئی نیا شاعر نہیں۔ بلکہ وہ ہی ہے جس کو لوگ عام طور پر اردو نگے پہلے شاعر کی حیثیت سے دلی دیکھی کے نام سے جانتے ہیں ولی پر مختلف اربابِ علم نے کتابیں اور مقالات لکھے ہیں اور ان میں عموماً اور دکن کے مصنفین کی تحریروں میں خصوصاً ولی کو دیکھنی کہا گیا اور اس دعویٰ کو بڑے زور شور سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے اپنی اس کتاب میں اس دعویٰ کو بالکل مدلل بنانے کے ساتھ غلط ثابت کر کے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اردو شاعری کے بآدم کا وطنی اور نسلی تعلق بجائے دکن کے سرزمینِ گجرات کے ساتھ تھا اور اس بنا پر اردو شاعری کا اصل چشمہ دکن سے نہیں بلکہ گجرات سے پھوٹا ہے۔ اس سلسلہ میں لائقِ مولف نے پہلے دلی کے عہد پر جو اورنگ زیب مانگیر کا عہد تھا

تاریخی ترتیب کے اعتبار سے ہیں بایں صفحات میں روشنی ڈالی ہے جو ہمارے خیال میں کسی حد تک ضرورت سے زیادہ اور اہل موضوع کتاب سے غیر متعلق سی ہے اس کے بعد دہائی کے سوانح حیات، خاندانی احوال، علمی استعداد، اس زمانہ کی اردو کی لسانی اور صرفی و نحوی خصوصیات، دکنی اور گجراتی ادب کے باہمی مشترکات اور تفرقات کو بیان کرنے کے بعد دہائی کی شاعری کے نمونے پیش کئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ فارسی کے کن شعراء نے دہائی کو زیادہ متاثر کیا اور دوسری جانب دہائی کے کلام میں ہندوستانی عناصر کی آمیزش کتنی اور کس حد تک اس کے جداں کتابوں کی تہذیب سے تہذیب سے اس کتاب کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے اور آخر میں ایک غلط نامہ بھی ہے۔

جہاں تک دہائی کے گجراتی اور دکنی ہونے کی بحث کا تعلق ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی حیثیت اختلاف یا نزاع لفظی سے زیادہ نہیں ہے۔ کچھ نکلے اول تو مصباح مؤلف نے خود اقرار کیا ہے دہائی کے زمانہ میں دو ہی تہذیب کے کنارہ سے لے کر اس کماری تک کے اس تمام علاقہ کو دکن کہا جاتا تھا جس میں اورنگ آباد اور بیجاپور کے علاوہ گجرات اور خاندیس بھی شامل ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی مسلم ہے کہ دہائی کا تعلق (خواہ اس کی حیثیت کیسی ہی مختلف ہو) اورنگ آباد اور گجرات دونوں سے تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب دہائی اور اس ہند کی زبان اور اس کی خصوصیات پر معلومات کا ایک اچھا اور قابل قدر فیروزہ ہے۔ اس بنا پر امید ہے کہ اب اس کو دہائی سے بڑھیں گے اور وہیں مؤلف کی محنت کی قدر کریں گے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

ندوة المصنفین کی اہم ترین کتاب

یہ عظیم الشان کتاب مدت سے نایاب تھی دو سال کی جدوجہد کے بعد اس کا چوتھا ایڈیشن طبع ہو کر سامنے آیا ہے۔

درحقیقت ہماری زبان میں یہ پہلی جامع کتاب ہے جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول و قوانین کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں اسلام کا نظام اقتصاد ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کی راہ نکالی ہے۔ قیمت غیر مغلصہ، مجلد یہ

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔
قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے جلد سات روپے آٹھ آنے میں
اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین
کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش
کیا گیا ہے جو نٹھا ایڈیشن۔ قیمت پندرہ روپے
اسلام نظام مساجد۔ قیمت پندرہ روپے
مسلمانوں کا عروج و زوال :-
جدید ایڈیشن۔ قیمت للہم جلد ص ۴

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ
لغۃ قرآن پر بے مثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم
قیمت للہم جلد ص ۴
جلد ثانی قیمت للہم جلد ص ۴
جلد ثالث قیمت للہم جلد ص ۴

جلد رابع (زیر طبع)
مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف
ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب انظم الاسلامیہ
کا ترجمہ۔ قیمت للہم جلد ص ۴
ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

جلد اول :- اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب
قیمت چار روپے للہم جلد باج روپے ص ۴
جلد ثانی :- قیمت چار روپے للہم جلد باج روپے ص ۴

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر
محققانہ کتاب۔ قیمت ۷ - جلد ستر

ترجمان السنہ جلد اول - ارشادات نبوی کا
بے مثل ذخیرہ۔ قیمت تین روپے جلد للہم

ترجمان السنہ جلد دوم - اس جلد میں چھ سو کے
قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت للہم جلد للہم

تحفۃ النظر یعنی خلاصہ سفر نامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از سرجم و نقشبے سفر قیمت ستر

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے
جلد اول۔ قیمت پچاس روپے جلد چار

جلد دوم قیمت پچاس روپے جلد پچاس
عرب اور اسلام :-

قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے جلد چار روپے آٹھ آنے میں

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی
محققانہ کتاب جبر میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر

انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا ایمان افراد زلفۂ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -
جدید ایڈیشن۔ قیمت پچاس روپے جلد پچاس

منیجر ندوۃ المصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

مختصر قواعد و نذورات المصنفین دہلی

۱۔ **محسن خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے کی منت مرحمت فرمائیں وہ نذورات المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادا کیے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محسنین** جو حضرات یکپس روپے مرحمت فرمائیں گے وہ نذورات المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاضدہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات حق کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کار سالہ ”برہان“ بلا کسی معاضدہ کے پیش کیا جائیگا۔ جو حضرات اٹھارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار نذورات المصنفین کے طبقہ ۳۔ **معاونین**۔ معاذ میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور سالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **اجتہاد**۔ زور دینے والے ادارے کے دالے اصحاب کا شمار نذورات المصنفین کے اجزاء میں ہوگا۔ ان کو سالانہ قیمت دو یا چار روپے طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر ماہ گزری پہنچنے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

قواعد رسالہ برہان

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس لیا نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ تا ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ خریداری نذر کا حوالہ ضروری ہو۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپے۔ دوسرے ملکوں سے سارے سات روپے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ

(۶) مئی آؤر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کر اگر دفتر برہان جامع مسجد ملی سے شائع کیا

ندوة المصنفين دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب
سعید احمد کبر آبادی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،

مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ تاریخ ملت کا سادہ آسان

مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰

قیمت تین روپے چار آنے۔ جلد تین روپے اٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ جلد ۵

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم

اصناف کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پچاس روپے

غلامان اسلام انشی سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت پچاس روپے

اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاخلاق پر

ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی

ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت پچاس روپے، جلد چھ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات

واقعات تک۔ قیمت پچاس روپے، جلد ستر

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوسف سے

حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت پچاس روپے

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات

کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت پچاس روپے

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن

جس میں نظر ثانی کے ساتھ نو وری اضافے بھی

کئے گئے ہیں قیمت پچاس روپے، جلد للہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام

کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر

بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر اچھا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات سے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں

لیکھا گیا ہے۔ قیمت پچاس روپے، جلد پچاس

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان قیمت پچاس روپے، جلد پچاس

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ

قیمت تین روپے اٹھ آنے۔ جلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ

قیمت دو روپے۔ جلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ۔ قیمت پچاس روپے، جلد للہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ۔ قیمت پچاس روپے، جلد ص

جلد سبست و ہفتم بُرہان شمارہ نمبر ۶

دسمبر ۱۹۵۱ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|--|--|
| ۳۲۲ | سید امجد | ۱۔ نظرات |
| | | ۲۔ تورات کے دس احکام |
| ۳۲۵ | حضرت مولانا سید منظر احسن صاحب گیلانی | قرآن کے دس احکام |
| | جناب مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب سابق پرنسپل | ۲۔ جزیری توانائی |
| ۳۳۷ | جامعہ خزانہ حیدر آباد (دکن)۔ | |
| ۳۵۲ | مولانا محمد ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم ممبئی | ۳۔ جامع اموی دمشق |
| ۳۶۵ | جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی کبیر آبادی | ۵۔ امیرالامراء و اب نجیب الدولہ ثابت جنگ |
| ۳۷۲ | جناب اسرار احمد صاحب آزاد | ۶۔ بقا و امن عالم کی تحریکات پر ایک نظر |
| | | ۷۔ ادبیات |
| ۳۷۹ | جناب آلم مظفر نگری | اشارے |
| ۳۸۰ | (ع) و (س) | ۸۔ نمبرے |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَظَمْتُ

عجیب بات ہے کہ ہندی زبان کو حکومت کی زبان تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہندی کو بقا اور ترقی کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی دوسری ضمانت نہیں ہو سکتی۔ سہرہ شخص جسے ہندوستان میں رہنا ہے اور کھسے پڑھ لوگوں میں اسے اپنا شمار کرنا ہے اس کی مادری زبان خواہ کچھ ہی ہو بہر حال اسے ہندی سیکھنی ہوگی لیکن اس کے باوجود غریب اردو کو اب تک ہندی کا حریف اور اس کا مد مقابل سمجھا جا رہا ہے اردو کی حمایت میں جب کبھی کہیں سے کوئی آواز اٹھتی ہے اسے ہندی کی مخالفت قرار دیا جاتا ہے اور پھر اس زبان کی رکھشا کرنے والوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اردو کو کوئی ایک عجیبی سرگھاسٹے کا موقع نہ دیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں یوپی کونسل میں جب زبان کی بحث آئی تو اس نے ہندیت کا نہایت افسوس ناک مظاہرہ کیا گیا ایک وہ علاقہ جہاں کی ماں اب بھی اپنے بچہ کو اردو زبان میں لوریاں دیتی ہے جہاں غصہ یا غایت بے تکلفی کے عالم میں حبیب کی کوئی بولتا ہے۔ اردو میں بولتا ہے۔ جہاں محبت کے راز دنیا کی باتیں اردو میں ہوتی ہیں اور جہاں تنہائی میں بیٹھے بیٹھے جب کوئی گنگنا رہے تو اردو میں گنگنا رہے اور جہاں بزرگوں کے سینکڑوں اور نژادوں نامور ہندو مسلمان مصنف۔ ادیب اور شاعر پیدا ہوئے اور جہاں کے دریاؤں کی سبک خرام موجیں۔ اور سکوتِ شام کی حسین و دلہریب فضا میں بھی مومن و غالب اور تیر و آغ کی زبان میں زم زم اُٹھتی نظر آتی ہیں اس علاقہ کی نسبت بھی کمال جرأت و دیدہ دلیری سے کہہ دیا گیا کہ یہاں کی علاقائی زبان اردو نہیں ہندی ہے اور جب پوچھا گیا کہ اچھا! اگر اردو یوپی کی بھی علاقائی زبان نہیں ہے تو پھر کس علاقہ کی ہے اور اگر کسی ایک علاقہ کی بھی نہیں ہے تو دستور ہند میں اس کو علاقائی زبانوں میں کیوں شمار کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب وہی دیا گیا جو اس قسم کے مواقع پر اک کھسیانا اور دلیلوں سے مات کھایا ہوا دیا کرتا ہے۔ یعنی میں نہیں معلوم یہ دستور والوں سے پوچھا جائے !!

ہمارے نزدیک یوپی کے وزیر تعلیم کا یہ جواب اردو کے حامیوں کے لئے بھائے یا بوس کن ہونے کے

حصول افزا ہونا چاہئے۔ کیونکہ بالواسطہ انھوں نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ اردو کی اپنی اصل حیثیت مسلم اور ناقابل تردید ہے انھیں ترقی اردو علی گڑھ نے اس سلسلہ میں ایک ہم شروع کی ہے اور وہ یہ کہ یوپی سے دس لاکھ اشخاص کے دستخط لے کر صدر جمہوریہ کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کیا جائے کہ ہم لوگوں کی مادری زبان اردو ہے اس بناء پر اس کو یوپی کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھیں کا یہ اقدام برص و بر وقت ہونے کے ساتھ بہت اہم اور ضروری ہے اور اردو کے قدر دانوں کا فرض ہے کہ وہ انھیں کا اس کام میں ہاتھ بٹائیں اور ہر ممکن طریق سے اس کی مدد کریں، اس میمورنڈم کا حشر کیا ہو گا؟ یہ تو ہم آج بھی بتا سکتے ہیں لیکن یہ فائدہ بھی کچھ کم نہیں ہے کہ اس طرح اردو کے قدر دانوں میں ایک اجتماعیت پیدا ہو جائے گی اور یہ چیز بذات خود آج نہیں تو کل بہت مفید ثابت ہوگی۔ اگر انھیں چاہے تو اس اجتماعیت کو بنیاد بنا کر اردو کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہے۔

یہ ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ محض دس لاکھ دستخط لے لینا اور حکومت سے زبان کی علاقائی حیثیت منوالینا اردو کے حفظ و بقا اور اس کی ترقی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور دوسری جانب جواز دو کھڈ پڑھ سکتے ہیں ان کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ ان میں سے ہر شخص اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے مذاق کے مطابق کسی نہ کسی اردو کے اخبار یا رسالہ کے خرید کرنے پر خرچ کرے اس وقت جو عام مایوسی اور دگر گفتگی طاری ہے اس کا نتیجہ ہو رہا ہے کہ اردو زبان کے ناشرین کی مستحیضت ہو گئی ہیں اور وہ اردو کی کوئی کتاب چھاپنے کا مشکل سے ہی حوصلہ کرتے ہیں اس کا لازمی اثر یہ ہو رہا ہے کہ آراء قلم کو اب اردو میں تصنیف و تالیف کے مشغلہ کو جاری رکھنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور وہ یا تو سرے سے اس مشغلہ کو ہی ترک کر دینا چاہتے ہیں یا انگریزی یا ہندی وغیرہ کسی دوسری زبان کا سہارا لیتے ہیں یا غاصر ہے کہ اگر اس عام صوبیت حائل کا نتیجہ ہو کہ ناشرین نے اردو میں کتابیں چھاپنی اور مصنفین نے اردو میں کتابیں لکھنی ہی ترک کر دیں تو پھر ایک صوبہ کی نہیں بلکہ دس صوبوں کی حکومت بھی اردو کو اپنے ہاں کی علاقائی زبان تسلیم کرے تو اس سے اردو کے تحفظ میں کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔

اس بنابر انجمن قریٰ امدود کو ہمارا مشورہ ہے کہ اس موقع پر اسے اپنی تمام جدوجہد کو صرف دستخط لینے پر ہی مرکوز نہیں کر دینا چاہئے بلکہ ساتھ ہی ساتھ دو کام اور بھی کرنے چاہئیں: ایک یہ کہ ہر اردو بولنے والے سے اس کی کھٹی کام از کم ایک پیسہ فی روپیہ وصول کرنا چاہئے امدود سرے یہ کہ یہ معلوم کرنا چاہئے کہ امدود بولنے والوں میں سے کتنے ایسے ہیں جو اردو لکھ پڑھ نہیں سکتے اور کتنے ہیں جو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے انجمن قریٰ کو دو دن میں سے ہر شخص کے مذاق کے مطابق اردو کے اخبار یا رسالے اور کتابیں فراہم کرنے اور ان لوگوں کو ان کے مکان پر پہنچانے کا انتظام کر کے اردو کی تعلیم یا اخباروں و رسالوں اور کتابوں کی فراہمی کے تمام اخراجات اس روپیہ سے پورے ہوں گے جو انجمن ایک پیسہ فی روپیہ کے حساب سے وصول کرے گی اس اسکیم کو عمل میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ انجمن نے دستخط لینے کے لئے جو نام بتا کر رکھے ہیں انہیں پر مشدد جاذبِ خاطر کرنا اور امداد دیکھا جاتے ہو۔

۱۱) کیا آپ امدود یا سانی پڑھ لکھ سکتے ہیں؟

۱۲) مگر لکھ پڑھ سکتے ہیں تو آپ کو امدود کا کون سا اخبار یا رسالہ سب سے زیادہ پسند ہے؟

۱۳) آپ کو سب سے زیادہ کس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہے؟

۱۴) آپ ایک پیسہ فی روپیہ کے حساب سے انجمن کو ہر مہینہ کیا چیز دیں گے جس کے بدلے میں انجمن

آپ کے مذاق کے مطابق اردو کا اخبار یا رسالہ اور کتابیں یا ہندی کے ساتھ فراہم کرے گی۔

یہ کام صبر آزما اور سمیت خواہ ضرور ہے لیکن انجمن اپنی شاخوں کے ذریعہ اس کو بخوبی انجام دے سکتی

ہے امدود بولنے والوں میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو اردو کے اخبار یا رسالے اور کتابیں پڑھتے ہیں۔

اور اس کے لئے وہ خرچ بھی کر سکتے ہیں لیکن تنظیم اور کسی عموک کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ مقنا سستی میں

ہی کام نکال لیتے ہیں امدود خرچ کرنے بھی میں تو اپنی آمدنی سے جلد ایک پیسہ فی روپیہ سے بہت کم ہر

صرف صوبہ یو۔ پی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں ہر جگہ کے اردو بولنے والوں کو اس طرح پر متظم کر دیا

جائے تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کے لئے امدود کے اخبارات و رسائل اور کتابوں کی عام اشاعت بہت بڑھ جائیگی

اور آخرین و مضیق کو بھی حوصلہ ملے گا کہ امدود میں زیادہ سے زیادہ کہیں اور بچا بھی۔

تورات کے دس احکام

۱۵

قرآن کے دس احکام

۱۸

(حضرت مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی صمد شیعہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

(مسند کے لئے دیکھئے پہلی باب ماہ (میسر)

بہر حال اشراک ہو یا اشراق چونکہ دونوں ہی میں بھلے خالق کے مخلوقات ہی کی قوتوں سے استفادہ تک کو ششیں محدود ہوتی ہیں، فرق دونوں میں صرف انداز اور بام کا ہے، اپنے اندر کی صلاحیتوں سے بھرا کر کام لینے کا نام اشراق یا اسپریریزم (روحانیت) ہے اور بیگانہ کے ان مخلوقات سے جب منفعت یا دفع مفرت کے لئے دعائی اور عبادتی رشتہ قائم کر لیا جوادمی کے ارد گرد، سورج چاند، نجوم و جہر، آگ پانی، ہوائی وغیرہ کی شکلوں میں پھیلے ہوئے ہیں یا واقع میں موجود نہ ہوں، لیکن بھائی کا دایرہ امکان کو محسوس کر کے فرض کر لیا ہے کہ وہ موجود ہیں، کوئی نام ان ہی اداہمی مخلوقات کا رکھ لیا جاتا ہے اور ان ہی کو پوجنے لگتے ہیں، فکر و نظر کے اسی طریقہ اور عمل کے اسی طرز کی تعبیر اشراک یا مشرکاذہ نہایت سے کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا یا خالق کائنات سے انحراف دے گاگی اشراک و اخراق دونوں ہی کی قدر مشترک خصوصیت ہے، اسی لئے صحیح معنوں میں جہاں تک میرا خیال ہے مذہب یا دین کا اطلاق نہ اشراک یا مشرکیت ہے، اور نہ اشراق یا ہر مذہب اور دین کی عمومیت یا درست طاعتوں کا حال اگر بھی ہے تو وطنی کرہوں سے جو اپنے جسمانی امکانات کو بروئے کار لانے کی مشق کرتے ہیں، کشتی گروہوں یا جماعتوں کو تماشے دکھانے والوں کے کاروبار کو بھی مذہب یا دین ہی کی ایک شاخ یا قسم کیوں نہ ٹھہرائی جائے۔ جیسے الروح

آدمی کے اندر کی ایک مخلوق ہے۔ بدن اور جسم بھی انسانی وجود ہی کا تو ایک حصہ ہے اسی طرح آفتاب و مانتاب جیسے بیرونی مخلوقات سے مشرک قوم فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں، یہی حال اس بچاکر کا بھی تو ہے، جو مثلاً مقناطیس، یا برق وغیرہ جیسی چیزوں سے مستفادہ گی کوششوں میں سرگرم نظر آتے ہیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مقناطیس و برق پر کام کرنے والوں کی جدوجہد کو صرف سائنس اور حکمت کہہ کر ختم کر دیا جائے اور بجائے مقناطیس و برق کے سورج اللہ چاند کو اپنی توجہ کا مرکز جن لوگوں نے بنا رکھا ہے ان کو مذہبی تقدس اور دینی احترام کا مستحق ٹھہرایا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اشراک یا مخلوق پرستی و دور جاہلیت کی ایک حکمت اور سائنس ہی تھی لیکن بھدی قسم کی جاہلانہ سائنس باور کر لیا گیا تھا کہ ان مخلوقات اور مظاہر کائنات کو تاہم میں لانے کے لئے صرف عقلی تدبیریں ہی کافی نہیں ہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پوج بھی دیا جائے۔

کچھ بھی ہو، واقع میں نظریہ اشراک اور طریقہ اشراق دین اور مذہب کے دائرہ تک چیزیں ہوں، یا نہ ہوں، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے شمار کرنے والے دونوں ہی کو دین ہی کے ذیل میں شمار کرنے چلے آئے ہیں، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صحیح دین کی روح کو "احکام عشرہ" کے قالب میں سہرہ کرتے ہوئے ان دونوں مخالطوں پر کافی تنقید کی گئی ہے لیکن حیرت اس پر ہوتی ہے کہ مذہب کے استعمال کے جس طریقہ کو عصر حاضر کی نئی پیچ اور عہد جدید کا خضیصہ سمجھا جاتا ہے اور جہاں تک میں جانتا ہوں دین کے استعمال کی اس انوکھی شکل کا جو چاشاندہ موجودہ زمانہ سے پہلے نہ کبھی سنا ہی گیا تھا اور نہ کیا ہی گیا تھا، یعنی کچھ دنوں سے جو یہ باور کر لیا جا رہا ہے کہ حقیقی مطالبہ مذہب کا یہ ہے کہ اس کے ماننے والے قدرت کے ان قوانین کا پتہ چلائیں جن کے جاننے سے موجودہ زندگی کی سہولتوں کی فراہمی میں مدد ملتی ہے، اسی لئے بجائے ایک قرآن کے دو قرآن کا نظریہ پیش کرنے والوں کی طرف پیش کیا جا رہا ہے، لکھنے والے کتابیں لکھ لکھ کر پھیلا رہے ہیں، اور اسی کا وعظ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن کو ان لوگوں نے ہمارا ہی نہیں جنہوں نے تبدیل ہی ایجاد کی، اور نہ تیار اور ٹیلی فون کے بنانے کے طریقے دریافت کئے مگر ان لوگوں

کارانہ ہی ان کی سمجھ میں آیا، اور نہ سنبھال سکی بڑی تصویروں کو پردہ پر پیش کرنے کا سلیقہ ان میں پیدا ہوا، بجائے دھوکے ایک ہی قرآن کے پڑھنے والوں کو اس لئے کافر ٹھہرایا جا رہا ہے کہ کاغذوں پر لکھے ہوئے قرآن کے ساتھ انہوں نے قدرت کے اس صحیفہ کا مطالعہ جاری نہ رکھا، جو امرار و نوائیس کے خزانوں سے معمور اور لب ریز ہے بجائے خود اس مطالعہ کی نوعیت کیا ہے، ابھی اس سے بحث نہیں لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اشتراک و اشراق کی تنقیدوں کے ساتھ ساتھ ان ہی حکم عشرہ والی صورت میں ایک تہمدی فقرے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَى الْكُفْرُ أَنْ يَسْوَءَ مَا كُنْتُمْ تُشْكِرُونَ
اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر نمونے کی بات
دہرائی ہے مگر لوگوں نے انکار کیا ایسا انکار جو ناشکری
کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اسی کے بعد ایک دلچسپ مثال یا نمونے کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ مِنَ السَّمَاءِ
اور انہوں نے کہا کہ ہم نہ مانیں گے تجھے جب تک کہ
زمین سے بعد تو جہ سے کتاب نازل نہ کرے۔

کائنات کے لفظ سے جن لوگوں کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے ان کے نام کی تصریح تو نہیں کی گئی ہے، یہ خیال کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی تعبیر کبھی کبھی قرآن میں ماضی کے صیغہ سے ہی پائی جاتی ہے اور اسی بنیاد پر یہ دعویٰ کہ بنی آدم میں آئندہ اس قول کے قائل چونکہ پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے مستقبل میں جو واقعہ پیش آیا قرآن نے ماضی کی شکل میں اس کی اطلاع دے دی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کہنے والوں میں اس قسم کی باتوں کے کہنے والے بھی پیدا ہوتے رہیں گے جہاں تک میرا خیال ہے ایک بعد تو جہ سے زیادہ یہ اور کچھ نہیں ہے اور بظاہر سمجھ میں ہی آتا ہے کہ خواہ بات حقیقی ہی زیادہ عجیب ہو لیکن پیغمبر پر اس مطالبہ کو قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ عرب کے ان ہی جاہلوں نے پیش کیا تھا، جن میں پہلی دفعہ قرآن نازل ہو رہا تھا، بہر حال مطالبہ جن کا بھی ہو لیکن حاصل اس مطالبہ کا خود غور کیجئے اس کے سوا اور کیا ہے کہ مذہب اور دین کی دعوت دینے والے

رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے یہ چاہا گیا تھا کہ بورنگ (چاہ کنڈیڈ گی) کی مہارت دکھا کر
آب براری کر کے ان کے خشک علاقے کی سیرانی کے لئے سہولت فراہم کریں۔ چونکہ اس میں گو نہ
خود غرضی کا پہلو بھی پایا جاتا تھا، شاید اسی لئے خود غرضی کے اس لوٹ سے اپنے نقطہ نظر کو پاک
کر کے انھوں نے اسی مطالبہ کو جیسا کہ آگے اظہار دی گئی ہے، ان الفاظ میں بھی پیش کیا تھا کہ
اَذْكُنَّوْنَ لَكَ جَنَّةً مِّنْ مَّجْنُونٍ وَعَيْنٍ
یا خود تمہارے ہی لئے ہو جانے کھجوروں، اور انجوروں کا
فَتْحٌ اِلٰهَا سَرَّيْلًا لِّهَا فَخْرًا
باغ جس کے درمیان پھوڑا کر تم نہیں جلدی کرو،

گویا آب براری کے تجربے کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے اس مطالبہ میں باغبانی اور کاشت کاری
کی مہارتوں کے مشاہدہ کا مزید مطالبہ بھی پیش کر دیا تھا، اور اسی پر یس نہیں کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے
کہ زمین اور سفلیات کے ساتھ آسمانوں اور علویات کو بھی قابو میں لا کر دکھانے کی توقع مذہب کے
نمائندے پیغمبر سے انھوں نے کی تھی، آگے قرآن ہی میں ان ہی کی زبان سے یہ الفاظ جو فضل کے گئے
ہیں کہ اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا کہ

اَوْ تَسْقِطُ السَّمَاوَاتُ كَمَا تَرْجُمُ عَلَيْنَا كِسْفًا
یا اگر آسمان کو جیسا کہ تو خیال کرتا ہے ہم پر پڑے کرے۔

ان سے جہاں کچھ میں آتا ہے کونخبر کی طرف سے آسمانی عذاب کی دھمکیاں دی جاتی تھیں،
ان ہی دھمکیوں کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ تمہاری دھمکی بھی پوری ہوئی کہ ہم پر بادِ موجِ جہنم
لیکن اس کے ساتھ مذہب کے استعمال کا وہ طریقہ تو ہمارے سامنے آجائے گا کہ زمین ہی نہیں
بلکہ آسمانی موجودات، اور فضا کی کائنات کو بھی قابو میں لا کر ان سے کام لینے کا طریقہ سکھانا چاہیے
کہ یہی مذہب اور دین کا اصل مقصود ہو،

ایک مطالبہ ان کی طرف سے اللہ کے رسول علیہ السلام کے آگے یہ رکھا گیا تھا جس سے متعلق
تعجب ہوتا ہے کہ عیسائی کے جاپوں کے دماغ میں بھی مذہب کے استعمال کا یہ اچھوتا اور اناکھا طریقہ کیسے
آگیا جسے پانے والے سمجھ رہے ہیں کہ علم کی نئی روشنی پانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ
تمہیدی فقرے میں مَن يَكُنْ مِّثْلَ (مہر نمونے کی باتوں) کا ذکر کیا گیا تھا، ہم پاتے ہیں کہ ہمارے عہد جدید

ہی کی دوسری خصوصیت مذہب اور دین ہی کی تنقید کے سلسلے میں جو پھیلی ہوئی ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے دائرے میں جتنا کہ کوئی چیز نہ آجائے اس وقت تک ہم اس کو مان نہیں سکتے، یا کم از کم اس کے اقرار و انکار دونوں سے چاہیے کہ آدمی بے مطلق رہے، اسی بنیاد پر سارے غیبی حقائق جن کا مذہب میں تذکرہ کیا گیا ہے سب ہی کی حقیقت علم کے دورِ جدید میں مشتبہ و مشکوک ہو چکی ہے بلکہ عملاً سب ہی کا گویا انکار ہی کر دیا گیا ہے سمجھا جاتا ہے کہ تحقیق و تلاش کا نیا معیار موجودہ حکمت و سائنس نے جو قائم کر دیا ہے اس کی روشنی میں مذہب اپنے بھر م کو کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اب اس کو کیا کہنے کے لئے کہ ان ہی جاہلوں کی طرف قرآن نے جہاں مذکورہ بالا مطالبے منسوب کئے ہیں وہیں آگے ہم یہ بھی پاتے ہیں، ان کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

أَوَاتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا (انہوں نے کہا) یا اللہ! ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ”غیبی حقائق“ کو مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت میں لانا یہاں مطالبہ بھی عرب کے ان ہی جاہلوں کی طرف سے پیش کیا جا چکا تھا، بلکہ آئندہ زندگی میں ”جنت“ کے محلات یا قصور کا ذکر کرتے ہوئے جن خصوصیتوں کی خبر دی گئی تھی، شاید ان ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی چاہا تھا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ

أَوَلَيْكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ مَّحْضُوفٍ (انہوں نے بھی کہا کہ) یا ہوتے ہوئے محلِ زنگار، لاطالی محل

اور اس سے بھی زیادہ دھچپ جاہلی مطالبہ یہ تھا کہ پیغمبر جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور خدا کا فرشتہ وحی لیکر مجھ پر اترتا ہے، اسی وحی کو بنام قرآن میں پیش کر رہا ہوں ظاہر ہے کہ قرآن کو تو وہ سن رہے تھے، لیکن نزولِ قرآن کی ساری منزلیں کہ خدا فرشتہ کے سپرد کرتا ہے اور فرشتہ اسی کو لے کر پیغمبر کے سامنے آتا ہے، اور خدا کے سکھائے ہوئے الفاظ پیغمبر کے فرشتہ پڑھاتا اور یاد کرتا ہے، یہ ساری منزلیں صرف ”الغیب“ ہی سے تعلق رکھتی تھیں، عرب کے ان ہی جاہلوں نے اسی بنیاد پر کہ مشاہدہ اور تجربہ میں بات جب تک نہ آجائے ہم اس کو مان نہیں سکتے، اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ

أَوْ تَرَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَقِّنَ لَوْ مِّنْ قَبْلِ

یا اے پیغمبر تم چڑھ جاؤ آسمان پر، اور ہم نہ مانیں گے صرف تمہاری پڑھائی کو تاہم تم آنا رہو ہم پر کتاب ہے ہم پڑھیں،

حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا لَئِنَّا بِالْأَنفَاءِ

شاید ان کا خیال تھا کہ ڈھٹ بندی یا سحر اور جادو وغیرہ کے زور سے یہ تو دکھایا جاسکتا ہے کہ آسمان پر آدمی چڑھ رہا ہے اسی لئے انھوں نے کہا تھا کہ آسمان کی طرف صرف چڑھائی کافی نہیں ہے۔ بلکہ قرآن تمپر جس طرح نازل ہوتا ہے نزول کی اس کیفیت کا اور جن جن منزلوں سے اس سلسلہ میں گزرنا پڑتا ہے، سب ہی کا تجربہ جب تک نہ کرو گے، تا آنکہ جیسے تم نزول کے بعد قرآن پڑھنے لگتے ہو، ہم بھی پڑھنے لگیں، اسوقت تک ہم ان غیبی باتوں پر ایمان نہیں لاسکتے،

خلاصہ یہ ہے کہ مطالبہ ان کا بھی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، وہی تھا کہ مشاہدہ اور تجربہ کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ خدا کا، فرشتہ کا، فرشتہ خدا سے وحی کو کس طرح حاصل کرتا ہے اور حاصل کر کے پیغمبر کے سینے میں اسکا القاء کس طرح کرتا ہے۔ وہ اس سلسلے کی ایک ایک کڑی، ایک ایک جز کو مشاہدہ اور تجربہ کے حدود میں لاکر دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنت پوری نہ ہی جس قسم کے قصور اور محلات کا ذکر اسکے متعلق کیا جاتا ہے، کم از کم اسی کا کوئی نمونہ ہی دکھا دیا جائے، کچھ بھی ہو، مذہب کے متعلق ان دونوں نظریوں کو قرار دینے والے خواہ جس زمانہ کی بھی پیداوار قرار دے رہے ہوں لیکن اسکا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن میں ان دونوں نظریوں کا ذکر موجود ہے، اور ٹھیک اسی مقام اور اسی سورہ میں ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جس میں مذہب ہی کے متعلق اشراق و اشراق والے عالم مغالطوں کی تنقید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ جو حال ان قدیم اور پرانے مغالطوں کا ہے اور مذہب کی ”صحیح روح“ کے عدم یافت سے اس قسم کے وسوسے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، یہی کیفیت ان دونوں مغالطوں کی بھی ہے، پھر اصل حقیقت کو واضح کرتے ہوئے پیغمبر کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا
بَشَرًا مِّثْلُ سُوْلًا

کہہ دے کہ میرا پروردگار پاک ہے، نہیں ہوں میں
مگر ایک بشر رسول

”بشر رسول“ ان ہی دو لفظوں میں اگر غور کیا جائے تو ان دو قدیم مغالطوں کا جواب چھپا ہوا ہے

جنہیں پیش کر نیوالے جدید لفاظ نظر کے نام سے پیش کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ ”شجر“ یعنی آدمی کی فطرت، کائنات کی دوسری ہستیوں کی طرح قدرتی قوانین کی پابند ہے، منجملہ ان قوانین کے آدمی کی فطرت کا عام قانون ہے کہ صنعتی جہازیں، یا اختراعی و ایجادیں سلیقہ اس میں سیکھنے سکھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس نے بورنگ یا چاہ کنڈیگ یا چشمہ برآری کا فن نہیں سیکھا ہے اچانک اس سے اسکی توقع کہ وہ ان کاموں کو کر کے دکھاوے، اور جہاں پانی نہیں ہے، وہاں پانی پہنچاوے، جب تک باضابطہ اس فن کی انجینیئری کی تعلیم نہ حاصل کی جائے۔ اور پانی کے بہاؤ کا شیب و فراز، زمین کے ڈھلاؤ سے جو تعلق ہے، اسکے گرنے بتائے جائیں، اسی طرح باغیانی یا یاکشت کاری زراعت کے اصول کی علماً و عملاً مشق حاصل کئے بغیر اچانک باغ لگا کر دکھانا، یا ہرے بھرے تاکستانوں کا نظارہ پیش کرنا، اور ان کے سیچنے کے لئے ہر درخت اور انگور کی ہر پیل تک پانی پہنچانا، اسکا اندازہ کہ کس زمانہ میں پانی دینا مفید ہوگا، اور کب مضر ہوگا، پانی کی مقدار کی نوعیت مختلف درختوں کے لئے کیا ہونی چاہیئے، الغرض یہ اور اسی قسم کے ہزارے قاعدے اور قوانین جنکی ضرورت ان راہوں میں پیش آتی ہے بشری فطرت کا یہ دستور نہیں ہے کہ مشق و ممارست کے بغیر بے سیکھے اور جانے ان کو کر دکھائے، ماور جب زمین سے تعلق رکھنے والے امور کے ساتھ بشری فطرت کا یہ عام قانون ہے، تو آسمانی مطالبہ جو ان کا تھا، ظاہر ہے کہ وہ تو ان سے بھی زیادہ دور از کار تھا، ان کو تھما دیا گیا کیغیر بشر ہیں، فرشتے، یا ملک یا دیوتا نہیں ہیں،

بہر حال غرض یہی ہے کہ کائناتی حقائق مثلاً آگ کس لئے ہے، ہوا سے کون کون سی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، برق سے بھاپ سے پٹرولیم سے کس قسم کے کام لئے جاسکتے ہیں، یا روٹی کیسے بنتی ہے، جوتوں کے سینے کا صحیح طریقہ کیا ہے، کپڑے کس طرح بنے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کس لئے ہے، اس سوال کا جواب تو خود انسان ہے، اسکی عقل ہے، اسکا دماغ ہے، سوالات پیدا ہو رہے ہیں، اور آدمی آدمی کی عقل ان کا جواب دیتی چلی جا رہی ہے، مگر دیو جوت کس لئے؟ کے سوال کا محسم زندہ جواب بنا ہوا ہے، جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ خود کس کے لئے ہے؟ یعنی خود آدمی کے وجود سے کس نصب العین کی تکمیل ہوتی ہے، ظاہر

ہے کہ عقل وہ اس کے سامنے کچھ ہے اس کو پیش نظر رکھ کر نہ اس کا کوئی جواب ہی دیا جاسکتا ہے اور نہ اس جواب کے بغیر انسانی وجود بلکہ کائنات کی پیدائش کی معقول یا غیر معقول توجیہ ہی سمجھ میں آتی ہے جس کے لئے سب کچھ ہے جب وہی بے قیمت ہے معنی، لعل، بے نتیجہ وجود بیکرہ جاتا ہے، تو جو کچھ اس لئے ہے، اس کی بھی قدر و قیمت کیا باقی رہی؟

نبوت و رسالات کا نظام جسکی تعمیر مذہب اور دین وغیرہ کے الفاظ سے کرتے ہیں سچ پوچھئے تو اسی جزوہ فہم (بہرے گوئے) سوال کا جواب ہے۔ مذہب ہی نے اس سوال کے جواب کو پیش کر کے عالم کے اس نظام کو ایک با معنی اور بامقصد نظام بنا دیا۔ اور انسان جو مخلوقات کے سلسلے میں کسی کے کام کا منظر نہیں آ رہا تھا اس کے متعلق یہ اعلان کر کے کہ پیدا کر نیوالے نے آدمی کو صرف اپنے لئے، اپنی عبادت کیلئے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، مذہب نے انسانی وجود کے اتنا بالاد بلند کر دیا کہ نبی آدم کے کسی ایک فرد کو پالنے کیلئے، سارے حیوانات، سارے نباتات، الغرض ساری کائنات ہی کے ختم کرنے کی ضرورت پیش آجائے، سمجھا جاتا ہے کہ انسانی وجود کے احترام کا یہ قدرتی اقتضار اور اس کا یہ ناقابل انکار واجبی حق ہے، الغرض زمین کھڑو کو پانی کیسے نکالا جائے نہزں کس طرح جاری کی جائیں، باغوں کے لگانے، کھیتوں کے آباد کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسی نوعیت کی دوسری چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ تو آدمی کی عقل بتاتی ہے لیکن خود آدمی کا کام کیا ہے، مذہب صرف اسی سوال کا شارح اور اسی کا وہ قدرتی جواب ہے،

”نہیں ہوں میں، مگر ایک ”بشر“ رسول ” یعنی ”خالق کا پیغام پہنچانے والا آدمی ہوں“

جو ”ہل کمئت“ لا ایشل رہنمولا کا ترجمہ حاصل ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ قدرت نے

مطلب یہ ہے کہ کائنات سے آدم کی اولاد اگر نکالی جائے تو ذرہ سے لے کر آنتاب تک ہر چیز اپنے حال پر رہتی رہ جاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں ایسا کوئی نہیں ہے جس کی کسی ضرورت میں کام آکر آدمی اپنے وجود کی قیمت اور اپنی آفرینش کا مقصد بتائے حالانکہ برعکس اس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ حالایا لاکائنات کی ہر چیز انسانی ضرورتوں میں کام آکر اپنی قیمت کو حاصل کر رہی ہے۔

آنکھوں کو دیکھنے کے لئے، کانوں کو سننے کے لئے جیسے بنایا ہے اور یہ غیر فطری مطالبہ ہو گا کہ آنکھوں سے سننے کا اور کانوں سے دیکھنے کا مطالبہ کیا جائے، اسی طرح ”جو آدمی رسول یعنی مذہب کا پیغام لے کر بھیجا گیا ہے اس کے آگے ایسے مطالبات رکھنا جو نہ تو بشری فطرت کے عام اقتضاؤں کے مطابق ہیں، اور نہ اس کے عہدہ رسالت ہی سے ان مطالبوں کا تعلق ہے مطالبہ کرنے والوں کی بدتمیزیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

اور یہی ”لشیر رسول“ بلکہ ”رسول کے ایک ہی لفظ میں مذہب کی اس تنقید کا جواب بھی پوشیدہ ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ کے حدود میں جب تک مذہب کے پیش کردہ مسائل اور حقائق نہ آجائیں گے اس وقت تک وہ واجب التسليم نہیں بن سکتے۔

آخر خود غور کیجئے، کہ کائنات کا ایک حصہ تو وہ ہے جسے ہمارے حواس یعنی ہماری بنیائیں، یاد دوسرے اور ان کی وحسی ذرائع پارہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہماری فطرت ہی کا احساس یہ بھی ہے کہ جو کچھ ہمارے حواس کے سامنے ہے، اس کے سوا بھی ہستی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے ہم پارہے ہیں اور نہ ہمارے حواس، اسی حصہ کو ”مغیب“ کہتے ہیں اور تو اور ہماری موجودہ زندگی کی ابتداء اور انتہا تک ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم میں نہ کوئی جانتا ہے اور نہ عقل و حواس کی مدد سے جان سکتا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں یا ہم کہاں جا رہے ہیں گو یا موجودہ زندگی ایک ایسی کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے کھولی گئی ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی اور اثنی پھاڑ دئے گئے ہیں اور آخری اوراق بھی، ظاہر ہے کہ جس کی ابتداء بھی سامنے نہ ہو، اور انتہا بھی غائب ہو ہم اس کا صحیح مطلب کیا متعین کر سکتے ہیں اور اس اندھیرے میں جو قدم بھی اٹھائیں گے، نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صحیح قدم اٹھ رہا ہے یا غلط۔

”الہ رسول“ در حقیقت ہماری عقل اور ہمارے حواس کے ان ہی آخری حدود پر پہنچ کر ہمارا ہاتھ پکڑتے ہیں، اور ”مغیب“ کی جن باتوں کے جانے بغیر ہم اپنی موجودہ زندگی کی رفتار کا صحیح رخ متعین نہیں کر سکتے، ان ہی باتوں سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں جس کے بعد ہمارا حال، ہمارے ماضی اور مستقبل دونوں ہی کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ جہل کی تاریکیوں سے نکل کر ہم اچانک روشنی میں آجائے ہیں

یہی وجہ ہے کہ کسی دین و مذہب یا اسکے پیش کر نے والے رسولوں اور نبیوں کی طرف سے اسکا مطالعہ کبھی نہیں پیش ہوا کہ جن چیزوں کو ہم اپنی سمجھوں سے دیکھ رہے ہیں ان باتوں سے چھوڑ دے، ان باتوں سے سن رہے ہیں، یہاں تک کہ ہم جیکہ کہہ رہے ہیں، سو نگہ رہے ہیں، ان کو مانا جائے اور ان کو اپنا لایا جائے، یا آفتاب چمک رہا ہے، چاند چمک رہا ہے، ستارے چمک رہے ہیں، پانی چمک رہا ہے، یہی اسی قسم کے مشاہدات کا اقرار کرونا ہے جو کہ کسی دین یا مذہب میں نبی آدم کے لئے اس نوعیت کے مشاہدات تیار کرنے کیلئے مانے میں کبھی نہیں رکھے گئے۔

پھر کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت میں آجوالی باتوں ہی کو ہی نہ لگ کر موعائے تک تب تو ہم ٹھکانا سکتے ہیں، لیکن ہماری جانی ہوئی باتوں کے سوا وہ کچھ اور بتانا چاہتے ہیں، اور جن باتوں سے ہم جاب میں اٹنے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، تو ہم اپنے علم میں پیغمبر کے اس اضافہ کو کسی طرح شریک نہیں کر سکتے، الغرض ہم جو کچھ جانتے ہیں اس سے زیادہ جانتے ہو رہے ہیں کہ ہم آمادہ نہیں ہو سکتے، آپ ہی بتائیے کہ یہاں ان اصرار کے سوا ان کا یہ کیا اصرار اور کبھی کبھار کے وجود کا تو مقصد یہی ہے کہ عقل کو اس کی حد پر دوازے باہر کی چیزوں سے آگاہ کر کے شہادت کا بیج بکھیر دے، جس کا نام محسوس سے جانی جلی باتوں کا انجانی باتوں سے رشتہ قائم کر کے آدمی کے ماضی کا مستقبیل سے اور ابتداء کا انتہا سے جو تعلق ہے اسے واضح کر دیا جائے، لیکن عقلی حسی معلومات کے سوا جسکے اندر پیغمبر کے پیش کردہ جدید معلومات و انگشتافات کے مضمر کو بھی گناہی نہ ہو، وہ جو کچھ جانتا ہے اس سے زیادہ جانتے کی صلاحت ہی ہے اپنے آپ کو محسوس جانتا ہو، ان کو تاہم نصیبوں کے لئے پیغمبروں کی تعلیم میں اگر کوئی حصہ نہ ہو، تو اسکے سوا دوسری صورت ہی کیا ہے؟ نہیں ہوتی، لیکن ایک آدمی رسولؐ کی جواب پیغمبر کو قرآن میں ان لوگوں کے مطالبہ کے مقابل میں جو سکھایا گیا، قرآن کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ ”غیبی حقائق“ کو جیتا ”محسوس معلومات کے قالب میں نہ لے آؤ گے ہم تم پر ایمان نہیں لائے“ غور کرنا چاہیے اس کے سوا اور ان کو کیا جواب دیا جاتا کہ ان لوگوں نے نہ ”رسولؐ“ ہی کو سمجھا ہے، اور جس کام کیلئے رسولؐ بھیجے جاتے ہیں، نہ اسی کا واسطہ نہیں ان کے پاس ہے،

دنیا کا دستور بھی یہی ہے، کہ ناواقف کو نیچا غلام بنی کر لانا، خبروں، یا حوادثات و واقعات سے مطلع کرتا ہے جن سے وہ ناواقف ہوتا ہے، لیکن یہ بھی کیا کسی نے سنا ہے کہ بیمار کے پاس بیٹا می یہ خبر لیکر آیا ہو کہ تم بیمار ہو، اپنی علالت اور بیماری سے تو غریب بیمار خود ہی واقف ہے، پھر پیغمبر کے لئے اور مطلع کرنا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے، اسی طرح آفتاب موجود ہے، آگ روشن ہے، پانی بہتا ہے، ان باتوں کا پیغام تو ہماری آنکھ ہمارے اندر پہنچا ہی ہے، پھر ان ہی کے منوانے کے لئے پیغمبر یا رسولؐ کی کیا ضرورت ہے، احوال مذہب کے یہ کام لینا کہ معاشی ضرورتوں سے سہولت جن چیزوں سے پیدا ہوئی ہے، ان کے استعمال کے طریقوں کو مذہب بتائے اور سکھائے، یا مشاہدہ اور تجربہ کے حدود تک اپنی تعلیم کو مذہب محدود رکھے، کہنے کی حد تک مذہب کے متعلق فکر و نظر تنقید و اعتراض کے ان دونوں عنوانوں کو پیش کر کے اپنی ہدایت طرائقوں کی داد لینے والے کیوں نہ دادے رہے ہوں، لیکن اپنے احکام عسوف جنہیں مذہب کی روح سمجھی ہوئی ہے، ان کو جوالا کرتے ہوئے، قرآن مذہب کے متعلق قدیم مغالطوں کے ساتھ ان مغالطوں کا بھی راز واضح کر دیا ہے، جنہیں سمجھنے والے خواہ کچھ بھی سمجھتے ہوں، لیکن میں وہ بھی پراتی ہادی ذہنیاتوں کی پارسیہ پیدا و ایں طبیعت

کے خفقان کا دورہ جب آدمی کے دل دماغ پر چلے تو اسے اندر سے کسی قسم کو جکڑا بنے لگتے ہیں، بلکہ لادلی درجہ کے سیاسی اغراض کیلئے بھی مذہب کے استعمال کی نوعیت تقریباً وہی ہے جو حال ان لوگوں کا ہے جو مذہب کی کتاب و رمز پر یکے کے ساتھ ہوائی جہاز ریل ٹارنجن وغیرہ سیکھنا چاہتے ہیں، ایسے ہی ہے کہ نام نہاد روحانیت کو مذہب کا معیاری قالب مشہور کر کے ”دنیا گریز چھانٹ“ سے عوام کو بھروسہ بنا رہے تھے، ان کے مقابلہ میں قرآن ہار بار بار یہ اعلان ضرر کر رہا ہے کہ مخلوقات کا یہ سارا سلسلہ جو تمھارے سامنے ہے اس لئے نہیں جو کہ ان سے بھاگا جائے بلکہ تمھارے ہی لئے مکتو نفع پہنچانے کے لئے قدرت ان کو پیدا کیا ہے لیکن ایک غلط خیال کی تصحیح کیلئے قرآن کے اس اجمالی بیان کا یہ مطلب سمجھنا یا سمجھانا کہ دنیا کی ہر ہر چیز کے استعمال کا صحیح طریقہ کا بتانا، اور جن جن چیزوں کو کام لیا جاسکتا ہے اُنسے کام لینے کی تدبیریں سکھانی ہی قرآنی تعلیم کا حقیقی نصب العین ہے جیسے قرآن پر افتراء کی یہ ایک بدترین گندی مثال ہے، اسی طرح نبی آدم کی سیاسی بازی گریوں کو وسیعہ و سبک کر اور عزت و نام و نمود کے حاصل کرنے کا اور ان طریقہ اسی کو باکرہ مذہب کی طرف یہ منسوب کرنا کہ تنازع البقار کے میدان کا ایک کھلاڑی وہ بھی ہے بغاوت و گریہ مفاد، با صفت نام میں شریک کر کے نبی آدم کی کوئی ٹولی مذہب بھی بنا لیتا ہے اور اسی ٹولی کو باقی رکھنے کے لئے دنیا کی دوسری قوموں یا جمہوں کو ختم یا مغلوب کر کے رکھنا چاہتا ہے۔

لہذا کم جس مذہب کو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی طرف تو اس سیاسی ”لکھن جکڑ“ کو منسوب کرنا ٹری ویر دلی ہے قرآن نبی آدم کے ہر ہر فرد کے لئے پیغام ہے، وہ سب ہی کا ہی خواہ ہے، کسی قوم، با ٹولی یا جتنے کو فنا یا مغلوب کرنے کی نیت تو ٹری بات ہے، و انتہی یہ ہے کہ ہر شخص کو جو زمین کے اس کرے پر آدمی بن کر پیدا ہوا ہے ہر ایک کو قرآن راحت و مسرت کی ابدی زندگی میں حصہ دلانے پر اصرار کر رہا ہے جو مٹ رہے ہیں بھی خود مٹ رہے ہیں یا دوسروں کے ہاتھوں مٹاتے جا رہے ہیں، ان سب کو بقاء و دوام کی نعمت بخشنا چاہتا ہے۔ اور اس کی سیاسی جدوجہد بجاتے تنازع البقار کے ابقار یعنی دوسروں کو باقی رکھنے، کی اسی کوشش کا دوسرا نام ہے اسی جدوجہد کو جہاد بھی کہتے ہیں، جس کی ہمیشہ شرجوں، خود ساختہ مشروحوں نے غلط اندیشیوں کو عدا ہی جانتا ہے کہ اہام و خرافات کی کن وادیوں میں بھٹکا رکھا ہے دوسروں کو موت کے خطرے میں مبتلا کر کے اپنی یا اپنی ٹولی، اپنے جتنے کی زندگی کی ضمانت حاصل کرنی، جنگ اور دھوکا شمشکی کی ان درندگیوں کو بھلا اس پاک اور بلند نقطہ نظر سے کیا تعلق جو ہمیں دوسروں تک زندگی ابدی زندگی، دوامی راحت و آرام کی ابدی زندگی کے پیغام پہنچانے کی کوششوں میں حکم دیا گیا ہے کہ موت کا خطرہ بھی سامنے آجائے تو جو خوشی اس خطرے کو قبول کرنا چاہیے، یا کہنے کو کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں کی جھلانے اور زندہ کر نیکی کوششوں میں مرنا پڑے تو مر جانا چاہیے، اسلامی جہاد کی حقیقی روح یہی اور صرف یہی ہے، باقی اسلام کا نام لیکر دنیا کی ٹولیوں کے مقابلہ میں اپنی ٹولی کھڑی کر کے دوسروں کی موت سے اپنی اور اپنی اسی ٹولی کی زندگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ مسلمان نامی اپنے جتنے کیلئے رنگ دیوں، ٹھٹھا بات کے ساز و سامان کے حاصل کرنے میں کچھ دنوں کے لئے کامیاب بھی ہو جائیں لیکن اسلام کے آگے بڑھنے اور بڑھانے میں یقیناً وہ راہ کے روٹے بنے ہوئے ہیں۔

اتراعی نصب العینوں کی پیش کرنا والوں کا ہے۔ غنہ کران کے نصب العین کو قبل کر کے حکومت کی کھان ان کے ہاتھ نہیں ملے
 دیدی جلتے تو انسانی زندگی کا موجودہ اہلماں و عبوری دور اسی وقت فرد کی زندگی کا قالب اختیار کر لیا جو شرور اور برائیوں کے
 عناصر سے اس غامی زندگی کو لکھتے وہ پاک کر دیئے جھوٹ بولنے والوں کے منہ پر تو یہ جھوٹ گونہ بھبھی جاتا ہے لیکن تبلیغ کی شہادت
 کو جھٹلا کر اس مفروضہ کو اسلام کی طرف منسوب کرنا والوں کو شرم کیوں نہیں آتی، جب وہ بھی کچھ اسی قسم کے وعدوں اور وعیدوں
 سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں، بجائے انسانوں کے فرشتوں کوئی آدم کے گھراؤں میں نہ پہلے چلتے پھرتے
 پایا گیا ہے، اور نہ آئندہ پایا جائیگا، آسمان سے اتر کر جنت نہ پہلے کبھی زمین پر آئی ہے اور نہ آئندہ آئیگی، افساد اور فتنوں سے
 زندگی کا استعانی و اہلماں دور نہ پہلے کبھی خالی رہا ہے اور نہ آئندہ رہے گا ہاں ہر نیکی بعد آئندہ زندگی میں آدم کی اولاد اپنی کھوئی
 ہوئی جنت کو پالے، اس کے لئے جس علم اور اس کی ضرورت ہے، اسلام اسی کا داعی و فاشر، معلم و مبلغ ہے، اس کے سوا منسوب کرنا والے
 جن باتوں کو انکی طرف منسوب کر رہے ہیں، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی کتاب القرآن والا اسلام نہیں ہے بلکہ
 منسوب کرنا والوں کے دماغوں کا پیدا کردہ اسلام ہے، اور اپنے دعاوی و خیالات کے وہ خود ذمہ دار ہیں ان ہی کو جواب
 اس قسم کے سوالوں کا دینا چاہیے، کہ تیرہ چودھ صدیوں میں ہندوؤں سے کس سال کے سوا اپنے نصب العین کو عملی قالب عطا کرنے
 سے جو اسلام مسلسل محروم رہا کیا دنیا کے کامیاب مذاہب میں وہ شمار ہو سکتا ہے؟

سلسلہ تاریخ ملت بنی عربیہ مسلم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات
 صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید طبعیت جس
 میں اخلاق سرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب
 ماہر نقادری کا سلام۔ درگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے، کورس میں داخل ہونے کے لایق
 کتاب ہے۔ قیمت ۵۰۰، مجلد ۱۱۱، بقیہ حصص خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے، خلافت
 عباسیہ ہے، خلافت عباسیہ اول ہے، خلافت عباسیہ دوم ہے، تاریخ مصر ہے،
 خلافت عثمانیہ ہے

جوہری توانائی

(جناب مولوی محمد عبدالرحمن خان صاحب سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ صدر حیدر آباد اکادمی)

ابتداءً تاریخ سے انسان تو اسے فطرت کا راز معلوم کر کے نہ صرف اپنے آرام و آسائش کا سامان فراہم کرنا چاہتا ہے بلکہ اپنے بنی نوع پر تفوق قائم کر کے ان کو اپنا محکوم بنانے کی بھی کوشش کرتا ہے چونکہ اس کو عموماً اپنی طبیعت پر دسترس حاصل نہیں ہے اور نہ باوجود مذہب و انسانیت کی مسلسل تلقین کے وہ علی العموم اس قسم کا دسترس حاصل کرنے کا خواہشمند ہے اس لئے اس کو ہر وقت طاقت و توانائی کے بڑے سے بڑے اور جلد سے جلد اثر کرنے والے ذرائع کی ڈالنا تلاش رہتی ہے اس تلاش میں نہ صرف ایک منفرد انسان دوسرے منفرد انسان سے متصادم ہوتا ہے بلکہ ایک قوم دوسری قوم سے ٹکراتی ہے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بمصادق مشہور انگریزی کہاوت

(*Hell is paved in love and enmity*) محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے، ایک قوم دوسری قوم کو نیست و نابود کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتی ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگوں میں ہم نے دیکھا کہ جرمنوں اور ان کے ساتھیوں نے مرد و اخلاق کا کہاں شمار انسانیت و عقل سلیم تک کو ٹھکر کر ظلم و تشدد کا ہر جگہ طوفان برپا کر دیا۔

طبیعیات و کیمیا کے ماہرین کو ایک عرصہ سے جوہری انرجی توانائی کا انکشاف ہوتا آرہا تھا، آزاد و دفعاتی یافتہ ممالک کے تجربہ غلاموں میں کوشش کی جا رہی تھی کہ جوہری اس توانائی پر اقتدار حاصل کر کے اپنے ملک کی دولت و ثروت کو ممکنہ دست دی جائے اور مختلف اقوام کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کیا جائے، دوسری عالمگیر جنگ کے کچھ ایسی ہولناک صورت اختیار کی کہ تقریباً تمام دنیا کے ممالک سے کم از کم دس لاکھ سربراہانہ سائنس دانوں نے نازی و امریکی ظلم و تشدد کے خلاف اشتراک عمل کر کے جوہری انرجی توانائی پر باقاعدہ تر قابو پایا اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان اگر دیانت داری سے علی صرک کام کرے

تو مشکل سے مشکل مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے۔

اگرچہ اس کوشش میں جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے بعض چوٹی کی تحقیقات جرمنی ہی کے سائنسدانوں نے کی خوش قسمتی سے ان میں سے اکثر و بیشتر سائنس دان نازی حکومت کے نسلی امتیاز اور ظلم و تشدد سے تنگ آکر اپنی معلومات کے ذخائر اور جو کچھ بھی ساز و سامان اس تحقیق سے متعلق اٹھالیا جاسکتا تھا باندھ کر اپنے ساتھ انگلستان اور امریکہ کو لے گئے۔

ممالک متحدہ امریکہ میں اول اول اس جدید سائنس (نیوکلیئر فزکس یعنی مرکزہ کی طبیعیات) سے بخوبی واقف و خاص کی تعداد نسبت بہت کم ٹوڑی تھی اور بہر رشتہ جنگ اپنے قدیم بری و بحری لڑائیوں کے طریقے چھوڑ کر اس سائنس کے جدید اور غیر آزمودہ آلات حرب (جوہری بمب وغیرہ) کی تیاری پر بے شمار روپیہ صرف کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ آخر البرٹ آئنسٹائن (Albert Einstein) نیل بور (N. Bohr) ازیک فزمی (Enrico Fermi) وغیرہ جیسے ذی اثر سائنس دانوں کی ہمت و اصرار پر پریزیڈنٹ روزویلٹ (Roosevelt) نے حسب ضرورت روپیہ جمع کرنے کی اجازت دی۔

جوہری توانائی کا استعمال سمجھنے کے لئے جوہر کی ساخت سے متعلق چند اہم امور سے واقفیت ناگزیر ہے اس لئے ہم پہلے ان سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں دنیا کے تمام کام تبدیل و رجحان میں اسے میں کوئی جلد کوئی آہستہ، جوہر جو قدما کے قیاس میں اتنا چھوٹا تھا کہ اس کا توڑنا چھوٹا ناممکن تھا بالآخر اسی سو صدی کے آخری دس سال سے زبردست برقی قوتوں کے زیر اثر ٹوٹنے لگا اسی زمانہ سے طبیعیات کے چند انقلاب انگیز انکشافات اور نظریے شائع ہونے لگے۔ رٹگن (Rontgen) ۱۸۹۵ء میں کاشا میں دریافت کر کے دیئے گئے جراحی و طب کو قابل و فزونی فائدہ پہنچا دیا اس کے بعد جے جے تھامس (J.J. Thomson) نے عموماً ٹی وی ٹیوٹ کی برقی شعاعوں کا انکشاف کیا

Electron، یعنی برقی ذرے کے کھنڈے اور اس کے برقی بار و رکبت کی پیمائش کی جس سے جوہری طبیعیات کا ایک بنیادی سنگ بنیاد میں پیرس کے ہنری بیکل (Henri Becquerel) کو یورینیم کی تابکاری کا انکشاف

ہارا اور نئے ٹیبل کریمڈیم کیوری (Curie) اور رورڈ فرڈ (Rutherford) کے تجربوں سے ریڈیم اور اس کے تابکاری (α، β، γ) ذرات اور جہ (۷) شعاعوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔

بیسویں صدی کے آغاز پر میکس پلانک (Max Planck) نے نظریہ قدر بہ پیش کر کے قدیم طبیعیات کے اہم اصول میں ترمیمات نافذ کئے اور فرڈ نے ۱۹۱۱ء میں جوہر کے مرکزہ کا ابتدائی نظریہ شائع کیا۔ نیل بور نے ۱۹۱۳ء میں اس کی مدد سے طبعی خطوط کی توجیہ کی۔ ایف۔ ڈیوہالسین (F. D. Aston) نے ۱۹۱۳ء میں اپنے مہم کییتی طیف نگار کے ذریعہ جوہر کے متعدد ہجڑوں (Isotopes) کی کیتیں دریافت کیں [بجھا سے مراد ایک ہی جوہری عدد کے عنصر میں جن کا مقام مندرجہ ذیل (Mendeleev) کے جدول اعداد (Periodic Table) میں ایک ہی ہے اس لئے ان کے کیمیائی خواص بھی ایک ہی ہیں مگر جوہری کیتیں مختلف ہونے سے طبعی خواص کسی قدر مختلف ہیں۔]۔

ٹاکلسن اور مورے (Richardson and Morley) کے ۱۸۸۶ء کے تجربہ سے معلوم ہوا تھا کہ فوری رفتار بند میں کی حرکت کا اثر نہیں محسوس ہوتا تو اس کی تعبیر میں البرٹ آئنسٹائن نے ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۵ء اپنے انقلاب انگیز نتائج شائع کئے جن میں جوہر کی توانائی سے متعلق سب سے اہم کلیہ مادہ اور توانائی کا باہمی استمال ہے۔

اگرچہ ابتدائی صدی سے سائنسدان جانتے تھے کہ زمین پر ایک ایسے اشعاع کی بوجھاڑ چلی آ رہی ہے جس کا مقدار بیرونی فضا ہے اور جس کی وجہ سے کامل احاطہ کے باوجود برقیات کے چوتھے مجوزہ اشعار متبرقا جاتے ہیں ۱۹۱۱ء میں گوگل (Goebel) کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ یہ اشعاع کائناتی کہلانے کے قابل ہے اور بعد کو ظن غالب پیدا ہوا کہ وہ شاید کوکبی یا مین الکوکبی مادے کے توانائی میں تبدیل ہونے کا نتیجہ ہے۔

۱۹۱۹ء میں رورڈ فرڈ اور اس کے شاگردوں نے جوہر کے مرکزہ میں انتہائی تیز رفتار ذرات کو داخل کر کے مصنوعی طریقوں سے ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کرنا شروع کیا۔

۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۵ء تک لمبائی ڈے برولی (L. de Broglie) ہائزنبرگ (Heisenberg) ٹرمینالوگرا (Schrödinger) اور ڈیراک (Dirac) نے قہری میکانیات ایجاد کی اور اس کو کامیابی کے ساتھ مرکزہ کے پیچیدہ مسائل کی توجیہ میں استعمال کیا۔

[جوہری توانائی کاراز معلوم کرانے کے لئے فنی تفصیلات سے بچ کر صرف اتنا کہ دنیا مناسب ہے کہ حالیہ تصورات کے بموجب جوہر ایک مرکزہ پر مشتمل ہے (جس کا قطر سنتی میٹر کی دس لاکھویں کسر کی دس لاکھویں کسر ہے) اسکے گرد ایک تقریباً خالی فضا ہے جس کا قطر سنتی میٹر کا دس کروڑواں حصہ ہے۔ اس فضا کے اندر مرکزہ کے گرد منفی برقی بار کے برتنے (ایلیکٹرون) گھومتے ہیں۔ مرکزہ مثبت برقی بار کے پروٹونوں اور انبرقائے نیوٹرونوں سے بنا ہوتا ہے۔ پروٹونوں کی تعداد ایک صحیح عدد ہے، ہر ایک کا برقی بار بعد ۱/۱۶ مضروب دس بقوت منفی ۱۹ کولومب ہے۔ منڈلیف کے جدول ادوار میں عنصر کا جو نمبر یا مقام (یعنی جوہری عدد) ہوتا ہے مرکزہ میں اتنے ہی پروٹون ہوتے ہیں۔ نیوٹرون (انبرق یا ذرہ ہوتا ہے۔ اگر جوہر کا کمیٹی عدد (A) ہو تو مرکزہ کے نیوٹرونوں کی تعداد (A منفی ۱) ہوتی ہے۔ پروٹون کی کمیٹی ہیڈروجن کے مرکزہ کی کمیٹی ہے۔ نیوٹرون اس سے کچھ ہی زیادہ کمیٹ کا ہوتا ہے۔ ایلیکٹرون اس بقوت منفی برقی بار کا حامل ہوتا ہے جس قدر پروٹون مثبت برقی بار کا حامل ہے۔ مرکزہ کے گرد گھومنے والے ایلیکٹرونوں کی تعداد کو فکے پروٹونوں کی تعداد کے ٹھیک مساوی ہے۔ اس لئے طبعی حالت میں جوہر انبرق یا ہوتا ہے۔ ایک ہی کمیٹی یا عنصر کے جوہری عدد (جسے باہر کی مساوی ہوتے ہیں اور ایک ہی جوہری عدد کے عناصر کمیائی حیثیت سے مماثل ہوتے ہیں اگرچہ ممکن ہے کہ ان کے مرکزہ ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ مرکزہ کے گرد ایلیکٹرون مختلف نولوں میں مبین خواہ بطن تحت مترتب ہوتے ہیں۔

جملہ مستقل عناصر کی تعداد اس وقت ۹۲ ہے کہ کائنات کے ابتدائی زمانہ میں اس سے زائد ہو۔ ان کے کمیٹی اعداد ایک سے لیکر ۸۲ تک ہیں۔ مرکزہ کی کمیٹ ہمیشہ ایک اساسی اکائی کی تقریباً صحیح عددی ضلع ہوتی ہے۔ یہ اکائی ہیڈروجن کے مرکزہ یعنی پروٹون کی کمیٹ کے قریب قریب مساوی ہے۔ اس صحیح عدد کو کمیٹی عدد کہتے ہیں اور وہ باستانہ ہیڈروجن اور ایک شاذ و نادر بجائے ہیلیم (کمیٹی عدد ۳) کے ہمیشہ جوہری عدد کا کم

ازکم دو چند ہوتا ہے۔ چونکہ پروٹون کی کمیت کے قریب غریب مساوی ہے۔ اس صحیح عدد کو کمیتی عدد کہتے ہیں اور وہ باسٹنٹار ہیڈر وجن اور ایک شاذ ذرہ سہائے سلیم (کمیتی عدد ۳) کے ہمیتہ جوہری عدد کا کم از کم دو چند ہوتا ہے۔ چونکہ پروٹون کی کمیت الیکٹرون کی کمیت کا ۱۸۴۰ گنا ہوتی ہے اس لئے جوہری کمیت تقریباً تمام کی تمام اس کے مرکزہ ہی پر مجتمع ہے۔

فطری تابکار اشیاء سے ہماری ذرات اور جوشما میں مسلسل خود بخود خارج ہونے رہتے ہیں۔ اخراج کی مدتیں مختلف عناصر کے لئے مختلف دریافت ہوئی ہیں۔ یہ چند منٹوں سے لے کر کئی لاکھ برس تک دریافت ہوئی ہیں عموماً ان مدتوں کے نصف ہی معلوم کرتے جاتے ہیں اور وہ نصف عمر کی مدت کہلاتے ہیں۔

عذرہ کا جوہری عدد ۲۔ اور کمیتی عدد ۴ ہے۔ کسی مرکزہ سے جب وہ خارج ہوتا ہے تو عنصر کی کیمیائی نوعیت بدل جاتی ہے، کیونکہ اس کا جوہری عدد بقدر ۲۔ اور کمیتی عدد بقدر ۴ گھٹ جاتا ہے (B) ذرہ چونکہ الیکٹرون یعنی منفی برقی بار کی اکائی ہے اس کے اخراج سے مرکزہ کا مثبت برقی بار بقدر ایک اکائی بڑھ جاتا ہے اس لئے عنصر کے جوہری عدد میں بقدر اکائی اضافہ ہوتا ہے لیکن کمیتی عدد میں کوئی قابل ملاحظہ تبدیلی نہیں ہوتی جوشما میں لاشعاعوں کے مثال میں مگر طول موج ان سے بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ سرایت پذیر ہیں۔ باسٹنٹار چند، عموماً بڑے جوہری و کمیتی عدد ہی کے عناصر زہینہ تصویریم ریڈیم اور اکتینیم میں تابکاری فطرناً مشاہدہ ہوتی ہے ان کے مرکزہ بھی بہت پیچیدہ ساخت کے ہوتے ہیں۔

۱۹۱۹ء سے قبل کوئی شخص تابکاری کے فطری عمل میں دست اندازی نہ کر سکا اس سال روفرف

نے عملی طور پر ثابت کیا کہ نیرز رفتار بڑی توانائی کے عذرات سے جب کسی عنصر کے مرکزہ پر ضرب لگائی جاتی ہے تو اس عنصر کی نوعیت بدل جاتی ہے اور بعض اوقات اس میں عارضی تابکاری معنوی طور پر رونما ہوتی ہے۔ یہ ذرات سے مرکزہ کے اندر مداخلت کر کے اس کے شکست و ترمیم کی یہ پہلی مثال ہے چنانچہ مسجد اور سنسنی خیز تجربوں کے روفرف نے نیٹروجن کے چند خواہر کوہ ذرات یعنی ہیلیم مرکزوں سے بمباری کر کے آکسیجن کے ایک کباب (کمیتی عدد ۱۷) اور ہیڈر وجن کے مرکزہ میں

بدلیا۔ گویا ایک طرح سے قرون وسطی کے مایوس کیمیا گروں کی امید برلائی اور ایک عنصر کو ایک دوسرے عنصر میں (خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قليل ہو، اور نوعیت میں سونا چاندی نہ ہو) تبدیل کر دیا۔ سبڈوجن کامرک (پروٹون *meson*) اگرچہ نظری نا بکاری میں کسی عنصر سے خارج نہیں ہوتا لیکن یہ تجربہ بتاتا ہے کہ وہ جوہر کے مرکزہ میں سے مناسب زرد کو ب کے ذریعہ ہٹا دیا جاسکتا ہے۔ جوہر کے مرکزہ کی زرد کو ب یوں نوع (۴) ذرات اور پروٹونوں کے ذریعہ مختلف تجربوں میں کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ ان ذرات پر مثبت برقی بار ہوتا ہے جوہر کے مرکزہ کے اندر ان کو داخل کرنے کے لئے ان کو ابتداء بہت بڑی توانائی دینی پڑتی ہے حالہ اصطلاح میں ان کو کئی ملین ایکٹروں دوت توانائی کا حامل بنانا پڑتا ہے پس ہم وہ جدول اور عناصر کے ابتدائی (یعنی چھوٹے جوہری اور کمیتی اعداد ہی کے) عنصر کے جوہر کے اندر داخل ہو سکتے ہیں بڑی کمیت والے جوہر کے اندر داخل نہیں کئے جاسکتے اس مقصد کے لئے نیوٹرون (*neutron*) ذرات جن پر کسی قسم کا مثبت یا منفی برقی بار نہیں ہوتا بہت کارآمد ہیں۔ چونکہ جوہر کی توانائی پر دسترس حاصل کرنے میں نیوٹرون کا استعمال ناگزیر ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے ہم اس ذرہ کے انکشاف کے واقعات کسی حد تفصیل کے ساتھ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں جرمنی میں ڈبلیو بکے اور ایچ بکر (*Bothe - Becker*) نے دریافت کیا کہ جب پولونیم کے بڑی توانائی والے فطری عد ذرات بعض کم کمیت کے جوہروں (خصوصاً یورینیم، یورون یا لیتھیم) پر گراتے جاتے ہیں تو بڑے سے بڑے سرایت پذیر جہ (یعنی گاما) اشعاع سے بھی زیادہ سرایت کرنے والا "اشعاع" رد ہوتا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں پیرس میں آرن کوری (*Curie*) اور لائیو لیو (محمہ صحت) نے معلوم کیا کہ جب یہ نام نہاد "اشعاع" پرافین یا سبڈوجن کے کسی مرکب سے ٹکراتا ہے تو اس سے بہت بڑی توانائی کے پروٹون برآمد ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ گاما اشعاع کی کوئی قسم نہیں ہو سکتی۔ بالآخر جیمز چڈوک نے اسی سال کچھ دوڑوں بعد ثابت کیا کہ یہ نئی چیز اسہر قاتے ذرات پر مشتمل ہے اس لئے اس کا نام نیوٹرون رکھا گیا اس پر برقی یا مقناطیسی میدانوں کا کوئی اثر نہیں۔ مرکزہ کی تعمیر میں نیوٹرون کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ مرکزہ محض پروٹون اور نیوٹرون کے ارتباط سے تیار ہوتا ہے۔ پروٹون اپنے

مثبت برقی بار کی وجہ سے ایک دوسرے کو کولومب کے کثیف کے بموجب دفع کرتے ہیں ان کو بانڈھے رکھنے کے لئے ایک قوت انجذاب کی ضرورت ہے جو مرکزہ کی انتہائی محدود اندرونی فضا میں قہس فاصلوں ہی تک عمل کرنے کے لئے درکار ہے ابھی اس قوت کے متعلق کوئی مستقل قیاس آرائی نہیں ہو سکی سمجھا جاتا ہے کہ مرکزہ کے اندر نیوٹرون کا وجود اس ضرورت کو کسی طرح پورا کرتا ہے۔ صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان اندرونی و انتہائی قوتوں کے زیر اثر پروٹونوں اور نیوٹرونوں کی صرف محدود سے چند ترکیبیں قیام پذیر ہیں۔ اگر ان ہر دو ذرات کی تعداد قہس ہے تو مرکزہ قیام پذیر ہوتا ہے جبکہ ان کی تعداد تقریباً مساوی ہوتی ہے لیکن بھاری کمیت کے جوہر کا مرکزہ قیام پذیر ہونے کے لئے نیوٹرونوں کی تعداد نسبت زیادہ ہونی چاہئے۔

یہ یاد رہے کہ نیوٹرون شاید بین الکوہی فضا میں کائناتی شعاعوں کی طرح پیدا ہوتے ہوں اور وہی سے زمین پر آتے ہوں۔ زمین پر ان کے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ مرکزہ کی شکست و ریخت ہے۔ ان پر قابو حاصل کرنے اور ان کی توانائی کو گھٹانے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ مرکزہ ہی کو ان کے سدراہ بنا کر ان سے ٹکرایا جائے نیوٹرون اپنی بڑی سرایت پذیری کی وجہ سے بہت ہی غیر قیام پذیر ہوتے ہیں کسی مرکزہ میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے اندر رہ جاتے ہیں اور پروٹون یا عذرہ کو خارج کرتے ہیں بالآخر شعاعوں کی شکل میں اپنی توانائی منتشر کرتے ہیں۔ آزاد نیوٹرون آدھ گھنٹہ سے زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتے معمولی ایکسٹرن اور پروٹون میں بدل جاتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں مرکزی طبیعیات سے متعلق دو اور محققان انکشافات ہوئے ایک پروٹرون ہے جس کو سی ڈی ایبلڈسن (A. J. A. S. D. S.) نے دریافت کیا جو ایکٹرون کے مساوی کمیت اور مساوی مثبت برقی بار رکھتا ہے وہ فطری تابکار اشیا سے نہیں بلکہ مصنوعی تابکار اشیا سے خارج ہوتا ہے۔ دوسرا انکشاف بھاری ہیڈروجن کا وجود ہے جو فطری ہیڈروجن میں بقدر $\frac{1}{5000}$ موجود ہے۔ ایچ۔ سی۔ یوری (H. C. Urey) اور اس کے رفقاء نے اس کا پتہ چلایا۔ اس کا کمیتی عدد ۲ ہے۔ اس کی اہمیت کے منظر اس کو ایک خاص نام یعنی ڈیوٹیریم (Deuterium) دیا گیا ہے اس کا مرکزہ ڈیوٹرون (Deuteron) کہلاتا ہے مرکزہ کے شکست و ریخت میں اس سے بہت کام لیا جا رہا ہے۔ مثال کے طور پر نیوٹرون کی تیاری میں وہ

بے حد مفید ہے۔ جب ایک ڈیوٹرڈن دوسرے ڈیوٹرڈن سے متوسط رفتار کے ساتھ ٹکراتا ہے تو سلیم کا ایک نادر سمجھا (کمیتی عدد ۳) اور ایک نیوٹرڈن برآمد ہوتا ہے ٹکرائے سے قبل بجائے کئی ملین ایکلوٹرون دولت توانائی کے صرف ۲۰ ہزار کافی ہے۔ جوہری بمب کی تیاری میں غالباً اسی طریق سے نیوٹرڈن حاصل کئے گئے۔ ڈیوٹرڈن زیادہ تر بھاری بائی کی برق پاشی سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ پیرس سے ایک ممتاز فرانسیسی سائنسدان جرمین تسلط کے وقت جب فرار ہو رہے تو جتنا بھی ذخیرہ بھاری پانی کا موجود تھا اپنے ساتھ لے گیا۔ اور کبھی دو قسم کے ذرات دریافت ہوئے ہیں۔ ایک نیوٹرڈن ($Meutron$) ہے جس کی کمیت ایکلوٹرون کے مساوی ہے لیکن اس پر کوئی برقی بار نہیں۔ دوسرا میسونیوٹرڈن ($Meoson$) ہے جس کی کمیت ۱۸۰ اکائیاں اور برقی بار منفی ایکلوٹرون یا مثبت پوزیٹرون کا ہے اس بحث میں ان کی جہاں مزدورت نہیں۔ چونکہ پروٹونوں کی تعداد ۷۔ اور نیوٹرونوں کی تعداد (۸) منفی (۷) ہے اس لئے جہاں ادوار کے آخری عنصر یورینیم کے مرکزہ میں پروٹونوں کی تعداد ۹۲۔ اور نیوٹرونوں کی تعداد (۲۳۸-۹۲) یعنی ۱۴۶ ہے۔ ساتھ ہی ہم نے دیکھا کہ اس حصہ کے چار عناصر تابکار ہونے کی وجہ سے ان کا مرکزہ غیر قیام پذیر ہے۔

جب کوئی مرکزہ اس کے اندر ایک ذرات نیوٹرون یا پروٹون کے داخل کئے جانے سے غیر قیام پذیر ہو جاتا ہے تو اس میں تغیر تبدیل ہو کر باقیہ خفیم پذیر ہو کر آتی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اس تغیر تبدیل میں پروٹون یا نیوٹرون خارج نہیں ہوتے بلکہ پوزیٹرون یا ایکلوٹرون باہر نکل آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزہ کے اندر پروٹون بھوٹ کر نیوٹرون اور پوزیٹرون بنتا ہے یا نیوٹرون بھوٹ کر پروٹون اور ایکلوٹرون بنتا ہے۔ یہ کیفیت کمیتی عدد تقریباً وہی رہتا ہے جو ذرہ کے داخل ہونے سے صورت پذیر ہوا، صرف ہلکا ذرہ خارج ہو کر جوہری مادہ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اب تک مختلف عناصر کے قیام پذیر ہونے کی تعداد ڈھائی سو تک پہنچ گئی ہے۔

۱۹۳۷ء میں کیوری اور جولین نے یورون، میگنسیئم، اور الوینیئم کے مرکزوں کو ذرات غنیہ پیدا کر کے ان میں مصنوعی تابکاری پیدا کرانی کیمیاوی ختم ہونے پر بھی کچھ عرصہ تک ان سے پوزیٹرون خارج ہونے

رہے ان کی نصف عمر میں بھی دریافت کی گئیں جو علی الترتیب ۴ منٹ، ۵ منٹ اور ۲۵ منٹ ۳۳ تھیں۔
 ایسے کچھ فرمی نے نیوٹرون سے مرکزوں کی کمپاری کر کے ایسے کئی عارضی تابکار مرکزے تیار کئے
 بلکہ آگے چل کر ۹۲ سے نائڈ جو سری عدد کے عارضی عناصر کی تیاری کا امکان بھی ثابت کیا اس طرح اب کئی
 ۵۰۰ غیر نایم پذیر مصنوعی تابکار مرکزے دریافت ہو چکے ہیں جو نہ صرف جوہر کی توانائی کے استعمال میں
 کارآمد ہو رہے ہیں بلکہ توحہ ہے کہ بعض سابقہ ناقابل علاج بیماریوں کے علاج میں بھی مفید ثابت ہونگے۔
 کمیت کی توانائی میں تبدیل ہونے کا تجربی ثبوت بڑی آسانی سے ملتا ہے۔ ہیلیم کا مرکزہ (یعنی عدد ۲)
 جس کا جوہری عدد ۲ اور کمیتی عدد ۴ ہے دو پروٹونوں اور دو نیوٹرونوں کا مرکب ہے۔ حالیہ دقیق پیمائشوں
 سے پتہ چلا ہے۔ کہ پروٹون کی کمیت ۱.۰۰۷۰۵۸ اکائی ہے اور نیوٹرون کی ۱.۰۰۸۶۶ اکائی ہے لیکن ہیلیم کے مرکزہ کی کمیت جب
 براہ راست دریافت کی جاتی ہے تو ۱.۰۰۷۸۰۰ اکائیاں برآمد ہوتی ہیں جس سے ظاہر ہے کہ مرکزہ کی اس
 تعمیر میں (۳.۰۲) اکائی کی کمی واقع ہوئی اگر آئنسٹائن کے کلیہ کے بموجب اس قلیل مقدار کو رفتار نور کے
 مربع سے ضرب دیا جائے تو تقریباً ۴.۴۴ منسوب ۱۰ بقوت منفی پانچ ارگ توانائی فی مرکزہ حاصل ہوتی ہے
 پس ہیلیم کے گرام سالر کی تعمیر سے ۴.۴۴ منسوب ۱۰ بقوت ۱۹ ارگ توانائی برآمد ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر
 پروٹون نیوٹرون اجزاء کو ترکیب دے کر ایک گرام ہیلیم بنانے سے ۱۹ ہزار کلو واٹ ساعت توانائی حاصل
 ہو سکتی ہے جو ایک کثیر مقدار ہے۔

چونکہ مشاہدات فکلی اور تابکار اشعار کے ٹکسری شرح سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ کائنات کو موجودہ
 صورت اختیار کئے ہوئے کوئی ۳ ہزار ملین سال ہونے میں اگر اس عرض مدت میں ہمارا آفتاب اور سارا
 کوئی نظام حالیہ شرح سے چمک رہے ہوں تو ان کی ابتدائی توانائی کبھی کے ختم ہو جاتی اور وہ سب کے
 سب بج جاتے۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے لازمی ہے کہ ان کے اندر ایسے محرکات عمل کر رہے
 ہوں جن سے خرچ شدہ توانائی کی خود بخود تلافی ہو جاتی ہے۔ اس کا واحد مؤثر طبیعی ہی ہو سکتا ہے
 کہ مادے کی مناسب مقدار توانائی میں مسلسل تبدیل ہوتی جائے۔

ہیڈروجن گیس کو ایوانائٹرک کے یعنی اسکا ایکٹوٹن علیحدہ کر کے ہوائیات کو بلند قوتہ کے ٹرانسفارمر کر می فائر (Transformer or Resistor) (مبدل نقطہ) میں اسراع دلائے کافی بلند توانائی کے پروٹون پیدا جاسکتے ہیں۔ اسی طرح ڈیوٹیریم استعمال کر کے اعلیٰ توانائی کے ڈیوٹرون یا ہیلیم سے عذرات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس سے بھی بلند توانائی مطلوب ہو تو ان ردائات کو ساکھوٹرون یا فان ڈی گراف کے آئیں اسراع دلا سکے ہیں۔ بے زیادہ موثر طریقہ اعلیٰ توانائی کے نیٹرون استعمال کرنے سے دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے لئے بیرٹیم یا یورون کی فطری صفات سے بہاری کی جاتی ہے۔ سب سے عام ذریعہ نیوٹرون میا کوئے کارڈیم اور پیم کا آمیزہ ہے جس میں ریڈیم اور اس کے ٹکسہ کی پیداوار سے حاصل شدہ عذرات بیرٹیم کے مرکزہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر نیوٹرون کی ہٹل مطلوب ہو تو ڈیوٹیریم کی ریزو کو اسراع دے کر بھاری پانی کی برف سے ٹکرایا جاتا ہے نیز فٹو نیوٹرون اس برف کے ڈیوٹیرون سے ٹکرا کر نیوٹرون اور ہیلیم کے مرکزے تیار کرتے ہیں اس نوع کے کوئی نصف مدہ جن اور طریقے میں جن میں ڈیوٹیریم لتیم بیرٹیم یا یورون کو نشانہ بنایا جاتا ہے ان سب تعاملات میں مجموعی کیمیائی عدد اور مجموعی برقی بار کا عدد غیر متبدل رہتا ہے۔

کسی تعامل کو کامیاب طریقہ پر مسلسل جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عامل اشیاء جیسے جیسے کلم پر لگ کر ختم ہوتے جاتے ہیں تقریباً اسی طرح ویسے ہی دوسرے عامل اشیاء خود اس تعامل سے پیدا ہوتے جائیں اور سلسلہ عمل کو جاری رکھیں جیسے آگ سلگائی جاتی ہے تو آگ لکڑی کے ایک حصہ کو جلاتی ہے اس کی حرارت ہارڈ کے دوسرے حصوں کو مشتعل کرتی ہے اور اس طرح پوری لکڑی جل جاتی ہے۔ مرکزہ کے تعاملات میں بھی اگر نیوٹرون عمل کرتے ہیں تو ابتدائی نیوٹرون مرکزہ کے اندر داخل ہو کر اپنے جیسے دوسرے متعدد نیوٹرون تیار کریں تو تعامل کا تسلسل قائم رہ سکے گا۔

اس طریقہ کار کو سلسلہ یا زنجیرہ تعامل کہتے ہیں جو ہری برب کی تعمیر اور جوہر سے توانائی حاصل کرنے کے جملہ کاروبار میں زنجیرہ تعامل ناگزیر ہے۔

اب ہم یورینیم کے مرکزہ کے چٹنے کا سیرت انگیز اور انقلاب آفریں انکشاف بیان کریں گے جو ہری توانائی کے عملی استعمال کا سنگ بنیاد ہے اور اہل جنوری ۱۹۳۵ء میں مشہور جرمن کیمیائی ماہر ڈوہان (Otto Hahn)

(۱) نے برلن میں ایک تجربہ کیا جس میں یورینیم کی نوٹرون کے ذریعہ بیماری کی لگتی معلوم ہوا یہیم کا ایک ہمایہ پیدا ہوا جس کا جوہری عدد ۵۶ ہے۔ پس دوسرے جزو کا جوہری عدد ۳۶ ہوگا جو کربن ۱۲ گیس سے متعلق ہے۔ ۱۱ آئی کیوری (I. Curie) اور سادوج (Savile) نے بھی یہی تجربہ سپریم میں کیا لیکن جوئی شے پیدا ہوئی قلیل مقدار میں ہونے کی وجہ سے وہ اس کی صیغہ شناخت نہ کر سکے اور خیال کیا ایکٹینم کی سی تابکاری اور بین تھاملا (Lanthanum) کے مشابہ کوئی شے رونما ہوتی ہے۔

ان محصلہ جواہر کے مرکوزوں کی مجموعی کمیت ابتدائی یورینیم کی کمیت سے بقدر ۱۱۰ کٹر ہائی گئی چونکہ یورینیم کا کمیتی عدد ۲۳۸ ہے یہ ایک نسبتہ بڑی مقدار مادہ ہے جو اچانک توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک گرام یورینیم چھٹ جانے سے ۲۵ ٹن پتھر کا کونڈ جلنے کی توانائی خارج ہوتی ہے۔ یہ ایک گزے مضلوں کے یورینیم اکسائیڈ کا کعب لیکر اسکے یورینیم کے مرکوزوں کو اس طرح بھاڑا جائے تو ۲ ملین ٹن کر لے کے جلنے کی توانائی حاصل ہو سکتی ہے۔

اسی زمانہ میں ریل یورینیم یوگن سے یو جزی (امالک متحدہ امریکہ) جارہا تھا اس انکشاف کی ایک اطلاع ملی تو اس نے اس موضوع پر ایئر کورفری (E. Fermi) سے ویلر (A. Wheeler) وغیرہ سے واشنگٹن ڈی سی کے نظری طبیعیات کی کانفرنس میں مشورہ کیا اور اس مسئلہ پر سب آہٹ رسالوں (فریکل ریویو وغیرہ) میں تقریریں مضمین شائع ہوئے۔ بالآخر حکومت امریکہ نے جیسا کہ ابتدائے ذکر کیا گیا ہے یورینیم کو بھاڑ کر توانائی حاصل کر سیکھا مصمم غم کر لیا کئی سائنٹفک بورڈ قائم کئے گئے نیشنل ڈیفنس ریسرچ کمیٹی موسوم بنام (N. S. R. C.) (ایر صدارت و اینوائٹس) (N. S. R. C.) اور پھر آف سائنٹفک ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ (O. S. R. D.) قائم کئے گئے اور نہایت منظم طریقہ پر متعدد پروگرام جنس کے تحت خاص خاص امور کی تحقیقات شروع کر دی گئی۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے پیسہ کا تھا۔ امریکہ میں ڈالروں کی کیا کمی تھی جنگ جلد جیت جانے کا شوق روپیہ کا پانی کی طرح بہا نازی تشدد سے بھاگ کر جرمن وطن کے یہودی نژاد اہران سائنس پر فیسراوٹ بان ،

لیزے ماسٹر (Lizy Master) ، اسکی دیرینہ شریک کار (اور آفریش) ۵۰۰ R. E. وغیرہ متعدد انگریزی اور پھرام کی تجربہ خانوں میں (جیسے کولمبیا پرنسٹن، کیلیفورنیا وغیرہ کی جامعات کے) اور ٹکنالوجی کے اداروں میں جوہری بمب کی تیاری کے مختلف مسائل پر پورے انہماک کے ساتھ میٹڈاز میں کام کرنے لگے۔ اس اشار میں نیل بور بھی وہاں بھاگ کر آیا اور ڈی فرست سے معلوم کیا کہ یورینیم کا جو مرکزہ پھٹتا ہے اسکی جوہری کمیت ۲۳۵ ہے اور معمولی یورینیم (جوہری کمیت ۲۳۸) کا ایک مہجانبہ جو ہتھیار ایک فی ۱۴۰ کی مقدار میں اسکے ساتھ فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ پہلے اس مہجانبہ کو خاص حالت میں علیحدہ کرنے کی ضرورت دای ہوئی کیسبائی ذرائع سے تو مہجانبہ علیحدہ نہیں کئے جاسکتے تھے اسلئے طبیعی ذرائع یعنی حراری نفوذ گیس نفوذ کے طریقوں یا سنڈری فیوج اور برقی مقناطیسی آلات کی وساطت سے عیس ممکن تھا اور مختلف اشخاص نے ان کو آزمائ کر دیکھا سب سے زیادہ کامیاب اور زود اثر طریقہ حراری نفوذ کا ثابت ہوا (کلوپوس (classmate) نامی ایک جرمن سائنسدان نے تھوڑے ہی دنوں قبل ایجاد کیا تھا۔ بریں ہم ابتدا میں صرف چند میکرو گرام کی مقدار ہی میں یہ مہجانبہ دستیاب ہو سکا۔

پھر اس یورینیم (۲۳۵) کو لوٹ سے پاک حالت میں جمع کیا گیا اور کافی دیر تک نیوٹرونوں کا مسلسل تعامل جاری رکھنے کیلئے گریفاٹ کو بطور مقدار استعمال کرنے پر غور کیا گیا بالآخر معلوم ہوا کہ یورینیم کے ڈبل کو گریفاٹ سے ہر مناسب ایجاد کا کذا بنا یا جاتا ہے تو نیوٹرونوں کا تسلسل جاری رہتا ہے اور ان سے یورینیم کے مرکزے بھی بخوبی پھٹنے میں آتے تحقیقات میں انگلستان کے سائنس دانوں نے بھی امریکی اور دیگر ملک کے ترک وطن کئے ہوئے محققین کا ہاتھ تباہ کیا کنڈیڈا لوں کی سرگریٹ بیرلیک (Great Bear Lake) وغیرہ کے علاقوں کے یورینیم آگسٹل کے معادن کی وجہ سے تازہ رہتی پھر بھی معلوم کرنا تھا کہ جوہری بمب کے قیدی دشمن کو انتہائی نقصان پہنچانے کے لئے اس کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا وزن کیا ہونا چاہئے جب یہ تمام سرطے طے ہو چکے تو کیلیفورنیا سنڈی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے پروفیسر نظری طبیعیات ڈاکٹر اوپن ہائمر (Glynn H. H. H.) کے زیر ہدایت

نیو میکیکو کے صحرائیں ایک بلند فولادی مینار پر دہشت (Robot) یعنی انسان ماشین کے ذریعہ
 بسب کو بچھنے لیا۔ اس سے جو سنسنی خیز حالات رونما ہوئے دنیا کے تمام اخبارات میں ان کی تفصیل
 درج ہے۔ ہر ٹرک کا کھاد ہی ان سے بخوبی واقف ہے مینار تجارین کو اڑ گیا اور سارا صحرا روشن
 ہو گیا یہ پہلا اور آئندہ انسانی بمب تھا دوسرے دو بمب جاپان کے دو بڑے اور آباد شہروں ہیرو شیمبا
 (Hiroshima) اور ناگاساکی (Nagasaki) پر بندی سے گرائے گئے۔ اس سے جان و مال کا
 جو نقصان ہوا اس کی بھی تھوڑی بہت تفصیل اخباروں کے ذریعہ معلوم ہو چکی ہے۔ جوہری بمب کے
 پھٹنے سے پسینہ ہی آتش زدگی اور تباہی پیدا ہوتی ہے جو آفتاب کے مرکزی حصہ سے اچانک ایک بڑا
 ٹکڑا زمین پر گرنے سے ہو سکتی ہے۔ اس سے مگر حرارت کی تپش ۲۰ ملین درجہ سنٹی سے بھی تجاوز ہوتی ہے
 اس تیز نگ میں ہر چیز تجارین کو اڑ جاتی ہے۔ زمین کے کرہ ہوائی کاکی ملین گنا دباؤ ان کی آن میں محسوس
 ہوتا ہے جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے شہر اور اس کے دور دور کے اطراف و کنارے کی تمام عمارتیں
 درخت وغیرہ بھونس اور گرد کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہاں کی زمین تابکار اشیا سے زہر
 آلود ہو جاتی ہے۔ جو ذہنوں اور ہوا میں اٹھتا ہے بڑی سرعت کے ساتھ تھوڑی ہی دیر میں چالیس پچاس
 ہزار انٹ بلند ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر حاضی مگر خطرناک تابکار گیسیں ہوتی ہیں جو تمام بالائی فضا میں پھیل
 جاتی ہیں۔

اگرچہ ان کا بیشتر اثر کچھ دنوں بعد زائل ہوتا ہے تاہم حیوانات و نباتات کے اندر ردنی نمازک
 حصص خصوصاً تولیدی اور نشوونما کے نظام کو جو ضرر پہنچتا ہے اسکا ٹھیکہ تہہ پہلانا سراسر مستحکم
 نہیں۔ نقصان کی تلافی کی تدابیر معلوم کرنا تو اور بھی مشکل ہے محققین ان تمام امور کی اہمیت سے آگاہ
 ہو رہے ہیں اور حتی الامکان ان کے ردک تمام کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے
 کہ کچھ کسی آباد مقام پر جوہری بمب کے گرنے کا موقع پیدا نہ ہو۔ یکم جولائی ۱۹۴۶ء کو اور اسکے چند ہی روز
 بعد بحر الکاہل کے ہائیمینی ہائیڈل (Bathini Atoll) کے پاس سمندر پر جو بھٹا اور
 باپانوں جوہری بمب گویا گراں کا کبھی کبھر ذکر اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ ان کے ہولناک نتائج

کی سائنٹفک تشریح کا ہنوز انتظار ہے۔

انسان کو جوہری توانائی پر ابھی اتنا قائلو حاصل نہیں ہوا ہے کہ اسکو باآسانی روزمرہ کے مفید صنعتی کاروبار میں استعمال کیا جائے۔ البتہ اس سے جو انتہا درجہ بڑی حرارت پیدا ہوتی ہے اسکو محفوظ طریقہ پر بتدریج کام میں لانا ممکن نظر آتا ہے۔ یورینیم کے مرکزہ کو جب داسٹن اور کولمبیا کے تجربہ خانوں میں بھڑا اجارا ہوا تھا اس سے خارج ہونیوالی حرارت کو کولمبیا زنی میں منتشر کرنا پڑا۔ ندی کا پانی بھی خطرناک سرعت کے ساتھ گرم ہونے لگا۔ ایسر قائلو حاصل کرنے کے لئے آپاشی کے بڑے سے بڑے پیمانہ کے تصفیعات استعمال کرنے پڑے۔

بعض تجربوں میں یورینیم کے مرکزہ کو بھڑا کر (۲۳۹) یعنی جوہری کمیت ۲۳۹ والا عنصر بھی بنایا جاسکا۔ اس سے ایک ایکٹرون خارج ہونے پر جوہری عدد ۹۴ اور کمیتی عدد ۲۳۹ کا ایک بالکل جدید عنصر جو تاحال زمین پر پیدا ہوا تھا یا کم از کم موجود نہ تھا تیار ہوا۔ اسکا نام پلوٹونیم (Plutonium) رکھا گیا۔ اس سے مزید ایک ایکٹرون اٹل جا کر ایک دوسرا نیا عنصر پلوٹونیم (Plutonium) (جوہری عدد ۹۴ اور کمیتی عدد ۲۳۹) حاصل ہوتا ہے۔ یہ عنصر بھی جوہری بمب کی تیاری میں استعمال ہوا اور ہر رہا ہے۔

جوہری توانائی پر انسان کا تسلط اگرچہ دنیا کے سائنس کے سربراہ اور محققین اور ماہران فن انجینیری و صنعت گری کے اشتراک عمل کی شاندار اور بے نظیر مثال ہے۔ ساتھ ہی وہ ایک انتہا درجہ خطرناک مسئلہ بھی ہے۔ اگر تمدن اقوام ضبط و تحمل اور حقیقی انسانی رواداری سے کام نہ لیں تو اندیشہ ہے کہ تہذیب و تمدن انسان کی نسل خود دنیائے مٹ جائے۔ روئے زمین کے تمام سربراہ اور ماہران سائنس اور ذمہ دار سیاس اس خطرہ سے بخوبی واقف ہیں اور انہما اردن اور سائنٹفک جہاند کے مطالبہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ نہایت تردد و اضطراب کے ساتھ اسکے صحیح استعمال پر نگراں رکھنے سے متعلق قواعد و ضوابط کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یورینیم کے معدن بہت جگہ دریافت ہوئے ہیں جنگ سے پہلے ایک پونڈ یورینیم آکسائیڈ کی قیمت تین ڈالرتھی اور ایک ٹن پتھر کے کوئلہ کی بھی یہی قیمت کسی عمو

ادرا الٹیم کے کپڑے صحت بھی زمین پر جاسجاء دستیاب ہوتے ہیں ان تابکار انیاء سے بھی جوہری توانائی حاصل کرنا بعید از قیاس نہیں۔

کیا عجب کہ آگے چل کر سائنٹفک تحقیق اس قدر ترقی کر جائے کہ ایسے معاملات بھی دریافت ہوں جن سے مادہ کی ایک بیہوشی کسر کے بجائے اس کا مستند حصہ توانائی میں تبدیل ہو جائے یا کوئنٹراٹین (*Contra-Terrene*) مادہ کی ترتیب کا نسخہ ہاتھ آجائے جس کے جوہر مرکزوں پر بجائے پردھون کے ان کے مائل مرکز متقی بار کے ذرات اور نیوٹرون ہوں اور طراف کے خولوں پر ایکٹروں کے عوض نیوٹرون ہوں۔ ایسا مادہ اگر ہماری دنیا کے کسی بھی موجودہ مادے سے (خواہ وہ ہوا کے ذرات ہی کیوں نہ ہوں) تناسل کر جائے تو ان کی ان میں سارے کا سارا مادہ توانائی میں تبدیل ہو کر زبردست جوہری مہم کی موت پیدا کر سکتا ہے۔

اگر کوئنٹراٹین مادہ کائنات کے کسی پوشیدہ حصہ میں موجود ہے تو دنیا کا عدم سے وجود میں آنا بھی ایک طرح سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اس لئے کہ موجودہ ہماری معلوم دنیا کا مادہ اور یہ دونوں مل کر مادہ صفر بن جاتا ہے گر توانائی ہی توانائی رہ جاتی ہے زمین کے بعض مقامات پر ٹکٹائیسٹ (*Tektite*) ڈارون (*Darwin*) گلاس اور سلیکا (*Silica*) گلاس بڑی مقدار میں دریافت ہوئے ہیں جن کی توجیہ معمولی میٹورائٹس کے گرنے سے نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں لوہے کا شائبہ بھی نہیں ہے اس فن کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ چیزیں شاید کوئنٹراٹین میٹورائٹس کے تصادم سے پیدا ہوئیں بہرہوشیادہ ناگاساکی کنٹرویز میں اگر اس قسم کے گلاس کا پتہ چل جائے تو ان کی پیدائش کا راز شاید منکشف ہو سکے۔

واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: کوئنٹراٹین مادہ کے متعلق ہم نے جو بیان دیا ہے وہ مادہ ٹرین یعنی معمولی مادہ سے اگر تصادم ہو تو جوہری مہم کے پھٹنے کی ہی حرارت خارج ہو سکتی ہے۔ ایسا کارڈو وائن سینڈر نیو میکیکو ۱۹۵۴ء کے جس مینار پر پہلا استثنائی تجربہ کیا گیا تھا، ہاں کے سلیکا گلاس کے متعلق راقم نے چند خصوصیات

کی توضیح کر کے بتایا تھا کہ وہ کنٹریٹ کے سلیکٹنگلاس کی خصوصیات کے بالکل مشابہ ہونگی چنانچہ بدو کو امر کی تحقیق نے ایسا ہی پایا لیکن اسکی اطلاع مجھ کو فائنگ خط کے ذریعہ دی اس بیان کو کسی رسالہ میں شائع نہیں کیا۔

۲۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو روس میں جو جوہری بمب پھوٹا اسکی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہیڈروجن سے بنا تھا۔ امریکی حکومت اور امریکی سائنسدان اس ہیڈروجن بمب کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یہ نیا بمب اسلئے مشہور ہے کہ چار ہیڈروجن کے جوہر (دراصل پروٹون) ملکر ایک واحد ہیلیم کا مرکزہ بننے سے ایک وقت دس فیصد مادہ توانائی بالفعل میں تبدیل ہو جاتا ہے جو یورینیم اور پلوٹونیم کے بیسوں کی توانائی سے بہت زیادہ ہے۔

تفسیر مظہری

تمام عربی مدسوں کتب فاضل و عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بمثل تحفہ

ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت تاحی ثنہ الشیبانیؒ کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی قیصر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ سالہا سال کی عجز و زکوشیوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہوجانے کا اعلان کر سکیں۔ اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں چھپ چکی ہیں جو کاغذ اور دیگر سامان طباعت و کتابت کی گزائی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں بھی ہیں۔

بدیر غر جلد اول قطع ۲۹۴۷ سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد ثالث آٹھ روپے، جلد رابع پانچ روپے، جلد خامس سات روپے، جلد شمس آٹھ روپے، جلد سابع آٹھ روپے۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

”جامع اموی دمشق“

۱۔

(مولانا محمد ظفر الدین صاحب اساتذہ دارالعلوم مدینہ منورہ)

”تاریخ مساجد“ سے یہ ایک دوسری مسجد کے حالات ہدیہ ناظرین میں، مقصد ہے کہ اہل علم غامیوں سے آگاہ فرمائیں اور جو معلومات فراہم ہونے سے روکنے میں ان کی طرف راہ نہائی کریں، آج پھر اہل علم سے درخواست ہے کہ ہندو پاکستان کی تاریخی اور قابل ذکر مسجدوں کا حال نزاع کر کے میں حیرت کا باعث بنائیں۔

ظفر

دمشق کو اپنی دلچسپی اور خوبصورتی میں خاص شہرت حاصل ہے، سیاح جب وہاں پہنچتا ہے تو بے ساختہ اس کی زبان پر اس کے لئے ”بہشت دنیا“ کا لفظ آ جاتا ہے غیر ملکی انسان وہاں کے بازاروں اور گھروں کی دلکش آرائش دیکھ کر متحیر رہ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں سال پہلے سے دمشق کو ”جنت ارض“ کا خطاب مل چکا ہے۔

اس شہر کی طرف صدیق اکبرؑ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو توجہ ہوئی ۱۱ھ میں غوطہ خنجر کرتے ہوئے دمشق میں مسلمانوں کا داخلہ ہوا اور ایک لمبے محاصرہ کے بعد جب ۱۲ھ میں فتح ہو گیا اس سے پہلے وہاں نصاریٰ کا تسلط تھا۔

دمشق میں مسلمانوں کے داخلہ کے بعد سیکڑوں مسجدیں وجود میں آئیں لیکن ان تمام مساجد میں جامع اموی کو سب سے زیادہ عزت و شہرت حاصل ہے، جہاں یہ مسجد قائم ہے اس حصہ کو عرصہ سے متعبد ہونے کا فخر حاصل ہے، پہلے یہاں بت پرستوں کا مندر تھا۔ عیسائیوں کو جب حکومت حاصل ہوئی تو ان کا گر جابنا اور آخر میں جب اسلام کی نورانی کرنیں دنیا میں پھیلیں اور

لہ فتوح البلدان

بھر دمشق میں بھی اس کو مقبولیت حاصل ہوئی تو یہ حصہ مسجد میں تبدیل ہو گیا۔

یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ دمشق کا نصف حصہ صلح سے اور نصف جنگ سے فتح ہوا، ایک طرف سے سیف اللہ حضرت خالد بن الولیدؓ تلوار لے کر داخل ہوئے اور دوسری طرف سے امین الامۃ حضرت عبیدہ بن الجراحؓ مصالحت سے بڑھے اور دونوں بزرگوں نے کینسہ کے پاس آکر ایک دوسرے سے ملاقات کی گر جا کا جو حصہ حضرت خالد بن الولیدؓ کو فتح میں پڑا وہ مسجد بنالیا گیا اور جو حصہ حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کی طرف صلح میں پڑا وہ علی حالہ گرجا بنی رہا، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے، اس کینسہ کا پورے حصہ مسجد بنا، اور بچھی حصہ گرجا کا گرجا ہی رہا۔

خلافت بنی امیہ کا جب دور آیا تو اس مسجد کو وسعت دینے کی رائے ہوئی، اول اول حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی، مگر نصاریٰ نے اپنے حصہ کے دینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے آپ کو خموشی اختیار کرنی پڑی اور اس وقت یہ کام انجام نہ پاسکا ان کے کچھ عرصہ بعد جب عبدالملک بن مروان کا عہد خلافت آیا، تو ایک مرتبہ پھر انھوں نے اس مسئلہ کو اٹھایا اور کافی دولت خرچ کی اور ہر ممکن طریقہ سے نصاریٰ کو راضی کرنے کی جدوجہد کی، مگر ابھی وقت نہ آیا تھا، وہ راضی نہ ہوئے تھے

ان کے بعد ان کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا، ولید نے اپنے عہد حکومت میں وہ کام انجام دینا چاہا جو ان کے پہلے بزرگ نہ کر سکے تھے جامع دمشق کی توسیع کے لئے عیسائیوں کی رضامندی ضروری تھی کیونکہ مسجد کے نقل کی زمین کے مالک وہی تھے اس لئے ولید نے اس سلسلہ میں کافی دولت صرف کی اور ان کی منہ مانگی مراد دینے کو تیار تھے، پھر بھی یہ عیسائی راضی نہ ہوئے اب انھوں نے دباؤ سے کام لے کر راضی کرنا چاہا، تو ان کی طرف سے یہ بات مشہور کی گئی کہ جو اس گرجا کو دھانسنے کے لئے جائیگا وہ پاگل بن جائے گا اس پر دینگڈے سے عوام متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، ولید نے جب یہ رنگ دیکھا، تو اس کام کے لئے سب سے پہلے خود تیار ہوئے،

لہ تدن عرب ۱۶۹۰ لکھ فتوح البلدان باب فتح مدینہ دمشق دار صہبائہ ایضاً۔

بھاڑا اٹھا، دیوار پر چڑھ گئے، اور یہ کہہ کر دھانا شروع کر دیا، کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہلا پاگل میں
 بنائوں طیف وقت کا کسی کام کو شروع کرنا، اس کے انجام کی علامت ہے دوسرے لوگ بھی اس
 کام میں شریک ہوئے، اور جنوں کا پر و گنڈا غلط ثابت ہوا، مختصر یہ کہ عیسائیوں کو خلیفہ کے حق میں ماضی پھر
 پھر کیا تھا ولید بن عبد الملک نے اپنے باجگزار شاہ روم کو حکم دیا، کہ معمار اور انجنیئر اس کام کے
 لئے بھیجے جائیں، چنانچہ خلیفہ کا حکم پاتے ہی وہاں سے مختلف ملکوں کے بارہ ہزار معمار اور انجنیئر بھیج گئے
 اور سترہ برس میں کام باضابطہ شروع کر دیا گیا، اس کا رخیر کے لئے شاہی خزانہ کا منہ کھول دیا گیا، قیمتی پتھروں
 جواہرات اور سونے کا ڈھیر لگ گیا، اور پوری مستندی سے کام ہونے لگا۔ جامع دمشق کی عمارت
 میں مسلسل آٹھ برس تک کام لگا رہا، تب جا کر یہ عمارت تکمیل کو پہنچی، اس کی تعمیر پر پانچ کروڑ روپے
 سے زیادہ خرچ ہوئے، مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں۔

”اسلامی مورخ ابن العلی اسدی نے لکھا ہے کہ اس جامع اموی کی تعمیر میں سو صندوق صرف ہوئے ہیں
 ہر صندوق میں دو لاکھ اٹھائیس ہزار دینار تھے کل رقم بسکٹ انگریزی پانچ کروڑ روپے سے کچھ زائد ہوئی ہے۔
 ولید بن عبد الملک کے حوصلہ اور اس کے شوق تعمیر کو دیکھتے ہوئے، یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے
 انھوں نے اپنے زمانہ خلافت میں جو کام بھی انجام دیا، بڑے حوصلہ سے انجام دیا۔

جامع دمشق کی عمارت اپنے زمانہ میں بے نظیر تھی، اس کی دیواروں میں سونے، قیمتی پتھر
 اور جواہرات کے جواڑ اور ان کی کچی کاری تھی، اس جامع اموی کی چھت سنہری تختیوں کی تھی، اس
 میں چھ سو طلائی چراغ روزانہ روشن ہوتے تھے، جن کی زنجیریں بھی سونے ہی کی تختیں تھیں، ہر چھت
 کے مصلوں میں قیمتی پتھر جڑے تھے، رنگین شیشوں کے چھتر (دم) آفتاب نما جھانڈا ویزاں
 تھے، اور ان کے پائے مرصع اور رخام کے تھے، مجموعی طور پر جامع دمشق اپنے حسن و جمال میں
 بچھائے روزگار تھی، دور سے جب کوئی ساربان اپنے اونٹوں کو دوڑاتا ہوا دمشق کی طرف چلتا تھا

لے سفر نامہ بلاد اسلامیہ ص ۲۱۴ لکھ رہا ہے الشام والقدس ص ۷۷ علامہ ابن کثیر نے اخراجات ایک کروڑ بارہ لاکھ دیا

لکھا ہے (تاریخ ملت بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۱۴۲ ج ۹)

تورکستان سے پہلی نظر اس کی جامع دمشق پر پڑتی تھی، اور جو جم اشتیاق میں اس کے بہترین گنبد اور نازک
میناروں کو نکھارتا تھا، اس مسجد کے گنبد اور اسکے مینار اتنے پاکیزہ اور بلور تھے کہ دہشتوں اور اونچے اونچے
محلوں کے چھپائے بھی چھپے نہیں تھے!

جامع اموی کا فرش استقد راجاذب نظر اور خوش منظر تھا کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہتا تھا اس کے حوض او
نار سے حوروں کا لطف دیتے تھے، جبکہ کناروں پر مختلف ملکوں کے رازرین اور عراقی تاجر پہلو پہلو بیٹھے
وضو کرتے نظر آتے تھے مسجد کی وسیع عمارت میں ایک امام کے پیچھے ہزاروں مسلمان صف بستہ کھڑے
ہوتے تھے، جبکہ لباس مختلف رنگ و روپ الگ الگ، اور جو مختلف آب و ہوا اور ممالک کے باشندے
ہوتے تھے، مگر یہاں ہر درجہ اور مرتبہ کے لوگ شان سے شان ملائے ایک ہی مصیٰ پر کھڑے اور ایک
ہی امام کے اشارے پر سر بسجود دکھائی دیتے تھے، "امیر اور فقیر بادشاہ اور درویش، آقا اور غلام کی کوئی
تسبیہ نہ ہوتی تھی، اس مسجد کی دیواریں قد آدم تک قیمتی پتھروں کی تھیں، اس سے اوپر سونے کے
پتھر لگے تھے، جس پر جواہرات سے نگکاری کی گئی تھی، جو اپنی آپ مثال تھی پھر اوپر دیواروں میں یہ کیا
گیا تھا کہ مختلف رنگوں کے جواہرات سے ان پر دنیا کے تمام مشہور فہموں کے نقشے بنائے گئے تھے،
محراب پر کعبۃ اللہ کا نقشہ تھا، محراب الصوابہ میں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، کہا جاتا ہے ایک بیش بہا
جوہر تھا، جو پوری مسجد کو چراغوں کے ٹل ہونے کے بعد تنہا روشن رکھتا تھا (تاریخ ملت مصر ص ۳۳۳)

جامع دمشق میں سوا تھ طول اور دو سو با تھ عرض میں پھیلا ہے، علاوہ ازیں سوا تھ کا صحن ہے
جسمیں محدث، فقیہ، مفسر اور دوسرے علماء کا اجتماع رہتا ہے، جو طرہ دیدہ زیب ہوتا ہے!

ولید بن عبدالملک کے کچھ ہی عرصہ بعد جب خلافت بنو امیہ کے نامور اور قابل صلہ حرام خلیفہ
عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ آیا تو عیسائیوں کے اس مقبوضہ حصہ کو انھوں نے واپس کرنا چاہا، جسے ولید نے
مسجد میں شامل کر لیا تھا، اور جو ان سے پہلے مسلمانوں کے تصرف میں نہ تھا، مسلمانوں نے اس کے خلاف
آواز اٹھائی، اور انھوں نے یہ مطالبہ پیش کر دیا، کہ غوطہ کے وہ تمام کھیتے ہیں واپس دیدئے جائیں جو

ملہ تمدن عرب ص ۶۵ و ملہ ابن بطوطہ ص ۶۳ و اخبار الاندلس ص ۳۶۳ ملہ حلیہ ابن بطوطہ ص ۶۳

مسلمانوں نے لڑکر فتح کیا تھا، یہ آواز جب عیسائیوں کو پہنچی تو انھوں نے اپنے اس حصہ سے باز دھمکی لکھدیا جو جامع دمشق میں شامل کیا گیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بعض لوگوں کے بیان کے مطابق نصاریٰ کو نہایت مقول رقم بھی دی، اور اس طرح جب وہ خوش ہو گئے اور برضا و رغبت یہ حصہ مسجد کو دیدیا، تو لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اطمینان ہوا۔

محب "تمدن عرب" کے بیان کے مطابق ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ مسجد ۱۰۶۹ء مطابق ۶۶۱ھ میں جل گئی اور پھر دوبارہ تعمیر ہوئی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بعد والی مسجد اس اعلیٰ پایہ پر مبنی نہ رہی جسے ولید بن عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا بلکہ یہ اس سے بہت کمتر درجہ کی ہے۔ مگر جامع دمشق کی یہ جدید عمارت بھی معمولی نہیں ہے آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ جب وہاں پہنچا تو وہ اس عمارت کو دیکھ کر متحیر رہ گیا ہے وہ لکھتا ہے کہ یہ مسجد اپنی صنعت، مضبوطی، خوبصورتی اور دوسری خوبیوں میں دنیا کی تمام مسجدوں سے بڑھی ہوئی ہے، دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے جامع دمشق کی یہ عمارت بڑی دلکش ہے، اس کے تین فرش ہیں اور شرق سے غرب تک مستطیل پھیلے ہوئے ہیں، یہ واقعہ رہے کہ ملک شام کو کرمہ سے شمال میں واقع ہے، اس لئے جامع دمشق کا قبہ جنوب پڑتا ہے، اور لوگ جنوب ہی کی جانب منہ کر کے اس جامع میں نماز پڑھتے ہیں، اس کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ پورب سے پھم تک مستطیل کیوں ہیں۔ مسجد کے تین دالان ہیں، ہر ایک کی اٹھارہ قدم وسعت ہے اور (۱۸) ستون پر قائم ہے، تمام ستون کے اوپر محراب بنے ہوئے ہیں جو بہت خوبصورت اور رنگین ہیں اور یہی ستون اور محراب اس گنبد کو تھامے ہوئے ہیں جو سیسہ بلیا ہوا ہے، اور محراب کے مقابل واقع ہے ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کا نام "قبۃ النسر" ہے اس لئے کہ پوری مسجد دور سے چیل کی شکل کی معلوم ہوتی ہے اور محراب کا مکمل فن یہ ہے کہ شہر کے جس کنارے سے اسے دیکھئے معلوم ہی ہوگا کہ کوئی چیل ہے جو ہوا میں اڑ رہی ہے مسجد کے آگے وسیع صحن ہے، جس میں تین طرف سے دالان ہیں، پورب سے، پھم سے اور مسجد

لے فتوح البلدان ص ۳۲۱ و سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص ۲۷۲ لکھ زیارۃ الشام والقدس ص ۱۷۲ سے تمدن عرب ص ۱۹۵

کے آگے سے، ہر دالان میں دس قدم گنجائش اور کشادگی ہے، اور ہر دالان میں (۳۳) سٹون اور چودہ پائے ہیں جو دیکھنے میں بہت عمدہ اور کھلے معلوم ہوتے ہیں، خوبصورتی پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے، مغرب سے غدار تک عموماً یہاں ہر علم و فن کے علماء کا اجتماع ہوتا ہے، اس کی دیوار میں خوشگوار کتبوں سے پُر ہیں، کھڑکیوں میں رنگین شیشے لگے ہیں جامع دمشق کے وسیع صحن میں تین خوشنما قبة ہیں، ایک قبة چھم میں ہے اس کا نام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام مبارک کی طرف منسوب ہے، یہ قبة رخام کے آٹھ ستونوں پر قائم ہے، اور مختلف رنگ اور سونے کے پانی سے آراستہ ہے، اس کی چھت سیسہ پلائی ہوئی ہے، جامع دمشق کا مال یہیں جمع ہوتا ہے، اس جامع کی آمدنی پچیس ہزار دینار سرخ ہے۔ دو سراقہ پوربی کنارے میں ہے یہ بھی آٹھ ستونوں پر قائم ہے اور گوغری سے چھوٹا ہے مگر بڑا دیدہ زیب ہے، یہ حضرت زین العابدینؓ کے نام نامی کی طرف منسوب ہے، تیسرا قبة وسط صحن میں ہے اور یہ بہشت پہل اور صوب سے زیادہ جاذب نظر اور حبت نگاہ ہے، اس کے نیچے چاندی کا قوارہ بنا ہوا ہے، جو بہت لطف دیتا ہے۔

جامع دمشق کے قبلہ میں چار محراب ہیں، صدر محراب میں شافعی امام کی جگہ ہے اس کے بائیں محراب الصعابہ ہے جس میں مالکی امام امامت کرتے ہیں اور صدر محراب کے دائیں محراب الحنفیہ ہے جو حنفی امام کی جگہ ہے اور اسی محراب الحنفیہ کے متصل محراب المالکیہ ہے، اور یہ صحنی امام کی جگہ صاحب خلاصۃ النظارؒ نے لکھا ہے کہ ستائیس میں جب تیمور لنگ نے دمشق پر حملہ کیا تو اس نے شہر کی تباہی و بربادی کے ساتھ جامع دمشق کے بیشتر حصہ کو بھی برباد کر دیا، اس وقت پھر وہاں کے مسلمانوں نے اس کی مرمت کی ہوگی، اسی طرح مولانا عبدالرحمن امرتسری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ

”یہ مسجد دنیا کی نامور اور خوبصورت مسجدوں میں شمار ہوتی تھی، مگر چار پانچ سال پہلے کے آتش زدگی سے بالکل

دیران ہو گئی۔“

علامہ ابن بطوطہ ذکر جامع دمشق ص ۱۷۶ خلاصۃ النظار ص ۱۷۶ سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص ۲۴۲

انہوں نے اپنا سفر نامہ ۱۸۹۷ء میں لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جامع دمشق کی خوبصورت عمارت دوسری بار ۱۸۹۷ء میں جل گئی تھی، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دہلی شام نے سچاس ساٹھ ہزار پونڈ جذبہ فراہم کیا ہے اور بہت عرصہ کی اور غریب سے دوبارہ تعمیر ہو رہی ہے، ”ساتھ ہی رقمطراز ہیں کہ میرے زمانہ قیام میں نصف سے زیادہ کام ختم ہو گیا ہے۔“

تیسرا سفر نامہ اس سلسلہ میں میرے سامنے مولانا عاشق الہی میرٹھی کا ہے جنہوں نے ۱۳۲۹ھ میں دمشق کی سیاحت کی ہے اور اسی زمانہ میں اپنا سفر نامہ مرتب کیا ہے، انہوں نے جامع دمشق کی عمارت کی جو ہیئت بیان کی ہے وہ موجودہ عمارت کی تفصیل سمجھی جائیگی، ”اسلئے اسے بیش نظر رکھئے جو موجودہ عمارت کا نقشہ یہ ہے کہ جامع دمشق کا طول و عرض سابق ہی ہے، مسجد میں (۶۸) ستون اور بیس محرابی دروازے ہیں، جو نہایت پاکیزہ اور لطیف ہیں ان پر بہت ہی صاف پردے لٹک رہے ہیں، اور اعلیٰ پیمانے کے کواڑ بھی چڑے ہیں محراب الصالحہ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام کے بیٹھنے کی جگہ مشہور ہے یہ (۴۴) ہاشت طویل ہے اور (۲۲) ہاشت عرض، یہ حصہ مقبوضہ علاقہ میں واقع ہے اور دوسرا مقصورہ جو سب سے بڑا ہے اور مقبوضہ ولید میں واقع ہے اس میں محراب و منبر ہیں، ”اسی میں کھڑے ہو کر خطیب جمعہ وغیرہا میں خطبہ دیا کرتا ہے، تیسرے مقصورہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ غریبی جانب میں اصفا کیا گیا ہے اور یہ اس وقت درس و تدریس کا مرکز بنا ہے، ان مقصوروں کے علاوہ کچھ اور گاہیں ہیں جن کو زاویے کہتے ہیں، ان میں مدرسین بیٹھ کر درس دیتے ہیں، لڑکے مطالعہ کرتے ہیں، پوربی کنارے جو امام کے ہائیں پڑتا ہے مستورات کے لئے مسجد کا زنانہ درجہ ہے، جسکے دروازے تمام دروازوں سے الگ ہیں، ان کے وضو کے لئے اسی حصہ میں ایک حوض بنا ہوا ہے جن میں وہ وضو کرتی ہیں، پردہ کا معقول اور کافی انتظام ہے، اس زنانہ درجہ میں عورتیں امام مسجد کی اقتدار میں نماز پڑھ سکتی ہیں۔“

مسجد کی چھت بہت عمدہ اور خوش کن ہے، چھت کا قیمہ گول ہے، مگر اس میں عجیب کاریگری سے کام لیا گیا ہے، کھڑکیاں عجیب کمال کی کھولی گئی ہیں، جن سے ہر طرف کی ہوا آتی رہتی ہے، بعد ضرورت

۱۔ سفر نامہ ۱۸۹۷ء اسلام آباد ۲۲ ج ۲۷۷ ذیل کا انشام والقدس ص ۴۹

کافی روشنی بھی ان سے آکر مسجد کو پھونکے نور بنائے رکھتی ہے، گلاب اور جھت کئی حصوں میں منقسم ہیں اور رنگین اور دلاور شیشوں سے مزین ہیں، دھوپ میں اسکی خوبصورتی دیکھ کر آدمی متحیر رہ جاتا ہے، دیوار کے بعض حصوں پر ایک پرائی چمی کاری ہویدا ہو کر اپنے بانی کی یاد تازہ کر رہی ہے، ان کا حال یہ ہے کہ امتدادِ زمانہ کے باوجود یہی معلوم ہوتا ہے کہ معمار ابھی بنا کر گئے ہیں،

جامع دمشق میں تین مینار ہیں ان میں سے دو مکتب ہیں اور ایک ہشت پہل ہے جو اپنی صفت اور دیباچہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اس کے اوپر ایک عمدہ کٹھن بنا ہوا ہے جسکو دار کی طرح کا سمجھ لیجئے اور اس ہشت پہل مینار کی بلند و بالا چوٹی پر گولانا بنا ہوا ہے اور اس پر اسلامی لہلہ بنا ہوا ہے،

جامع دمشق کی دیواروں کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ اس میں ایسے مسلے ملائے گئے ہیں کہ اس میں کڑی جالانہیں پورسکتی اور نہ ابابیل اس میں گھونسنا سکتی ہے، منبر کے سامنے ایک کتبہ بنا ہوا ہے جو بڑی عمدگی سے سجایا ہوا ہے اسقدر وسیع ہے کہ آٹھ دس کئی آرام و عافیت نماز پڑھ سکتے ہیں،

مسجد کے اندر ایک چھوٹا سا خوبصورت کنواں بھی ہے جس سے مشین کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے ہاہر قہ کے نیچے ایک حوض ہے جس میں بہترین فوارہ لگا ہوا ہے،

جامع دمشق کے چار دروازے ہیں، ایک دروازہ قبلہ کی طرف یعنی جنوب میں ہے، اسکا نام ”الزبارة“ ہے، دوسرا دروازہ شمال میں ہے، اب الزبارة کے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اسکے اوپر ایک نیزہ ہے جس میں حضرت خالد بن الولیدؓ کا جھنڈا تھا، اور اس دروازہ سے نکل کر لوگ گھوڑوں کے بازو میں پہنچے ہیں، خود اس دروازہ کے آگے ایک بڑا وسیع دہلیز ہے جس میں پرانی چیزیں پھنے والوں کی دکانیں لگی رہتی ہیں، شمالی دروازہ کا نام ”باب النفاذین“ ہے اسکے آگے بھی دہلیز ہے اور یہاں حوض ہے اور اسی مقام پر غسلانے

لے زبارة الشام والقدس ۳۴۰ م ۳۴۱ م ۳۴۲ م ۳۴۳ م ۳۴۴ م ۳۴۵ م ۳۴۶ م ۳۴۷ م ۳۴۸ م ۳۴۹ م ۳۵۰ م ۳۵۱ م ۳۵۲ م ۳۵۳ م ۳۵۴ م ۳۵۵ م ۳۵۶ م ۳۵۷ م ۳۵۸ م ۳۵۹ م ۳۶۰ م ۳۶۱ م ۳۶۲ م ۳۶۳ م ۳۶۴ م ۳۶۵ م ۳۶۶ م ۳۶۷ م ۳۶۸ م ۳۶۹ م ۳۷۰ م ۳۷۱ م ۳۷۲ م ۳۷۳ م ۳۷۴ م ۳۷۵ م ۳۷۶ م ۳۷۷ م ۳۷۸ م ۳۷۹ م ۳۸۰ م ۳۸۱ م ۳۸۲ م ۳۸۳ م ۳۸۴ م ۳۸۵ م ۳۸۶ م ۳۸۷ م ۳۸۸ م ۳۸۹ م ۳۹۰ م ۳۹۱ م ۳۹۲ م ۳۹۳ م ۳۹۴ م ۳۹۵ م ۳۹۶ م ۳۹۷ م ۳۹۸ م ۳۹۹ م ۴۰۰ م ۴۰۱ م ۴۰۲ م ۴۰۳ م ۴۰۴ م ۴۰۵ م ۴۰۶ م ۴۰۷ م ۴۰۸ م ۴۰۹ م ۴۱۰ م ۴۱۱ م ۴۱۲ م ۴۱۳ م ۴۱۴ م ۴۱۵ م ۴۱۶ م ۴۱۷ م ۴۱۸ م ۴۱۹ م ۴۲۰ م ۴۲۱ م ۴۲۲ م ۴۲۳ م ۴۲۴ م ۴۲۵ م ۴۲۶ م ۴۲۷ م ۴۲۸ م ۴۲۹ م ۴۳۰ م ۴۳۱ م ۴۳۲ م ۴۳۳ م ۴۳۴ م ۴۳۵ م ۴۳۶ م ۴۳۷ م ۴۳۸ م ۴۳۹ م ۴۴۰ م ۴۴۱ م ۴۴۲ م ۴۴۳ م ۴۴۴ م ۴۴۵ م ۴۴۶ م ۴۴۷ م ۴۴۸ م ۴۴۹ م ۴۵۰ م ۴۵۱ م ۴۵۲ م ۴۵۳ م ۴۵۴ م ۴۵۵ م ۴۵۶ م ۴۵۷ م ۴۵۸ م ۴۵۹ م ۴۶۰ م ۴۶۱ م ۴۶۲ م ۴۶۳ م ۴۶۴ م ۴۶۵ م ۴۶۶ م ۴۶۷ م ۴۶۸ م ۴۶۹ م ۴۷۰ م ۴۷۱ م ۴۷۲ م ۴۷۳ م ۴۷۴ م ۴۷۵ م ۴۷۶ م ۴۷۷ م ۴۷۸ م ۴۷۹ م ۴۸۰ م ۴۸۱ م ۴۸۲ م ۴۸۳ م ۴۸۴ م ۴۸۵ م ۴۸۶ م ۴۸۷ م ۴۸۸ م ۴۸۹ م ۴۹۰ م ۴۹۱ م ۴۹۲ م ۴۹۳ م ۴۹۴ م ۴۹۵ م ۴۹۶ م ۴۹۷ م ۴۹۸ م ۴۹۹ م ۵۰۰ م ۵۰۱ م ۵۰۲ م ۵۰۳ م ۵۰۴ م ۵۰۵ م ۵۰۶ م ۵۰۷ م ۵۰۸ م ۵۰۹ م ۵۱۰ م ۵۱۱ م ۵۱۲ م ۵۱۳ م ۵۱۴ م ۵۱۵ م ۵۱۶ م ۵۱۷ م ۵۱۸ م ۵۱۹ م ۵۲۰ م ۵۲۱ م ۵۲۲ م ۵۲۳ م ۵۲۴ م ۵۲۵ م ۵۲۶ م ۵۲۷ م ۵۲۸ م ۵۲۹ م ۵۳۰ م ۵۳۱ م ۵۳۲ م ۵۳۳ م ۵۳۴ م ۵۳۵ م ۵۳۶ م ۵۳۷ م ۵۳۸ م ۵۳۹ م ۵۴۰ م ۵۴۱ م ۵۴۲ م ۵۴۳ م ۵۴۴ م ۵۴۵ م ۵۴۶ م ۵۴۷ م ۵۴۸ م ۵۴۹ م ۵۵۰ م ۵۵۱ م ۵۵۲ م ۵۵۳ م ۵۵۴ م ۵۵۵ م ۵۵۶ م ۵۵۷ م ۵۵۸ م ۵۵۹ م ۵۶۰ م ۵۶۱ م ۵۶۲ م ۵۶۳ م ۵۶۴ م ۵۶۵ م ۵۶۶ م ۵۶۷ م ۵۶۸ م ۵۶۹ م ۵۷۰ م ۵۷۱ م ۵۷۲ م ۵۷۳ م ۵۷۴ م ۵۷۵ م ۵۷۶ م ۵۷۷ م ۵۷۸ م ۵۷۹ م ۵۸۰ م ۵۸۱ م ۵۸۲ م ۵۸۳ م ۵۸۴ م ۵۸۵ م ۵۸۶ م ۵۸۷ م ۵۸۸ م ۵۸۹ م ۵۹۰ م ۵۹۱ م ۵۹۲ م ۵۹۳ م ۵۹۴ م ۵۹۵ م ۵۹۶ م ۵۹۷ م ۵۹۸ م ۵۹۹ م ۶۰۰ م ۶۰۱ م ۶۰۲ م ۶۰۳ م ۶۰۴ م ۶۰۵ م ۶۰۶ م ۶۰۷ م ۶۰۸ م ۶۰۹ م ۶۱۰ م ۶۱۱ م ۶۱۲ م ۶۱۳ م ۶۱۴ م ۶۱۵ م ۶۱۶ م ۶۱۷ م ۶۱۸ م ۶۱۹ م ۶۲۰ م ۶۲۱ م ۶۲۲ م ۶۲۳ م ۶۲۴ م ۶۲۵ م ۶۲۶ م ۶۲۷ م ۶۲۸ م ۶۲۹ م ۶۳۰ م ۶۳۱ م ۶۳۲ م ۶۳۳ م ۶۳۴ م ۶۳۵ م ۶۳۶ م ۶۳۷ م ۶۳۸ م ۶۳۹ م ۶۴۰ م ۶۴۱ م ۶۴۲ م ۶۴۳ م ۶۴۴ م ۶۴۵ م ۶۴۶ م ۶۴۷ م ۶۴۸ م ۶۴۹ م ۶۵۰ م ۶۵۱ م ۶۵۲ م ۶۵۳ م ۶۵۴ م ۶۵۵ م ۶۵۶ م ۶۵۷ م ۶۵۸ م ۶۵۹ م ۶۶۰ م ۶۶۱ م ۶۶۲ م ۶۶۳ م ۶۶۴ م ۶۶۵ م ۶۶۶ م ۶۶۷ م ۶۶۸ م ۶۶۹ م ۶۷۰ م ۶۷۱ م ۶۷۲ م ۶۷۳ م ۶۷۴ م ۶۷۵ م ۶۷۶ م ۶۷۷ م ۶۷۸ م ۶۷۹ م ۶۸۰ م ۶۸۱ م ۶۸۲ م ۶۸۳ م ۶۸۴ م ۶۸۵ م ۶۸۶ م ۶۸۷ م ۶۸۸ م ۶۸۹ م ۶۹۰ م ۶۹۱ م ۶۹۲ م ۶۹۳ م ۶۹۴ م ۶۹۵ م ۶۹۶ م ۶۹۷ م ۶۹۸ م ۶۹۹ م ۷۰۰ م ۷۰۱ م ۷۰۲ م ۷۰۳ م ۷۰۴ م ۷۰۵ م ۷۰۶ م ۷۰۷ م ۷۰۸ م ۷۰۹ م ۷۱۰ م ۷۱۱ م ۷۱۲ م ۷۱۳ م ۷۱۴ م ۷۱۵ م ۷۱۶ م ۷۱۷ م ۷۱۸ م ۷۱۹ م ۷۲۰ م ۷۲۱ م ۷۲۲ م ۷۲۳ م ۷۲۴ م ۷۲۵ م ۷۲۶ م ۷۲۷ م ۷۲۸ م ۷۲۹ م ۷۳۰ م ۷۳۱ م ۷۳۲ م ۷۳۳ م ۷۳۴ م ۷۳۵ م ۷۳۶ م ۷۳۷ م ۷۳۸ م ۷۳۹ م ۷۴۰ م ۷۴۱ م ۷۴۲ م ۷۴۳ م ۷۴۴ م ۷۴۵ م ۷۴۶ م ۷۴۷ م ۷۴۸ م ۷۴۹ م ۷۵۰ م ۷۵۱ م ۷۵۲ م ۷۵۳ م ۷۵۴ م ۷۵۵ م ۷۵۶ م ۷۵۷ م ۷۵۸ م ۷۵۹ م ۷۶۰ م ۷۶۱ م ۷۶۲ م ۷۶۳ م ۷۶۴ م ۷۶۵ م ۷۶۶ م ۷۶۷ م ۷۶۸ م ۷۶۹ م ۷۷۰ م ۷۷۱ م ۷۷۲ م ۷۷۳ م ۷۷۴ م ۷۷۵ م ۷۷۶ م ۷۷۷ م ۷۷۸ م ۷۷۹ م ۷۸۰ م ۷۸۱ م ۷۸۲ م ۷۸۳ م ۷۸۴ م ۷۸۵ م ۷۸۶ م ۷۸۷ م ۷۸۸ م ۷۸۹ م ۷۹۰ م ۷۹۱ م ۷۹۲ م ۷۹۳ م ۷۹۴ م ۷۹۵ م ۷۹۶ م ۷۹۷ م ۷۹۸ م ۷۹۹ م ۸۰۰ م ۸۰۱ م ۸۰۲ م ۸۰۳ م ۸۰۴ م ۸۰۵ م ۸۰۶ م ۸۰۷ م ۸۰۸ م ۸۰۹ م ۸۱۰ م ۸۱۱ م ۸۱۲ م ۸۱۳ م ۸۱۴ م ۸۱۵ م ۸۱۶ م ۸۱۷ م ۸۱۸ م ۸۱۹ م ۸۲۰ م ۸۲۱ م ۸۲۲ م ۸۲۳ م ۸۲۴ م ۸۲۵ م ۸۲۶ م ۸۲۷ م ۸۲۸ م ۸۲۹ م ۸۳۰ م ۸۳۱ م ۸۳۲ م ۸۳۳ م ۸۳۴ م ۸۳۵ م ۸۳۶ م ۸۳۷ م ۸۳۸ م ۸۳۹ م ۸۴۰ م ۸۴۱ م ۸۴۲ م ۸۴۳ م ۸۴۴ م ۸۴۵ م ۸۴۶ م ۸۴۷ م ۸۴۸ م ۸۴۹ م ۸۵۰ م ۸۵۱ م ۸۵۲ م ۸۵۳ م ۸۵۴ م ۸۵۵ م ۸۵۶ م ۸۵۷ م ۸۵۸ م ۸۵۹ م ۸۶۰ م ۸۶۱ م ۸۶۲ م ۸۶۳ م ۸۶۴ م ۸۶۵ م ۸۶۶ م ۸۶۷ م ۸۶۸ م ۸۶۹ م ۸۷۰ م ۸۷۱ م ۸۷۲ م ۸۷۳ م ۸۷۴ م ۸۷۵ م ۸۷۶ م ۸۷۷ م ۸۷۸ م ۸۷۹ م ۸۸۰ م ۸۸۱ م ۸۸۲ م ۸۸۳ م ۸۸۴ م ۸۸۵ م ۸۸۶ م ۸۸۷ م ۸۸۸ م ۸۸۹ م ۸۹۰ م ۸۹۱ م ۸۹۲ م ۸۹۳ م ۸۹۴ م ۸۹۵ م ۸۹۶ م ۸۹۷ م ۸۹۸ م ۸۹۹ م ۹۰۰ م ۹۰۱ م ۹۰۲ م ۹۰۳ م ۹۰۴ م ۹۰۵ م ۹۰۶ م ۹۰۷ م ۹۰۸ م ۹۰۹ م ۹۱۰ م ۹۱۱ م ۹۱۲ م ۹۱۳ م ۹۱۴ م ۹۱۵ م ۹۱۶ م ۹۱۷ م ۹۱۸ م ۹۱۹ م ۹۲۰ م ۹۲۱ م ۹۲۲ م ۹۲۳ م ۹۲۴ م ۹۲۵ م ۹۲۶ م ۹۲۷ م ۹۲۸ م ۹۲۹ م ۹۳۰ م ۹۳۱ م ۹۳۲ م ۹۳۳ م ۹۳۴ م ۹۳۵ م ۹۳۶ م ۹۳۷ م ۹۳۸ م ۹۳۹ م ۹۴۰ م ۹۴۱ م ۹۴۲ م ۹۴۳ م ۹۴۴ م ۹۴۵ م ۹۴۶ م ۹۴۷ م ۹۴۸ م ۹۴۹ م ۹۵۰ م ۹۵۱ م ۹۵۲ م ۹۵۳ م ۹۵۴ م ۹۵۵ م ۹۵۶ م ۹۵۷ م ۹۵۸ م ۹۵۹ م ۹۶۰ م ۹۶۱ م ۹۶۲ م ۹۶۳ م ۹۶۴ م ۹۶۵ م ۹۶۶ م ۹۶۷ م ۹۶۸ م ۹۶۹ م ۹۷۰ م ۹۷۱ م ۹۷۲ م ۹۷۳ م ۹۷۴ م ۹۷۵ م ۹۷۶ م ۹۷۷ م ۹۷۸ م ۹۷۹ م ۹۸۰ م ۹۸۱ م ۹۸۲ م ۹۸۳ م ۹۸۴ م ۹۸۵ م ۹۸۶ م ۹۸۷ م ۹۸۸ م ۹۸۹ م ۹۹۰ م ۹۹۱ م ۹۹۲ م ۹۹۳ م ۹۹۴ م ۹۹۵ م ۹۹۶ م ۹۹۷ م ۹۹۸ م ۹۹۹ م ۱۰۰۰ م

لے زبارة الشام والقدس ۳۴۰ م ۳۴۱ م ۳۴۲ م ۳۴۳ م ۳۴۴ م ۳۴۵ م ۳۴۶ م ۳۴۷ م ۳۴۸ م ۳۴۹ م ۳۵۰ م ۳۵۱ م ۳۵۲ م ۳۵۳ م ۳۵۴ م ۳۵۵ م ۳۵۶ م ۳۵۷ م ۳۵۸ م ۳۵۹ م ۳۶۰ م ۳۶۱ م ۳۶۲ م ۳۶۳ م ۳۶۴ م ۳۶۵ م ۳۶۶ م ۳۶۷ م ۳۶۸ م ۳۶۹ م ۳۷۰ م ۳۷۱ م ۳۷۲ م ۳۷۳ م ۳۷۴ م ۳۷۵ م ۳۷۶ م ۳۷۷ م ۳۷۸ م ۳۷۹ م ۳۸۰ م ۳۸۱ م ۳۸۲ م ۳۸۳ م ۳۸۴ م ۳۸۵ م ۳۸۶ م ۳۸۷ م ۳۸۸ م ۳۸۹ م ۳۹۰ م ۳۹۱ م ۳۹۲ م ۳۹۳ م ۳۹۴ م ۳۹۵ م ۳۹۶ م ۳۹۷ م ۳۹۸ م ۳۹۹ م ۴۰۰ م ۴۰۱ م ۴۰۲ م ۴۰۳ م ۴۰۴ م ۴۰۵ م ۴۰۶ م ۴۰۷ م ۴۰۸ م ۴۰۹ م ۴۱۰ م ۴۱۱ م ۴۱۲ م ۴۱۳ م ۴۱۴ م ۴۱۵ م ۴۱۶ م ۴۱۷ م ۴۱۸ م ۴۱۹ م ۴۲۰ م ۴۲۱ م ۴۲۲ م ۴۲۳ م ۴۲۴ م ۴۲۵ م ۴۲۶ م ۴۲۷ م ۴۲۸ م ۴۲۹ م ۴۳۰ م ۴۳۱ م ۴۳۲ م ۴۳۳ م ۴۳۴ م ۴۳۵ م ۴۳۶ م ۴۳۷ م ۴۳۸ م ۴۳۹ م ۴۴۰ م ۴۴۱ م ۴۴۲ م ۴۴۳ م ۴۴۴ م ۴۴۵ م ۴۴۶ م ۴۴۷ م ۴۴۸ م ۴۴۹ م ۴۵۰ م ۴۵۱ م ۴۵۲ م ۴۵۳ م ۴۵۴ م ۴۵۵ م ۴۵۶ م ۴۵۷ م ۴۵۸ م ۴۵۹ م ۴۶۰ م ۴۶۱ م ۴۶۲ م ۴۶۳ م ۴۶۴ م ۴۶۵ م ۴۶۶ م ۴۶۷ م ۴۶۸ م ۴۶۹ م ۴۷۰ م ۴۷۱ م ۴۷۲ م ۴۷۳ م ۴۷۴ م ۴۷۵ م ۴۷۶ م ۴۷۷ م ۴۷۸ م ۴۷۹ م ۴۸۰ م ۴۸۱ م ۴۸۲ م ۴۸۳ م ۴۸۴ م ۴۸۵ م ۴۸۶ م ۴۸۷ م ۴۸۸ م ۴۸۹ م ۴۹۰ م ۴۹۱ م ۴۹۲ م ۴۹۳ م ۴۹۴ م ۴۹۵ م ۴۹۶ م ۴۹۷ م ۴۹۸ م ۴۹۹ م ۵۰۰ م

بھی ہیں، جن میں پانی ہمیشہ آتا رہتا ہے،

سب سے بڑا دروازہ شرقی ہے جسکا نام ”باب ہیرن“ ہے، اسکا آگے بھی ایک وسیع دلیز ہے اس سے نکل کر ایک دالان میں پہنچتے ہیں جس میں پانچ دروازہ ہیں، اور اس میں چھ لمبے عمدہ ستون لگے ہیں، اس کے بائیں ایک بڑا شہر ہے جس میں بقول بعض حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے، اور اسی کے مقابل ایک چھوٹی مسجد ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی طرف منسوب ہے،

چوتھا دروازہ غربی حصہ میں ہے جسکا نام ”باب البرید“ ہے، اس سے نکل کر ایک شرافی محلہ تھا جامع دمشق کے ان چاروں دروازوں پر ایک ایک وضو خانہ ہے اور ان میں سے ہر ایک وضو خانہ میں فریسا سو سو کمرے ہیں، جن میں ہر وقت پانی موجود رہتا ہے، غربی دروازہ سے باہر نازلوں کے لئے متعدد پیشاب خانے اور بیت الخلاء ہیں، جن میں ہر وقت پانی چلتا رہتا ہے،

بقول ابن بطوطہ اس جامع اموی میں وہ قرآن پاک بھی ہے جسے حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانہ میں لکھوا کر شام بھیجا تھا یہ قرآن پاک ایک محفوظ جگہ میں ہے ہر حجہ کو اس قرآن پاک کی زیارت ہوتی ہے، جس میں بڑی بیٹھ بھرتی ہے سب لوگ اسے بوسہ دیتے ہیں، اور اسی مقام پر فضوحوں کو حلف دی جاتی ہے اور اگر کوئی کسی پر کسی طرح کا دعویٰ کرتا ہے تو اس سے بھی اسی جگہ قسم لی جاتی ہے اس مسجد کے شرق میں ایک صومعہ تھا جس میں فضل خانہ تھا اس میں وہ لوگ غسل کرتے تھے، جو مغفل ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا، یہاں وضو خانہ بھی ہے، جامع اموی میں مؤذنوں کی تعداد دس تیر ہے۔ امام بھی کئی ہیں، اس کے امام بڑے جید عالم اور اپنے وقت کے بڑے باخدا اور خدا ترس بزرگ ہوتے ہیں، ابن بطوطہ نے اپنے زمانہ قیام کے ائمہ کے نام بھی لکھے ہیں اور ہر ایک کے علم اور زہد و تقویٰ کی تعریف بھی کی ہے، ان کی تعداد تیرہ (۱۷) لکھی ہے،

عداس مستدرک میں اختلاف ہے کہ رحلتہ ابن بطوطہ ص ۱۱۱ زیارۃ الشام والقدس ص ۱۱۱ کہ رحلتہ ابن بطوطہ ص ۱۱۱ ج ۱

تہ ایضاً ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۱ کہ رحلتہ ابن بطوطہ ص ۱۱۱ ج ۱

وسط مسجد میں حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک ہے، ایک تابوت ہے جو درستونوں کے درمیان پھیلا ہے، قبر مبارک پر سیاہ ریشمی کپڑا بڑا ہے اور اس پر سفید حروف میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔ (یا زکریا انما نبشروک بغلام احسن من اسماء یحییٰ) اس مسجد کی فضیلت میں ابن بطوطہ نے کچھ اقوال و آثار بھی نقل کئے ہیں، اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ قبلہ والی دیوار حضرت ہود علیہ السلام کی رکھی ہوئی ہے (جو قابلِ تحقیق ہے) اور ان کی قبر بھی اسی مسجد میں کہیں ہے مگر پھر انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہود علیہ السلام کے نام کی قبریں نے مین کے علاقہ میں بھی دیکھی تھیں۔

ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جامع اموی کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ ہر وقت دن رات اس میں نمازیوں کی ایک جماعت نمازیں مشغول ہوتی ہے، کسی وقت نمازیوں سے خالی نہیں رہتی الا ما شاء اللہ۔ اسی طرح ہر وقت یہاں کلام اللہ کی تلاوت ہوتی رہتی ہے، صبح کی نماز بعد لوگ جمع ہو کر باضابطہ سات ختم قرآن پاک پڑھتے ہیں، پھر عصر بعد جمع ہو کر سورہ کوثر سے ختم قرآن پڑھتے ہیں اسے وہاں کی اصطلاح میں ”کوثریہ“ کہتے ہیں، اس نیک کام کے لئے تقریباً چھ سو حفاظ قرآن و طیف پاتے ہیں ایک حاضری نویس ان کی حاضری لکھتا ہے اور غائب رہنے پر ان کا وظیفہ اسی اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ ایک بھاری جماعت مجاورین کی ہے جن کا کام رات دن نماز، تلاوت اور ذکر اللہ ہے، ان کو یہاں کے متکفین میں شمار کیجئے، یہ لوگ مسجد سے باہر کہیں نہیں جاتے، متکفین کے لئے جو غسل خانہ اور وضو خانہ ہے اسی سے کام چلاتے ہیں، کھانے پینے اور پہننے اور ہننے کے نظم سے یہ پاک ہیں ان کی یہ تمام ضروریات زندگی بغیر کبے سے اہل شہر پوری کرتے ہیں۔

باب حیرون کے باہر دائیں جانب ایک کمرہ ہے جس میں گھڑی کا عجیب و غریب سامان ہے اس سے وقت کا اندازہ ملتا ہے، کہتے ہیں کہ اس کا اندرونی حصہ ہر رنگ سے اور بیرونی زرد رنگ سے رنگا ہوا ہے

سہرہ علیہ ابن بطوطہ ص ۶۲۶۔ ایضاً۔ سہرہ علیہ ابن بطوطہ ص ۶۷۱۔

ہر گھنٹہ کے وقت اس کے رنگ میں ایک خاص طریقہ سے تبدیلی ہوتی ہے،

صاحب صناعت العرب نے لکھا ہے کہ دیوار میں طاق کی شکل کا ایک دریچہ تھا، جس میں ۱۲ چھوٹے چھوٹے پتیل کے طاق تھے ان طاقوں میں بارہ بارہ چھوٹے دروازے تھے، پہلے اور اخیر طاق کے نیچے دو باز بنے تھے، جو پتیل کی تھالیوں پر کھڑے تھے، جب ایک گھنٹہ گزر جاتا تو دونوں باز اپنی گردنیں بڑھاتے اور چونچ سے ان تھالیوں میں اس انداز سے پتیل کی گولیاں گراتے، کہ جادو معلوم ہوتا تھا، گولیوں کے گرنے سے گونج پیدا ہوتی اور طاقہ کا دروازہ جو اسی گھنٹہ کیلئے بنا تھا خود بخود بند ہو جاتا اسی طرح جب ایک دو ختم ہو جاتا، تو تمام دروازے بند ہو جاتے یہ (کتاب مذکور ص ۱۷۳)

ابن بطوطہ نے اس مسجد میں درس و تدریس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے متعدد طبقے ہیں حدیث کی، انجی کرسیوں پر رکھ کر پڑھی جاتی ہیں، صبح و شام قرأت کی مشق ہوتی ہے، کچھ اساتذہ ہیں جو بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، کچھ اساتذہ کتابت سکھاتے ہیں مگر قرآن پاک کی آیتیں تحقیقوں پر لکھ کر مشق نہیں کرائی جاتی، اسے بے ادبی شمار کرتے ہیں، اشعار وغیرہ لکھ کر بچوں کے حروف درست کرتے ہیں، ابن بطوطہ نے اپنے زمانہ قیام میں جامع دمشق کے ائمہ نمازیں ان ہر گروں کا نام لیا ہے۔

(۱) قاضی القضاۃ جلال الدین محمد بن عبد الرحمن القزوينی (۲) فقیہ ابو عیمن ابی الولید بن الکاحج البیہقی القزلبی، (۳) فقیہ عماد الدین الحنفی المعروف بابن الرومی (۴) شیخ عبد اللہ الکفیف اور جامع دمشق کے مدرسین کی جماعت میں سے ان علماء کرام کا نام لیا ہے۔

(۱) برہان الدین بن الفرج الشافعی (۲) نور الدین ابوالیسر بن الصائغ (۳) شہاب الدین بن اکھیل۔ (۴) بدر الدین علی السخاوی المالکی، انہیں بعض وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن پر مصراۃ دمشق کی عجیب پیش کی گئی، مگر انھوں نے انکار کر دیا، رحمہم اللہ تعالیٰ،

۱۔ رحلتہ ابن بطوطہ ص ۱۷۳، ۲۔ اجماع یہ گھنٹہ گھر بن اسماعیل نے نور الدین زنگی کے زمانہ میں

بنایا تھا اور افہام کثیر حاصل کیا تھا (ص ۱۷۳ العرب ص ۱۷۳) رحلتہ ابن بطوطہ ص ۱۷۳

امیرالامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

از

(مفتی اعظم الاسلام صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۴۱)

نواب مجیب الدولہ عرف ملو خاں

ذی لیاقت اور شجاعت اور سو جھ بوجھ کے آدمی تھے باپ کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہے اور داد شجاعت دی انکے صاحبزادے شجاعت خاں تھے انکو ولی النساء حکیم مہسوب تھیں نواب عبد السلام خاں لکھے ہیں کہ نکاح ولی النساء بیگم دختر نواب نصر اللہ خاں خلیفہ نواب عبد اللہ خاں بہادر پسر نواب علی محمد خاں بہادر باشجاعت خاں ولد مجیب خاں الحناط مجیب الدولہ عرف ملو خاں خلیفہ نواب نجیب الدولہ بہادر شد۔

اولاد | نجیب الدولہ کے تین بیٹے تھے

ضابطہ خاں، کلو خاں، منو خاں یہ بادشاہ کی طرف سے وکیل مرہٹوں کے کیمپ کے تھے۔

نواب ضابطہ خاں کا بیٹا نواب سید علی محمد خاں بہادر کی بیٹی کے ساتھ ہوا جو نواب فیض اللہ خاں کی حقیقی بہن تھیں۔

نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد ضابطہ خاں مسند نشین ریاست ہوئے اور دربار شاہی میں

علیہ سرگزشت نجیب الدولہ از نواب عبد السلام خاں رامپوری۔

بھی باپ کی جگہ پر فائز رہے شاہ عالم دہلی آنے کو تھے اور مرہٹوں کا زور بندھنے لگا تھا اپنا رہنما شاہجہاں آباد پسند نہ کیا اور اپنے علاقہ سہارنپور و نجیب آباد چلا جانا مناسب سمجھا۔ شاہ عالم نے جہاد جی سندھیاجی کو پیشوا کا انداز المہام تھا اسکو دعوت دی کہ اگر آباد اگر مہاراجا کی کائنات حاصل کرے اور دہلی ساتھ چلے مگر اس نے یہ کیا کہ دہلی پر چڑھ دوڑا اور گھیر کر گولہ باری کی اور لال قلعہ کو ضابطہ خاں کے گماشتہ سے چھڑا کر بادشاہ کے نام پر قبضہ کر لیا۔

شاہ عالم شہر میں دلی پہنچے پہلا فرمان یہ تھا کہ ضابطہ خاں پر تاخت کی جھلے چنانچہ شاہی فوج زیر سرکردگی ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں ایرانی وزیر اعظم و سپہ سالار مع کوکوجی ملکر جہاد جی سندھیاجی اور دلساجی کرشنا سر داران مرہٹہ حدود حکومت ضابطہ خاں میں داخل ہوا۔ کچھ دن بعد شاہ عالم بھی دہلی سے روانہ ہوئے ضابطہ خاں نے اہل خاندان اور خزانہ ہات پتھر گولہ میں نجیب آباد ضلع مجنور کا سنگین قلعہ تھا وہاں پہنچا دیا اور خود ایک لاکھ روہیلہ فوج کے ساتھ دیرینہ لنگاکے مشرق کنارہ پر مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔

لنگاکے کو بمقام سکھ تال متھل ہردوار فیصل کن جنگ ہوئی جس میں روہیلہ مات کھائے۔ ہزار ہا جان سے مارے گئے ضابطہ خاں نے راہ فرار اختیار کی تمام اہل خاندان عورتیں بچے ضابطہ خاں کے گرفتار کر لئے گئے اور تمام مال اسباب لاکھوں کا بھی شاہ عالم ضبط ہوا جو مرہٹوں میں تقسیم ہوا اس جنگ کے پیچھے سے محافظہ الہک بھی نہ بچ سکے چالیس لاکھ کا تودان ان پر قائم کیا گیا جس کا ضامن تجلج الدولہ بنا جس نے شہر میں روہیلوں پر انگریزی معاونت سے چڑھائی کی بول نالہ کی جنگ میں محافظہ الہک حافظہ رحمت خاں شہید ہوئے اور علاقہ روہیلہ کھنڈر ہو گیا حکومت اودہ کے قبضہ میں پھر انگریزی سلطنت میں شامل ہوا۔ مرہٹوں نے خاندان ضابطہ خاں پر بڑے ظلم توڑے بادشاہ دیکھ رہے تھے آخر مشن اگرہ کے قلعہ میں قید کئے گئے اور غلام کا درخورد تھا اس کو بادشاہ نے آخر تک راکر منظور نظر کیا۔ غرض ضابطہ خاں نے شجاع الدولہ کا ساتھ حافظہ صاحب کے مقابلہ میں دیا مگر پھر اتحاد ملا جملہ الماک پر بخت خان یار نے قبضہ کیا اچھا یاد دہلا دہرہ گیا ۱۸۵۶ء میں مرہٹوں نے بادشاہ کو مجبور کر کے ضابطہ خاں کو پھر لیرا لائی

دولائی بخت خاں وزیر الما لک سنبے۔ اور تھا رسلطنت کا منصب پایا حضرت مرزا مظہر جان جانا لکھتے ہیں۔

مال مردم این شہر از دوزیک بخت خاں امده است از شاہ تا گداہ است نہاہ است

بخت خاں نے ضابطہ خاں سے تعلقات برعائے اور ۱۸۵۹ء میں مسند نظامت سہارنپور و ہوا دی چنانچہ ضابطہ خاں قلعہ غوث گڑھ چلا گیا کچھ عرصہ بعد سکھوں کی لائے اپنی فتح پائی ۲۸ اپریل ۱۸۵۹ء کو شاہ عالم زمرہ شہوں اور مغلوں کی کیر فوج سے ضابطہ خاں کی آخری جائے پناہ علامہ قادر روئیلہ شہزادہ مولوی سید الطاف علی بریلوی (مصنف صفحہ ۹۲ جلد ۳ء ۱۲) قلعہ غوث گڑھ ضلع سہارنپور پر سخت لڑائی ہوئی حاکم قلعہ فتح ہو گیا ضابطہ خاں اپنی جان بچا کر سکھوں کے علاقہ کی طرف چلتا بنا ۱۸۵۹ء میں اسنے انتقال کیا صاحب نجیب التواریخ لکھتا ہے کہ

غلام قادر نے اپنی والدہ کے ذریعہ ضابطہ خاں کو زہر دوا دیا۔

۱۸۵۹ء میں غلام قادر کو سہارنپور کا علاقہ مل گیا

نجیب اللہ دور کے بھائی نواب سلطان خاں نجیب آبادی۔ نواب امیر خاں نجیب آبادی نواب مہر خاں دشرکار کار۔ نجیب آبادی۔ افضل خاں بانی افضل گڑھ امان خاں باذن خاں رئیس کوٹہ ان کی صاحبزادی روشن آرا بیگم کو غلام قادر نے مثل اولاد کے پرورش کیا اور اپنی لڑکی بنایا۔

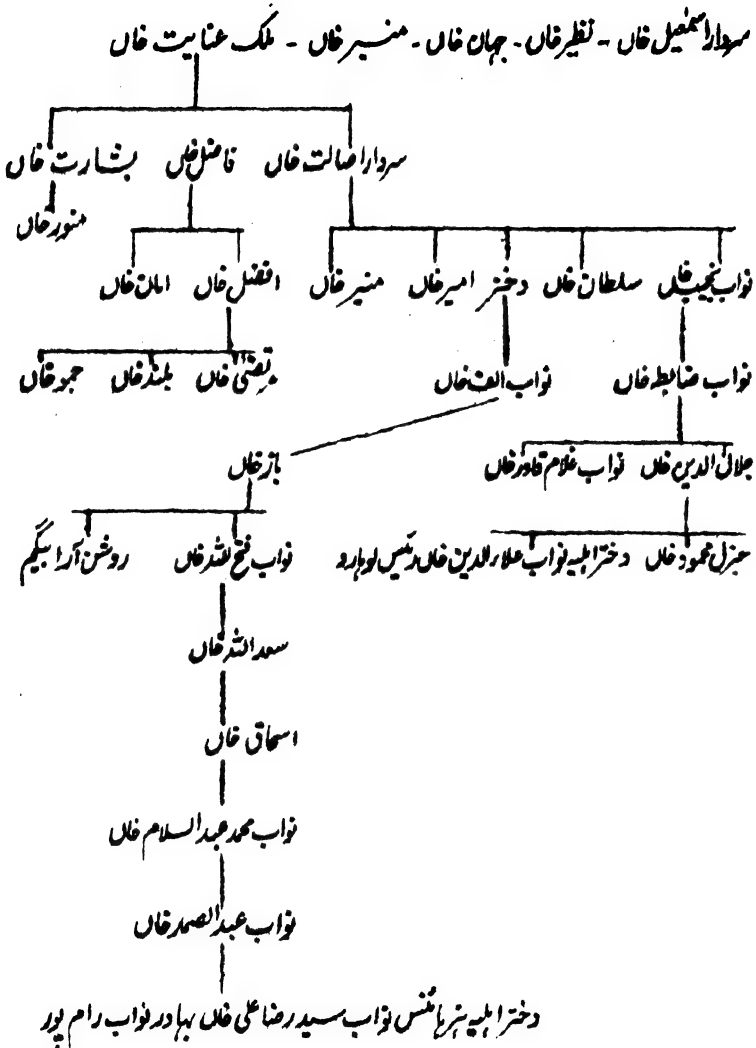
شجرہ اعلیٰ صفحہ پر ملاحظہ فرمائے

علا کلمات طلیعات ۲۔ نجیب التواریخ صفحہ ۶۵۔ ۳۔ غلام قادر روئیلہ شہزادہ مولوی سید الطاف علی بریلوی (مصنف)

رہنمائے قرآن

اسلام اور پیغمبر اسلام صلعم کے پیغام کی صداقت کو سمجھنے کے لئے اپنے انداز کی یہ بالکل جدید کتاب ہے جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے لکھی گئی ہے جدید ایڈیشن قیمت مجلد ایک روپیہ

شجرہ



فہرست کتب

مرزا نصیر الدین محمد	نجیب التواریخ
سید نور الدین حسین خاں بہادر فخری	احوال نجیب خاں نجیب الدولہ
شاہ نواز جنگ بخشی شاہ عالم	مرات آفتاب نامہ
خان دوران خان	عمدۃ الانساب
حافظ الملک حافظ رحمت خاں	گل رحمت
علی ابراہیم خاں	تاریخ پنج جنگ شاہ ابدالی
(سید محمد ہدی طباطبائی)	(مترجم)
نبی احمد خاں	تاریخ روہیلکنڈ
نواب شجاع اللہ خاں	روزنامہ غدیر شہید بہمد نواب محمود خاں
نبی بخش	مختصر التواریخ
مولوی مصطفیٰ علی خاں فاروقی گویا مولی	تذکرۃ الانساب
مولوی اکرام اللہ گویا مولی	ذکر علما
مولوی سید مدد علی تپش	تاریخ ہندوستان
غلام حسین	تاریخ خورشید جہاں
منشی عبدالکریم	عادات السعادت
مصباح الدولہ	شاہ عالم نامہ
غلام علی آزاد	تاریخ احمد
	امثال الامراء
	خزانہ عامرہ

تاریخ نادری

طباطبائی

سیرالماخرین

جامع التواریخ

مرات السلاطین

حکیم خوبر

منقخب التواریخ

تاریخ معفری

چهار گلشن

مفتاح التاریخ

عبد الکرم

زبدۃ التاریخ

اخبار الصنادید جلد ۲

تاریخ مرہٹہ

پروفیسر تراب علی گوالیاری

تاریخ تراب

مسٹر اردن

تاریخ فرخ آباد (ترجمہ)

نزک شاہجہانی

مولوی رحیم بخش دہلوی

تذکرہ عالم

رائے منگل سین ڈپٹی کمشنر

تاریخ بلند شہر

رنگ گوالیاری

بہار ہند

جان بہادر چودھری بی احمد سندیلوی

دفاع عالمگیر

مولوی سید الطاف علی بریلوی جے اے علیگ

حیات حافظ رحمت خاں

مولانا اکبر شاہ خاں (عبرت ۱۹۱۶ء)

حالات نجیب الدولہ

انتظام اللہ شہابی

تاریخ خاندان مظاہر

جزا فیہ فہم	احسان علی
ملسم	طوطا رام شایان
آئینہ تاریخ نا	راجہ شیو پرشاد
تاریخ ہندوستان	مولوی ذکا اللہ خاں دہلوی
ترجمہ تاریخ ہندوستان	انفینسٹن
تاریخ نجیب آباد کہنہ	پنڈت درگا پرشاد
جنگ پانی پت	سدا سک لال
پانی پت کا فوجی میدان رزماء ص ۱۹۴	سید غالب دہلوی ایڈیٹر ہدم بکو

انگریزی

ہسٹری آف دی مرٹاز	کپتان گرانٹ ڈفٹ جلد ۲
نوابس	دلیم اردن
ترجمہ رسالہ کافشی رائے	کرمل جمیس براون
ہسٹری آف مرہٹہ پیش	رکنیک دھارسیس جلد ۳
ڈکلائن اینڈ فال دی مغل المپاز	ادوین داویج لکھن
ہسٹری آف انڈیا	پادری مارٹنس
تاریخ راجستھان	بیورج
تاریخ اودہ	حکیم نجم الغنی رام پوری
مرکز شست نواب نجیب الدولہ	مولوی نظام الدین نظامی بدایونی
تاریخ رامپور	نواب عبدالاسلام خاں
	حکیم نجم الغنی

انتخاب یادگار

امیر مینائی

نواب دوندے خاں (مصنف)

مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی بی اے

غلام قادر خاں شہید (مصنف)

جنرل محمود خاں نجیب آبادی بئیرہ نواب ضابطہ خاں سیدہ اینس فاطمہ بریلوی

ضابطہ خاں

اسلام کا اقتصادی نظام مندوۃ المصنفین کی اہم ترین کتاب

ہماری زبان میں پہلی عظیم الشان کتاب جس میں اسلام کے پیش کردہ اصول و قوانین کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں میں اسلام کا نظام اقتصادی ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کی راہ پیدا کی ہے۔ پچھلے چند سال میں اسلام کے معاشی نظریوں کے مختلف گوشوں پر بے شمار مضامین نکلے ہیں اور متعدد کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ کتاب مختلف خصوصیتوں سے اپنا جواب نہیں کہتی کتاب کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چند ہی سال میں اس کا یہ چوتھا ایڈیشن ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کے پہلے چھوٹے ایڈیشن پر انہماک راستے فرماتے ہوئے لکھا تھا۔

”اردو میں اسلام اور اشتراکیت پر کافی لکھا جا چکا ہے لیکن خالص اسلامی نقطہ نظر سے اور اس تفصیل و جامعیت کے ساتھ اب تک کسی نے اس مسئلہ پر نگاہ نہیں ڈالی تھی۔ موجودہ اشتراکی رجحان اور مسلمان فوجیوں کے غیر معتدل غلو اور سبے راہ روی کے پیش نظر اس کتاب کی بڑی ضرورت تھی، مولانا حفص الرحمن نے یہ کتاب لکھ کر وقت کے بڑے تقاضے کو پورا کیا ہے۔ محنت و سرمایہ کی کشاکش کے اس دور میں اس عظیم الشان کتاب کا مطالعہ بعیرت کی راہیں کھول دے گا۔ صفحہ ۸۰۸ پر تقطیع قیمت

باخ روپے آٹھ آنے جلد چھ روپے آٹھ آنے
مکتبہ برہان۔ اردو بازار جامع مسجد ملی

حالاتِ حاضرہ

بقاِ امنِ عالم کی تحریکات پر ایک نظر

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

جنگِ وجدل یا کسی ایک قبیلہ قوم اور نسل کے لوگوں کی دوسرے قبیلہ قوم یا نسل کے لوگوں کے خلاف جارحانہ یا مدافعتی لشکر کشی کوئی ایسا واقعہ نہیں جسے ان برائیوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکے جو انسان کی علمی ترقیوں اور ذہنی ارتقا کی بدولت عالمِ وجود میں آئی ہیں۔ اس کے برعکس انسان روزِ اول ہی سے غیر شعوری طور پر جس قابلِ ذکر کمزوری اور برائی میں مبتلا رہا ہے اسے جنگِ وجدل ہی کے الفاظ سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زمانہ قبل از تاریخ کا انسان جنگِ وجدل کے لئے جن وسائل سے کام لیا کرتا تھا وہ اپنی تباہ کاری اور ہلاکت آفرینی میں آج کے وسائلِ جنگِ وجدل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتے اور اس دور کے مقاصدِ جنگ کو بھی عہدِ حاضر کے مقاصدِ جنگ کی طرح وسیع اور جریحہ قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ان ہر دو ادوار کے وسائل اور مقاصدِ جنگ کے بائین اختلاف کی موجودگی سے یہ امر لازم نہیں ہو جاتا ہے کہ عہدِ قدیم کا انسان جنگِ وجدل کے تصورات سے قطعاً محروم تھا لیکن اس کی کیا توجہ ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذہنِ انسانی کے ارتقا کی بدولت جہاں انسانی زندگی کے بے شمار شعبوں کی ایک منظم ترتیب پیدا ہوتی رہی ہے وہیں اس کی حیاتِ اجتماعی کے مختلف ادوار میں جنگِ وجدل کے تصورات بھی ایک مرتب اور منظم شکل اختیار کرتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ آج جنگِ وجدل نے اقوامِ عالم کی زندگی میں ایک مستقل حکمت اور فلسفہ کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ کے انسان کو جب کبھی یہ خطرہ لاحق ہوتا ہو گا کہ کوئی درندہ اس پر حملہ آور ہونے والا ہے یا کسی جیسا کوئی انسان اسے اس کی ضرورت کی کسی شے سے محروم کر دینے کا

ارادہ کر رہا ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اپنی جان یا اپنی ضرورت کی چیزوں کی حفاظت کے لئے اس درندہ پالنے ہی جیسے اس انسان کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہو گا اور اس مقابلہ کے دوران میں اسلحہ کے طور پر ہتھیاروں اور دھتوروں سے توڑی ہوئی موٹی موٹی شاخوں کے علاوہ اور کوئی شے استعمال نہ کی جاتی ہوگی اور ظاہر ہو کہ اس قسم کی لڑائیوں اور مقابلوں سے فریقین کے علاوہ کسی اور کو کوئی نقصان نہ پہونچتا ہو گا اور اسی لئے اس قسم کے انسان کو کبھی یہ بات سوچنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئی ہوگی کہ اس قسم کی لڑائیوں کو روکنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ مگر آہستہ آہستہ جب ان لڑائیوں کے مقاصد اور وسائل میں وسعت پیدا ہونا شروع ہوگئی اور اسی نسبت سے انسان کے مختلف طبقات پر جنگ و جدل کے تباہ کن اثرات مرتب ہونے لگے تو بعض لوگوں نے جنگ و خونریزی کی تدابیر پر بھی غور کرنا شروع کیا اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ ہی میں جنگ و جدل کی مخالفت شروع ہو گئی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ آج کرہ ارض کے مختلف گوشوں میں پیسف ازم کے نام سے جنگ آزماہی کے خلاف جو تحریک جاری ہے وہ بیسویں صدی عیسوی ہی میں عالم وجود میں آئی ہے اور پیسف ازم بمعنی فلسفہ امن خواہی قسم کی منظم لڑائیوں کا شدید مخالف ہے۔ اور اس فلسفہ کو ماننے والے انسان کے طبعی اتحاد کے قائل ہیں۔ وہ جنگ و جدل کو اجتماعی قتل و غارت گری سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جنگ کسی حال میں بھی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا۔ وہ جنگ کو تنازعات طے کرانے اور شکایات دور کرنے کا منفی ذریعہ تصور نہیں کرتے بلکہ تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ تحریک بہت قدیم ہے اور اسے قرون وسطیٰ کے طویل محاربات کا رد عمل تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اس عہد میں بھی بہت سے افراد جنگ و جدل کے شدید مخالف واقع ہوئے تھے۔ مشرق میں بودھ اور چین مذہب جنگ و خونریزی کے شدید ترین مخالف اور بقا و امن کے زبردست ترین حامی اور مبلغ تھے اور مغرب میں بھی ازمنہ وسطیٰ کے مذہبی انقلابات کے بعد ایسی متعدد تحریکات کا پرتہ چلتا ہے جو جنگ و جدل ہی کو منہیں بلکہ برقم کے منتشر انداز اقدامات کو مسیحی تعلیمات کے خلاف قرار دیتی تھیں۔ چنانچہ جرمنی، ہالینڈ، پولینڈ، یوگوسلاویہ اور انگلستان کے آنا بپسٹ، میٹونائٹ، پولش برادرز، نیرسلوینسکی، کن، یوسیمین برادرز اور کوکمرز

نامی فرنے اس عہد کے ممتاز امن خواہ اور مخالف جنگ فرنے تصور کئے جاتے تھے۔ اور پھر ان فرقوں نے نہ صرف فوجی خدمات ہی انجام دینے سے انکار کر دیا تھا بلکہ بعض نے اس بنا ٹیکس دینا بھی بند کر دیا تھا کہ حکومت ٹیکس کی آمدنی سے فوجی سپاہیوں کے مصارف برداشت کرتی ہے۔

پہرانیسویں صدی عیسوی کی لڑائیوں کے دوران میں براعظم یورپ کے جو لوگ ذاتی مشاہدات اور تجربات کی بدولت جنگ کی تباہ کاریوں کے قائل ہو گئے تھے انہوں نے ”ادارہ احباب“ کے نام سے ایک بین الاقوامی جماعت قائم کر کے ازمندہ دسلی اور عہد حاضر کی تحریکات بقا امن کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اب برطانیہ، امریکہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک میں ”مجاس امن“ کے نام سے اس تحریک کے ساتھ وابستہ متعدد جماعتیں قائم ہیں اس تحریک کے حامی اور داعی جنگ کے زمانہ میں فوجی خدمات انجام دینے سے انکار کر دیتے ہیں جی کہ اگر انہیں اس جرم کی پاداش میں ملکی قانون کی رو سے کوئی سزا بھی دی جائے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں اور زمانہ امن میں یہ لوگ جنگ کی تباہ کاریوں کو بے نقاب کر کے لوگوں کو جنگ کی مخالفت پر متحد آوازے بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر بشپمن نے ۱۹۳۷ء میں مورل وی آر منسٹ“ یعنی اخلاقی اسلحہ بندی یا تجدید اخلاق کے نام سے جو تحریک شروع کی تھی اور جس کے حامی آج دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں اگرچہ بظاہر اس کی بنیاد مسیحی تعلیمات پر قائم ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد بھی انسان کے اخلاق کو بلند کر کے اسے جنگ و جدل سے باز رکھنا ہی ہے۔ لیکن کیا یہ امر انتہائی حیرت انگیز اور افسوسناک نہیں کہ بقاء امن کی متعدد عالمگیر تحریکات کی موجودگی کے باوجود عیسوی صدی عیسوی کے ضعف اول ہی میں دنیا کو دو ایسی عظیم اور خونریز لڑائیوں کے دور سے گزرنا پڑا ہے جی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا بھی آسان کام نہیں اور یہی وجہ ہے جس پر غور کرنے کے بعد نہ صرف بقاء امن کی مذکورہ بالا تمام تحریکات کی بڑائی ہی واضح ہو جاتی ہے بلکہ وہ صورت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے جو مستقبل میں انسان کو جنگ و خونریزی سے محفوظ رکھ کر پائدار امن کی ضامن ثابت ہو سکتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ سے عہد حاضر کے آغاز تک جبکہ جنگ اور خونریزیوں پر مبنی رہی ہیں اگرچہ شعور انسانی کے ارتقاء کے ہر دور میں ان کے مقاصد و وسائل اور انکی

تباہ کاریوں کی حدود ایک دوسرے سے مختلف ہی ہیں لیکن ان میں سے کسی جنگ اور تصادم نے کسی دور میں بھی عوام کی زندگی پر وہ ہمہ گیر تخریبی اثرات مرتب نہیں کئے جو گذشتہ دو عالم گیر لڑائیوں کی بدولت رونما ہوئے ہیں۔

یایوں کہنا چاہئے کہ بیسویں صدی عیسوی سے قبل جو لڑائیاں برپا ہو کرتی تھیں چونکہ وہ حکمران اور صاحب اقتدار طبقوں ہی تک محدود رہتی تھیں اس لئے فتح و شکست دونوں صورتوں میں عوام بہت بڑی حد تک ان کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے تھے لیکن آج جبکہ مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ و جدل کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے عوام پہلے سے کہیں زیادہ جنگ نے ہولناک اور تباہ کن اثرات کا شکار ہوتے ہیں اور اسی لئے ازمنہ و سنی اور اس کے بعد کے زمانوں کی تحریکات بقا و امن سے ایوس ہو کر کوئی ایسی تدبیر سوچنے پر مجبور ہو گئیں جو مستقبل میں انہیں جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون رکھ سکے۔ اور اس سلسلہ میں وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس کی حقیقت اور اہمیت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پیشتر اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی قوت و طاقت کیا ہے جو بعد حاضر کی لڑائیوں میں فتح و کامرانی کی ضامن ثابت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بغض مخصوص حالات کے علاوہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ہر دور میں معاشرہ کے بعض مخصوص طبقات ہی جنگ و جدل کی قیادت کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہی صورت حالات پیش نظر ہے لیکن چونکہ آج مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ کا دائرہ بے حد وسیع ہو چکا ہے اس لئے مافیہ کے عکس آن کوئی چھوٹی سے چھوٹی لڑائی بھی عوام کے پورے تعاون اور اشتراک عمل کے بغیر فتح و نصرت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی اور اس لئے عوام کا تعاون اور اشتراک عمل ہی وہ بنیادی قوت ہے جس کو متحرک کئے بغیر جنگ و جدل کے حامی طبقات بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر دنیا کے عوام ہی جنگ و جدل کی مخالفت نہ کر سکتے ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ جنگ باز طبقوں کے قوی عمل بھی مفصل اور مستقل ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دنیا کے عوام نے مستقبل میں جنگ و خونریزی کو ناممکن بنانے کے لئے جو تدبیر سوچی ہے وہ حالات کے مذکورہ بالا منطقی نتیجہ ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ایک جانب تو دنیا کے عوام خود اپنی اپنی جگہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ تیسری عالمگیر جنگ برپا کرانے کے سلسلے میں جنگ باز طبقوں اور گروہوں کے ہر اقدام کی شدید ترین مخالفت اور مزاحمت کریں گے۔ اور دوسرے

دنیا کے ان طاقتور ممالک کو جن کے تعاون باہمی پر بقاء امن عالم کا انحصار ہے اس امر پر مجبور کر دیں گے کہ وہ
 صرف موجودہ بین الاقوامی تنازعات ہی کو مقابہ امت کے ذریعہ سے طے کریں بلکہ مستقبل میں جنگ کے تمام
 امکانات کو معدوم کرنے کے لئے بقاء امن کا ایک مستقل معاہدہ بھی کر لیں۔

بقا امن عالم کی یہ عوامی تحریک اگرچہ آج سے کم دہائیوں میں شروع ہوئی ہے لیکن
 اصابت کی بنا پر اس قلیل سی مدت ہی میں اس نے ہر گیر حقیقت حاصل کر لی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ کے
 کروڑوں باشندے اپنے اپنے ملک کی حکومتوں اور اقوام متحدہ اور دنیا کے ہر بڑے ملک —
 متحدہ امریکہ، سوویت یونین، چین، برطانیہ اور فرانس — سے اس امر کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ تمام
 ریٹھی اسلحہ کے استعمال کو ممنوع قرار دینے، اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کو روک دینے، موجودہ مسلح فوج
 میں تخفیف کرانے اور جنگ باز طبقات کی طرف سے جنگ کی حمایت میں جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسے خلائ
 قانون قرار دینے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس طرح مستقبل میں جنگ کے ہر امکان
 کو قطعاً معدوم کر دیں۔

یہ ادھر تاج بیان نہیں کہ بقاء امن عالم کے سلسلہ میں مذکورہ بالا عوامی تحریک میں جو قوت
 کار فرما ہے پلیسٹ ازم اور اسی قسم کی دوسری تحریکات میں وہ قوت موجود نہیں ہو سکتی تھی
 اور اسی لئے بقاء امن کی متعدد تحریکات کی موجودگی کے باوجود موجودہ صدی کے نصف
 اول میں برابر ہونے والی دو عالمگیر لڑائیوں کو بھی نہیں روکا جاسکتا تھا لیکن چونکہ بقاء امن کی
 یہ نئی تحریک عوام کے عزم مخالفت جنگ اور حصول مقصد کے لئے ان کے جذبہ عمل پر مبنی ہے
 اس لئے اسی تحریک کو بقاء امن عالم کی حقیقی تحریک کہا جاسکتا ہے اور گزشتہ دو سال کی مدت
 میں عالمگیر جنگ برابر ہونے یا اپنی اسلحہ سے کام لینے کے جو مواقع پیدا ہوتے رہے ہیں اگر
 بین الاقوامی جنگ باز طبقے انھیں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال نہیں کر سکے
 تو اس کے لئے بھی دنیا کو بقاء امن کی اسی عوامی تحریک کا سرمایہ منت ہونا چاہیے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری نہیں معلوم ہوتی کہ بقاء امن عالم کی یہ عوامی تحریک دنیا کے

عوام کی کتنی بڑی تعداد پر اثر انداز ہو چکی ہے اور دنیا کے کس کس ملک نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں کیا کیا اقدامات کئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ کی مجلس عمومی پر تخفیف اسلحہ اور ایٹمی اسلحہ کی تیاری اور استعمال پر بین الاقوامی نگرانی قائم کر نیکی جن جنادر پر عزم کیا جا رہا ہے وہ بھی اسی تحریک کا نتیجہ ہیں لیکن جب تک اس سلسلہ میں دنیا کے عوام کے تمام مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو مسدود بھی نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ سیام اکبر آبادی کا فیر فانی کارنامہ عظیم

وحی منظوم

یعنی منظوم ترجمہ قرآن مرقوم مع معانی و مفہوم

اب سے کئی سال قبل علامہ سیام نے قرآن مجید کے تیسویں پاروں کا منظوم ترجمہ فرمایا تھا جسے ہندو پاک کے مشاہیر و مستند علماء و فضلاء مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمن سید باری، مولانا محمد میاں مفتی عتیق الرحمن عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد نعیم حیدری، مولانا محمد لودیس، مولانا محمد صادق وغیرہ نے نہ صرف پسند فرمایا تھا بلکہ اسے مستند بھی قرار دیا تھا۔ ہزار ہا شائقین کے پیہم ملزار پر تیسویں پارہ اعلیٰ درجہ کے آرٹ پیپر پر نمونہ طبع کر دیا گیا ہے جس کا ہر صفحہ رنگین جو کسی کی عکسی طباعت ہے مزین ہے۔ اس منظوم ترجمہ کے متعلق اتنا ہی کہ دینا کافی ہے کہ تیرہ سو سال بعد پہلی کامیاب اور مستحسن کوشش ہے۔ یہ ترجمہ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت شاہ عبدالغادر کے مشہور ترجموں کی روشنی میں منظوم کیا گیا ہے۔ ایک صفحہ پر چار قلم سے قرآن کی سورتیں ہیں اور اس کے سامنے دوسرے صفحے پر منظوم ترجمہ، ترجمان سلسلے، الیاد و انشیں اور روح پرورد ہے کہ تلاوت کلام الہی کے ساتھ ساتھ منظوم ترجمہ کے مطالعہ سے روح بھونٹنے لگتی ہے۔ آخر میں علامہ محمد طاہر کی گراہی

آرا رکھی دے دی گئی ہیں۔ ہذا یہ صرف دو روپے، محصول رجسٹری سے ۸ روپیہ تیس سیمیا جائے گا۔ مٹی آرڈر پر اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھئے

مینجر مکتبہ قصر الادب - دفتر شاپر پوسٹ ٹکس ۴۵۲۶ ممبئی ۷

ادبیت

اشارے

(جناب الم مفسر نگری)

جہتے ہوئے پھول محج چمن میں چمکتے ہوئے آسمان پر سا ہے
 ہوا ٹھہرے تو حیران عیبی کا تھوڑے بیٹھے غم کیسی کہ سہل ہے
 حقیقت ہو کیا اس کے موتیوں کی بھی تو گرے فکارت ستارے
 دہائے ہوئے شوخ غم کو پیسے میں بیٹھا ہوں صبر و جنوں کہ سہا ہے
 روم کی دھول روک ہوں اقف ضرورت کیا خضر منزل کی مجھ کو
 ایجا حسن عمل کی دیکھے جو نباض تھے مقصد زندگی کے
 وہی ناغہ ہے تمہاری نظریں بوشی کو اپنی کا بے سمجھ سے
 ہے باطل کا ہر غم باطل کما سکوز غم خودی ہے شکستوں سے نفرت
 نہ ہیں ستیں باغبان کی نظر میں نہ دراک ہیں کورنگ چمن کا
 فنا بقا کی سلسلہ قوت سنبھالے ہوئے سہروں ہی زندگی کو

تکا و محبت کی خاطر مجھ پر انیل سے نہیں رنگیں نظارے
 نہ اندیشوں کو وہ دن دکھائے پوری محبت میں ہم نے گزارے
 تلوں کی طرح کوئی پہلے چمن میں عقیدت سے دامن تو پناہ پائے
 کوئی بھیگی راتوں کی تنہائیوں میں سہمے کی دمن میں گھسکا ہے
 سمندر کی موجوں پر نظر سے جاتے چلا ہمارا ہاں کناں کے کنارے
 بسا اوجہاں پر کچھ اس طرح کھیلے کہا بازی الفت جیتنے ہائے
 تو سچہ کیا کہو گے اسے تم بتاؤ خود وہ کڑوتوں کو اہل ہے
 چسک پائی جو فطرت حق نے ہی کسی وقت جیسے کسی وقت ہائے
 بہار و خزاں کی حقیقت وہ سمجھ سمجھتا ہے ہانکے نازک لٹارے
 کہ آہنگ و رفتار جیسے ہمارے قدم کو زمین پر رکھا اور اچھا کر

ذرا کھول آ نکلیں الم اور نظر رکھ لوئے شے سوئے روز روشن

گر بے خبر ہو کے قوائی منزل سے ہے خواب غفلت میں قسمت کے بار

تبصرے

خاص نمبر

جمہور صدر یار جنگ نمبر | مقام اشاعت علی گڑھ
بڑی تقطیع ۲۰-۳۰ صفحات ۹۶ صفحات قیمت دو روپے،

۱۹۵۷ء جمہور کا شمار ہندوستان کے سنجیدہ اخباروں میں ہے جس کو اس کے فاضل مدیر مولانا صاحب لہنشاہ خان صاحب شیروانی ڈری مخت اور سلیقے سے ترتیب دیتے ہیں، شاہد صاحب کے قلم میں سنجیدگی بھی ہے اور زندگی بھی اور اب چونکہ نواب صدر یار جنگ کے پوتے ریاض الرحمن خان صاحب ایم۔ اے بھی ان کے شریک قلم ہو گئے ہیں اسلئے اس زندگی میں اور بھی تازگی اور بالیدگی محسوس ہوتی ہے۔

صدر یار جنگ نمبر اسی پرچے کی اشاعت خاص ہے جس میں نواب صدر یار جنگ مولانا صاحب لہنشاہ خان صاحب شیروانی مرحوم کے حالات زندگی، ان کی علمی، مذہبی، اخلاقی اور تہذیبی خصوصیات اور ان کے ذوق، علم، علم پروری و علم فوازی کے ایک ایک پہلو کو ایک خاص سلیقے سے اجاگر کیا گیا ہے اور اس دور میں جس قدر معلوماتی مضمون مرحوم کے متعلق فراہم کئے جاسکتے تھے کئے گئے ہیں، مضمون نگاروں میں قدیم جدید دونوں اسکولوں کے ارباب قلم شامل ہیں، اسلئے یہ نمبر نواب صاحب جیسی جامع الصفات شخصیت کے کمالات اور فضائل اخلاق کا ایک لکڑش مرقع بن گیا ہے اور اہل ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے (ع)

پرچم تعزیت نمبر | مقام اشاعت مکتبہ پرچم، پرچم اسٹریٹ حسن علی آفندی روڈ کراچی، صفحات ۲۲۶ صفحات، قیمت پچھرا کتابت، طبعات بہتر کاغذ معمولی

مولانا سیاب مرحوم کے مشہور رسالے ماہنامہ پرچم کا یہ تعزیت نمبر مرحوم کی یاد میں مرتب کیا گیا ہے،

موصوف نے اردو زبان و ادب کی جولانہ والی خدمات انجام دی ہیں قدرتی طور پر ان کا تقاضا تھا کہ ان خدمات کی یاد دہانی کرنے کے لئے ان کے پسندیدہ کئے ہوئے پرچے کا ایسا خاص نمبر شائع کیا جاتا جو مرحوم کے عظیم الشان کارناموں کے شایان شان ہو،

پرچم کا یہ خاص نمبر جو ایک ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتا ہے ہر شخصیت سے قابل قدر ہے، اس کو پڑھ کر ملک کے اس مایہ ناز ادیب کی زندگی کے تمام گوشوں پر بصیرت کی روشنی پڑتی ہے اور ان کے کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے، اس کے مضامین شہر و نظم، بیانات، اقتباسات اور فوٹو سب ہی محنت اور مصلحت سے ترتیب دیئے گئے ہیں حضرت سیما ب کے قدردانوں کو خاص طور پر اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ (ع)

شاعر سالنامہ ۱۹۵۱ء اشاعت گاہ قصر الادب پوسٹ بکس ۲۵۲۶ بمبئی ۸ ضخامت ۲۷۴

سرورق خوبصورت

شاعر ہندوستان کا مشہور و معروف اور مقبول ادبی ماہنامہ ہے جو مولانا سیما ب کے لائق صاحبزادے اعجاز صدیقی صاحب کی زیر ادارت سالہا سال سے زبان و ادب کی قابل قدر خدمت کر رہا ہے، انشاء اللہ کے بعد سے ملک میں تو ایک خاص طرح کی حالت رونما ہو گئی ہے، شاعر اور مکتبہ قصر الادب بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکے، سیما ب صاحب مرحوم کے پاکستان چلے جانے سے آگرہ کے ناہوار اور حواس باختہ ایڈیٹر فٹن کو ادھم مچانے کا موقع مل گیا اور بالآخر اعجاز صاحب آگرہ چھوڑنے کے لئے مجبور ہو گئے، تاہم آپ کی یہ ہمت لائق ستائش ہے کہ خاندانِ ایران ہو جانے پر بھی آپ نے ہندوستان چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور آگرہ کے بجائے بمبئی کو اپنی مصروفیتوں کا مرکز بنالیا۔

چنانچہ ہمہ قسم کی دشواریوں کے باوجود آپ نہ صرف قصر الادب کو تھامنے کی بلکہ اس کو پہیلی آن بان کے ساتھ چلانے کی کوشش کر رہے ہیں، زیر نظر سالنامے میں ”شاعر“ کی پہیلی تمام خصوصیتیں باقی رکھنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے اور اسے دیکھ کر بے اختیار مولانا سیما ب کے ادبی سکول کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، مقالات مدیر کے علاوہ جو بہت ہی اثر انگیز ہیں، متعدد ادبی اور تنقیدی مضامین شریک اشاعت کئے گئے ہیں، نظموں غزلوں اور افسانوں کا انتخاب بھی خوب ہے، حضرت سیما ب کے فوٹو کے نیچے مرحوم کا یہ شعر لکھا گیا ہے جسے پورے نمبر

کی جان کہنا چاہیے۔

کہانی ہے تو اتنی ہے فریب خواب ہستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے (ع)

عربی زبان حصہ اول و دوم | مرتبہ جناب عبدالرحمن صاحب ظاہر سورتی تقطیع خور و ضخامت حصہ اول ۱۹۲ صفحات قیمت مجلد چھ روپیہ آٹھ آنہ وضاحت

حصہ دوم ۳۲۰ صفحات قیمت مجلد چھ روپیہ بارہ آنہ طباعت و کتابت بہتر ہے۔ سفید کتب خانہ محمد علی روڈ ممبئی ۳۲

عربی زبان میں مذکور نمونہ اور مفرد و متشدد جمع کے لئے الگ الگ افعال کے صفیے اور ضمائر ہیں۔ اور پھر ثلاثی۔ رباعی اور خماسی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم کے لئے الگ الگ ابواب ہیں اور ہر باب کی خاصیتیں مختلف ہیں۔ علاوہ برس ان میں تعلیلات کا ایک غیر مختتم اور پچھلے سلسلہ ہے۔ پھر عوامل کا اختلاف قدم قدم پر۔ اوزان سماعی و قیاسی کا بھی ملتا ہے۔ ہر صرط پر ایک ذرا سے زیر زبر کے فرق سے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر اس زبان کی نسبت عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ نہایت مشکل زبان ہے اور اس پر حاوی ہونا جوئے شعیہ لانے سے کم نہیں ہے۔ اس عام مگر بالکل بے بنیاد خیال اور سو کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے ادباء ذوق جو زبان کی دینی حیثیت یا اس کی علمی و ادبی اہمیت کے پیش نظر اس کو دیکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں ان کی ہمت بھی پست ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زبان اس وقت تک آہی نہیں سکتی جب تک کوئی شخص بچپن سے ہی دل لگا کر اور اپنی عمر کے کم از کم آٹھ نو سال صرف کر کے اسکو حاصل نہ کرے۔ اس عام خیال کی تعلیط و تردید اور عربی زبان کو عام کرنے کی غرض سے اردو زبان میں اب تک مختلف طرز پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ چنانچہ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ہمارے خیال میں ”دیر آمد و درست آمد“ کا مصداق ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لائق مصنف نے تین باتوں کی کامیاب کوشش کی ہے ایک یہ کہ صرف و نحو کے قواعد کو آسان و عام فہم طریقہ پر کسی قدر وضاحت کے ساتھ طالب علم کے ذہن نشین کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ الفاظ متداولہ کا ایک بڑا ذخیرہ چھپا کر دیا گیا ہے اور تیسرے یہ کہ ایک ہی لفظ کی متعدد شکلیں مختلف عباوتوں میں اس طرح چھپا دی گئی ہیں جن کو پڑھنے اور یاد کرنے

کے بعد ایک حوسطہ درجہ کا طالب علم خود بخود اس پیسے دوسرے الفاظ کی مختلف شکلیں بنا سکتا ہے یہ طریقہ آج کل کے نقشہ طرق تعلیم میں ”طریقہ راست“ (Direct Method) کہلاتا ہے اور مصنف نے اسی طریقہ کو اپنی کتاب میں استعمال کر کے عربی زبان کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے امید ہے کہ اہل فنیق اس کی قدر کریں گے،

(رس)

از مولانا محفوظ الرحمن نامی تطبیع خود صفحات ۱۱۲ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت
معلم القرآن | اچھ پترہ۔۔ مسکتہ ترجمہ قرآن ناصر پورہ بہرائچ لکھنؤ

ایک مصنف قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنے کی ایک تحریک چند سالوں سے بڑے شغف و اہٹاک کے ساتھ چلا رہے ہیں اور اعلیٰ سرگرمیوں کے علاوہ اس سلسلہ میں ایک متعدد مفید رسالے لکھ چکے ہیں۔ چنانچہ یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ قرآن مجید کی اہمیت اور اسکی عظمت و شان کیا ہے؟ اس کو پڑھنے پڑھانے سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس سے بے اعتنائی پر تا کنفیضی عروہی ہے پھر ان طریقوں کا ذکر ہے جگہ ذریعہ قرآن مجید کی تعلیم بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد عربی صرف و نحو کی چند قواعد کا ذکر ہے جسکا بیان ہماری رائے میں یہود تشناور تا مکمل ہے اور جسکی بیان کی اس رسالہ میں کوئی قصور نہیں تھی۔ آخر میں قرآن مجید کے بعض علوم کا تذکرہ ہے۔ ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ کتاب الہی کی اہمیت و عظمت اور اس کی زبان و علوم کی نسبت جو بات بھی کہی جائے اور جس طرح بھی کہی جائے سراسر خیر و برکت اور جوسلا فلاح و ہدایت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لایق مؤلف نے رسالہ کی ترتیب کو غلط مباحث سے بچانے کی کوشش نہیں کی، اس بنا پر رسالہ کی حیثیت بجائے منظم و مرتب رسالہ کے اس ڈھب کی سی ہو گئی ہے جس میں کوئی لکچر اپنے موضوع سے متعلق مختلف یا دو آشتیں بے ترتیبی کے ساتھ جمع کر لیتا ہے۔ اس خامی کے باوجود بحیثیت نوبی رسالہ کے مفید اور سرمہ چشم یقین و ایمان ہونے میں کلام نہیں۔

از مولوی سید عبدالسبحان عظیمی ربانی۔ تطبیع کلان طباعت و کتابت
آسان قرآنی کورس | ۴۸ صفحات قیمت ۹ پترہ، ۱۲۸ قرآن

مسجد سعیدیہ معروف صاحب اسٹریٹ مونٹ روڈ دہرا داس۔

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے عربی کا جانتا ضروری ہے اس مقصد کے پیش نظر یہ رسالہ لکھا گیا ہے جس میں عربی زبان کے صرفی و نحوی قواعد سے متعلق دس اسباق ہیں اور ہر سبق میں مثالوں اور لغات کی مشق کے لئے الفاظ اور جملوں کا انتخاب زیادہ تر قرآن مجید سے ہی کیا گیا ہے مصنف نے بقول اپنے ان میں سے اکثر کو اپنے ذاتی تجربہ میں مفید پایا ہے۔ امید ہے کہ مصنف اسی طرح باقی اسباق لکھ کر اس سلسلہ کو مکمل کر دیں گے اور ارباب ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ (رس)

مشام روح از جناب تائبان القادری تقطیع متوسط کتابت و طباعت متوسط فضولت ۱۶۲ صفحات قیمت مجلد پچاس روپے۔۔ مکتبہ قادریہ ۲۲ خالقہ شریف لین کلکتہ ۱۴۔

جناب تائبان کلکتہ کے نوجوان اور خوش گو شاعر ہیں وہ نظم اور غزل دونوں میں کیلیں قدرت رکھتے ہیں تاہم نظری طور پر ان کو تغزل سے زیادہ لگاؤ معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان کے تغزل میں درد و انداز بھی ہے اور سوز و گداز بھی ہے ساختی اور آد بھی ہے اور حسنی تخیل بھی انھوں نے اپنی شاعری کے دو دور قائم کئے ہیں ایک ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک اور دوسرا ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۵ء تک۔ اس مجموعہ میں شاعر کے ان دو وزنوں دو دروی کا کلام جو غزلوں، غزلیوں اور رباعیات پر مشتمل ہے جمع کیا گیا ہے۔ کتاب کے شروع اور آخر میں اردو زبان و ادب کے متعدد نامور اربابِ قلم کی تقریظات ہیں جن میں انھوں نے جناب تائبان کی شاعری کی نسبت اظہارِ خیال کیا ہے امید ہے کہ ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے ”مشام روح“ حاصل کریں گے

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔
قیمت چھ روپے آٹھ آنے سے جلد سات روپے آٹھ آنے تک
اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین
کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش
کیا گیا ہے جو پختہ ایڈیشن قیمت پندرہ روپے
اسلام نظام مساجد قیمت پچیس روپے
مسلمانوں کا عروج و زوال :-
جدید ایڈیشن۔ قیمت للہم جلد ۴

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ
لغبت قرآن پر بے مثل کتاب۔ جلد اول۔ طبع دوم
قیمت للہم جلد ۴
جلد ثانی قیمت للہم جلد ۴
جلد ثالث قیمت للہم جلد ۴
جلد رابع (زیر طبع)

مسلمانوں کا نظم و حکومت مصر کے مشہور مصنف
ڈاکٹر حسن ابراہیم کی محققانہ کتاب تنظیم الاسلام
کا ترجمہ۔ قیمت للہم جلد ۴
ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

جلد اول۔ لجنہ مصلحت میں بالکل جدید کتاب
قیمت چار روپے للہم جلد چار روپے
جلد ثانی :- قیمت چار روپے للہم جلد چار روپے

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر
محققانہ کتاب۔ قیمت ۱۰ روپے - جلد ۱

ترجمان السنہ جلد اول - احادیث نبوی کا
بے مثل ذخیرہ۔ قیمت ۱۰ روپے - جلد ۱

ترجمان السنہ جلد دوم - اس جلد میں چھ سو کے
قریب احادیث آئی ہیں قیمت للہم جلد ۱

تحفۃ النظر یعنی خلاصہ سفر نامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از مرحوم نقشبندی سفر قیمت ۱۰ روپے

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامات
جلد اول۔ قیمت ۱۰ روپے - جلد ۱

جلد دوم قیمت ۱۰ روپے - جلد ۲
عرب اور اسلام :-

قیمت تین روپے آٹھ آنے سے جلد چار روپے آٹھ آنے تک

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی
محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر اچھے دل پذیر
انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا ایمان اور نقل و نقل آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی
گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن۔ قیمت ۱۰ روپے - جلد ۱

مینجمنٹ و مصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی - ۴

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ **محض خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محضین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادائے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محضین** جو حضرات یکپس روپیہ مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محضین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاضدہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ ”برہان“ بلا کسی معاضدہ کے پیش کیا جائیگا۔ جو حضرات اٹھارہ روپیے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ ۳۔ **معاونین** :- معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ ”برہان“ (جس کا سالانہ چندہ چھ روپیے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **اجتہاد** - نوروپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے اجتہاد میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان (۱) برہان ہر انگریزی ہفتے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس لٹا نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ تا ۲۵ دن کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہو۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپیے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپیے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ۔

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کر کے دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

